شمس ولایت

امام علیؑ ابن موسیٰ الرضاؑ

مولف

حاج شیخ علی اصغر عطائی خراسانی

(امام جمعہ طرقبہ۔مشہد مقدس رضوی)

مترجمین

سید کفایت حسین پیرانشہری، واجد علی خرم

ادارہ تعلیم و تربیت لاہور

نام کتاب: شمسِ ولایت (امام علی بن موسیٰ الرضاؑ)

(The Sun of Sanctity)

مولف: حاج شیخ علی اصغر عطائی خراسانی

(امام جمعہ طرقبہ۔مشہد مقدس رضوی)

مترجمین: سید کفایت حسین پیر انشہری ،واجد علی خرم

کمپوزنگ: سید امجد علی کاظمی

تعداد: ایک ہزار

ہدیہ:

ناشر: ادارہ تعلیم و تربیت لاہور

طبع: اوّل ۲۰۰۹ء

﴿ملنے کا پتہ﴾

مکتبہ الرضا

8۔بیسمنٹ میاں مارکیٹ غزنی سٹریٹ اردو بازار لاہور 0427245166

حیدری کتب خانہ

اندرون کربلا گامے شاہ لوئر مال لاہور 0345-4563616

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

شمسِ ولایتؑ

امام علیؑ ابن موسیٰ الرضاؑ

ناشر

ادارہ تعلیم وتربیت لاہور

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

فہرست عناوین

نمبر شمار	عناوین	صفحہ نمبر
۱۰۲	امامؑ کا ایک مشکل سوال اور یحییٰ بن اکثم	۲۶۶
۱۰۳	امام علی ابن موسیٰ الرضاؑ کی زیارت کے فضائل	۲۶۷
۱۰۴	زائر کا ادب اور آداب زیارت	۲۶۹
۱۰۵	امامؑ کے عقیدتمندوں کے اشعار	۲۷۱
۱۰۶	مدفن	۲۷۴
۱۰۷	قبہ ھارونیہ و پاک سرداب	۲۷۵
۱۰۸	حرم امامؑ کی مظلومیت	۲۷۶
۱۰۹	دس محرم کو حرم رضوی میں المناک واقعہ	۲۷۸
۱۱۰	عاشورا در عاشورا	۲۸۰
۱۱۲	امام رضاؑ پر صلوات	۲۸۱

والسلام

الحمد اللہ رب العالمین والصلواۃ والسلام علی اشرف الانبیاء والمرسلین سیدنا نبینا ابی القاسم محمد وآلہ الطیبین الاطاہرین المعصومین اجمعین۔ سیما بقیۃ اللہ الارضین قال اللہ الحکیم فی کتابہ:

قُل لا اسئلکم علیہ اجراً الا المودۃ فی القربیٰ

حمد وثناء سب اللہ تعالٰی کے لئے ہے جو ایسا اول ہے جس سے پہلے کوئی اول نہ تھا اور ایسا آخر ہے جس کے بعد کوئی آخر نہ ہوگا۔ وہ خدا جس کے دیکھنے سے دیکھنے والوں کی آنکھیں عاجز اور جس کی توصیف وثناء سے وصف بیان کرنے والوں کی عقلیں قاصر ہیں۔ تمام تعریف اس اللہ کے لئے ہے کہ اس نے اپنی ذات کو ہمیں پہچنوایا اور حمد وشکر کا طریقہ سمجھایا اور اپنی پروردگاری پر علم واطلاع کے دروازے ہمارے لئے کھول دیئے۔

تمام تعریف اس اللہ تعالٰی کے لئے جس نے اپنے پیغمبرؐ کی بعثت سے ہم پر وہ احسان فرمایا جو نہ گذشتہ امتوں پر کیا اور نہ پہلے لوگوں پر۔ اور اس نے اپنی مخلوقات میں ہمیں آخری امت قرار دیا۔ تمام درود وسلام ہوں محمدؐ وآلِ محمدؐ پر جو تیری وحی کے امانت دار، تمام مخلوقات میں تیرے برگزیدہ، تیرے بندوں میں پسندیدہ، رحمت کے پیشوا، خیر وسعادت کے پیشرو اور برکت کا سرچشمہ ہیں۔

جی ہاں! یہی مودت ہے جو ہم جیسے گناہ گار انسانوں کو عذاب الٰہی سے نجات دیتی ہے۔ لوگ اس فانی دنیا کے اتنے رسیا ہیں کہ بار بار قرآنی احکامات کے باوجود بھی اہلبیتؑ کے دروازے پر ہدایت لینے نہیں آتے۔ جس کی وجہ سے آج انسانیت فتنہ وفساد کے دلدل میں پھنسی ہوئی ہے۔ نکلنے کا کوئی راستہ سجھائی نہیں دیتا۔ ہر رہنما کو آزمایا اور ٹٹولا جاتا ہے لیکن جب اسکے کرتوت سامنے آتے ہیں تو مایوسی کے سوا کچھ نہیں ملتا۔

کیاان انسانوں کوان بارہ ہادیوں سے ہدایت نہ حاصل کرنے کی سزامل رہی ہے جن سے فیض نہ حاصل کیا گیا بلکہ اُن کوشہید بھی کردیا گیا، کہیں ایسا نہ ہو کہ ان کی وجہ سے کوئی انقلاب آ جائے۔اور ہم عارضی حکومت سے محروم ہو جائیں۔اس نقطے پر تاریخ گواہ ہے۔کون نہیں جانتا کہ رسولِخداؐ اوران کے اہلبیتؑ کی ہدایت پر صحیح معنوں میں عمل کیا جاتا تو آج تفرقہ بازیاں نہ ہوتیں اُمت ایک پلیٹ فارم پر اکٹھا ہوتی۔

آج بھی آئمہ معصومین علیہم السلام کا اسوہ حسنہ ہمارے لیے ایک بہترین راہ عمل ہے۔ اس پر ہم عمل کر کے دُنیا اور آخرت میں فلاح پا سکتے ہیں۔خداوند تعالیٰ ہمیں آئمہؑ کی زیارات نصیب فرمائے کیونکہ اسی میں ہماری نجات ہے اور ہماری دنیاوی اوراُخروی حاجات کے برلانے کا سامان ہونے کے علاوہ ہماری روحانی بالیدگی کا سامان ہے۔ہمیشہ خدا سے دعا کرنا چاہیئے کہ خداوندمتعال ہمیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اس حدیث مبارکہ پر عمل کرتے رہنے کی توفیق عطا فرمائے۔ جس میں آپؐ نے فرمایا، میں تمھارے درمیان دوگرانقدر چیزیں چھوڑے جارہا ہوں ایک قرآن ہے اور دوسری میری عترت اہلبیتؑ ہیں جو کوئی ان دونوں سے متمسک رکھے گا میرے بعد ہرگز گمراہ نہ ہوگا حتیٰ کے یہ دونوں میرے سامنے حوض کوثر پر پہنچ جائینگی۔

ای خدا این وصل راہجر ان مکن سرخوشان عشق رانا لان مکن

باغ جان راتا زہ و سرسبزدار قصدا این ستان واین بستا ن مکن

کعبہ آمال ما این درگہاست کعبہ آ مال را ویران مکن

میں سمجھتا ہوں کہ یہ مجھ حقیر پر امام علی ابن موسیٰ رضاؑ کا خصوصی کرم ہوا ہے کہ میرے ہاتھوں پیش نظر کتاب شمس ولایت یعنی ولایت کا سورج (The sun of sanctity) رقم ہوئی ہے۔اس کا زیادہ تر علمی تحریری وتاریخی موادزندگانی امام ھشتم علی ابن موسیٰ رضاؑ جیسی معتبر کتاب سے ترجمہ کیا گیا ہے۔میں خود ایک بار پھر اس بات کا اعتراف کرتا ہوں کہ آئمہ معصومین علیہم السلام اور خصوصاً امام علی ابن موسیٰ الرضاؑ کی خصوصی کرم نوازی ہے کہ پیر بدین آف اسلام

(امام جعفر صادقؑ)"، "امام زمانہؑ کی واپسی اور جدید خطاب" جیسی اہم کتابوں کے بعد اب شمسِ ولایت کو منصۂ شہود (منظر عام) پر لا رہے ہیں۔ اس سلسلے میں جناب سید اعجاز حسین بخاری صاحب خصوصی شکریہ کے مستحق ہیں جن کی خصوصی کاوش سے یہ کتاب منظر عام پر آ رہی ہے۔ ورنہ اپنے بارے میں یہ کہنا بے جا نہ ہوگا۔

میں برادر واجد علی خرم کا بھی تہہ دل سے ممنوں ہوں جنھوں نے اپنی شدید مصروفیات میں سے وقت نکال کر کتاب ہذا کے ترجمہ میں معاونت فرمائی دعا گو ہوں کہ خداوند متعال برادر خرم کو اجر عظیم عطا فرمائے اس کے علاوہ بھی جن برادران نے اس کتاب کے سلسلے میں معاونت فرمائی اور خصوصی طور پر ادارہ تعلیم وتربیت لاہور کے سرپرست کا بھی ممنون ہوں کہ ان کا تعاون بھی ہمارے لئے مددگار ثابت ہوا۔ انہیں بھی اجر عظیم عطا فرمائے اور ان کے مرحومین کی مغفرت فرمائے اور انہیں جوار آئمہ علیہم السلام میں جگہ عطا فرمائے۔

کتاب کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ امام رضاؑ کا لقب "شمس الشموس" (سورجوں کا سورج) ہے۔ کسی نے خواب میں آپؑ کا دیدار کیا تو پوچھا "مولا! آپ کا یہ لقب کس وجہ سے ہے؟ فرمایا! تمام سورج اور چاند مجھ سے روشنی لیتے ہیں۔ بایں معنی کے تمام اولیاء اللہ حضرتؑ سے فیض پاتے ہیں"۔

آخر میں، میں تمام قارئین کرام سے ملتمس ہوں کہ امام زمانہؑ کے ظہور میں تعجیل کے لیے دعا فرمائیں کیونکہ خود جناب امام زمانہؑ نے اپنے ظہور کے لیے دعا کرنے کا حکم دیا ہے۔ اور فرمایا ہے: یہ تمھارا اپنا ظہور ہے۔ اب نظر آرہا ہے کہ وہ دن دور نہیں جب ظلمت کے بادل چھٹ جائیں گے اور آخری آفتاب عالمتاب، اپنے خدائی نور سے اس جہاں کو منور کرے گا۔ انشاءاللہ تعالی

والسلام

سید کفایت حسین پیرانشہری

پیراں۔ مانسہرہ ۱۲ ربیع الثانی ۱۴۲۷ ہجری قمری 2 مئی 2009ء

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مقدمہ

اسلام کی منجملہ خوبیوں میں سے نہایت ہی ممتاز خوبی یہ ہے کہ اس نے شروع سے عالم بشریت کو دعوت غور وفکر دے کر اس فکری جمود در کود کی نفی کی ہے جو کئی برسوں سے انسانوں کے اذہان پر چھایا ہوا تھا اور اس نے انسانی عقل پر جہالت کی ایسی دبیز تہہ ڈالی ہوئی تھی کہ اسلام سے قبل انسان کو کچھ بھی سُجھائی نہ دیتا تھا وہ اندھیرے میں ناک ٹوئیاں مار رہا تھا، بدترین درجے کے خرافات و اوہام میں مبتلا تھا اس زمانے میں رائج بت پرستی، شرک اور شادی و موت کی تمام رسومات اس بات کی گواہ ہیں۔ بات یہیں نہیں ختم ہو جاتی بلکہ بیٹیوں کو زندہ درگور کرنا جیسے واقعات بھی اس دور کی بدترین یادگار ہیں جس کی طرف قرآن کریم نے واضح اشارہ کیا ہے۔

ہم انسان خداوند تعالیٰ کا جتنا شکر بجالائیں کم ہے کہ اس نے بنی نوع انسان کو جہالت کے گھٹا ٹوپ اندھیرے سے نکالنے کا ارادہ فرمایا اور اس مقصد کو پایہ تکمیل تک پہنچانے کے لئے رحمت اللعالمینؐ اور ان کی آلؑ کا انتخاب کیا۔

آپؐ نے نہ صرف زبانی و عملی طور پر انسانوں کو جہالت سے نکلنے کی دعوت دی بلکہ خداوند تعالیٰ کی آخری کتاب قرآن کریم کے ذریعے اپنے اقوال وافعال پر تصدیق مہر ثبت کردی۔ اس کتاب نے بنی نوع انسان کو بار بار جھنجوڑا ہے ''افلا تعقلون'' (تم عقل سے کام کیوں نہیں لیتے؟) ''افلا تتدبرون'' (تم غور وفکر کیوں نہیں کرتے) کائنات میں غور وفکر کرو، پہاڑوں کو کس طرح زمین میں میخوں کی طرح گاڑ دیا ہے، رنگ برنگے پھل و پھول اپنی اپنی رعنائیاں

دکھا رہے ہیں ان سب کو کسی نے خلق کیا ہے ذرا غور تو کرو تا کہ تم پر مظاہر قدرت آشکارا ہو سکیں۔ اور تم خدا کی معرفت حاصل کر سکو، اسلام نے غور وفکر پر مزید زور دیتے ہوئے کہا کہ کائنات میں ایک گھنٹہ غور وفکر کرنا ساٹھ سال کی عبادت کے مترادف ہے۔

خداوند تعالٰی کی اس آخری کتاب میں ہی فرمایا گیا۔

"هَلْ يَسْتَوِي الَّذِينَ يَعْلَمُونَ وَالَّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ"

""کیا وہ لوگ جو علم رکھتے ہیں کیا ان کے برابر ہو سکتے ہیں جو علم نہیں رکھتے"

اس سے پتہ چلتا ہے کہ اسلام میں درجات کی بنیاد علم پر رکھی گئی ہے اور پیغمبر اکرمؐ نے حصول علم کی تاکید کرتے ہوئے فرمایا۔

""ہر مسلمان پر فرض ہے کہ وہ علم حاصل کرے" اسی طرح فرمایا کہ "ماں کی گود سے لے کر قبر تک علم حاصل کرو" یا یہ جملہ کہ "علم کی جستجو میں اگر چین بھی جانا پڑے تو جاؤ"۔ اسلام سے قبل کسی دین نے علم کے حصول پر اتنی تاکید نہیں کی۔ یہاں تک کہ علم ہی کو خداوند تعالٰی کی معرفت کا ذریعہ قرار دیا۔ یہی وجہ ہے کہ آئمہ طاہرینؑ نہ صرف خود علم کے اعلٰی درجات پر فائز تھے بلکہ اپنے پیروکاروں کو بھی حصول علم کی تاکید فرماتے رہے۔ ایک مرتبہ امام علی ابن موسٰی الرضاؑ نے اپنے صحابی ابا صلت سے جبکہ وہ آپؑ کے علم لسان کے بارے میں حیران تھا فرمایا کیا تو نے امیر المومنین علی ابن ابی طالبؑ کا یہ قول نہیں سنا کہ ہمیں فصل خطاب عطا کیا گیا ہے۔ اور کیا فصل خطاب زبانوں کے علم کے علاوہ کوئی چیز ہے؟ چونکہ میں مخلوق پر حجت خدا ہوں لہذا ان کی زبانیں جانتا ہوں۔

یزید بن سلیط کا بیان ہے کہ مکہ مکرمہ کے راستے میں امام صادق علیہ السلام سے ملاقات ہوئی تو آپؑ نے فرمایا میرے بیٹے موسٰیؑ کی ایک اور خوبی یہ ہے کہ خداوند تعالٰی میرے بیٹے کو ایسا بیٹا عطا فرمائے گا جو اس امت کے لئے پناہ، علم، نور، فہم اور حکم ہو گا۔ وہ بہترین فرزند ہو گا جو شاندار زندگی بسر کرے گا اور خداوند تعالٰی اس کے وسیلے سے اس امت کے باہمی اختلاف کو رفع فرمائے

گا اور شیرازہ بندی کرے گا۔ اس کے وسیلے سے ننگے کو لباس، بھوکے کو غذا، خوف و ہراس میں مبتلا کو امن عنایت کرے گا۔ اس کے سبب سے لوگوں کو بارش عطا ہو گی۔ خدا کے بندے اس کے وسیلے سے اوامر الٰہی کی اطاعت کریں گے۔ (اثبات الہداۃ ج ۳ ص ۲۷۹) اسکے وسیلے سے امن و امان پائیں گے اور یقین کی دولت سے مالا مال ہوں گے۔ وہ عظیم الشان زندگی بسر کرے گا۔ اور بلوغت سے قبل قوم و اقربا کو بشارت دے گا دوٹوک بات کرنے والا ہو گا۔ وہ علمی تقاضوں کے مطابق گفتگو کرے گا اور امت کے اختلاف کو دور کر دے گا۔

مؤلف

امام رضا علیہ السلام کے والد گرامی

ساتویں امامؑ کی شخصیت کی پہچان کے بارے میں مختصر گفتگو کے بعد آٹھویں امام کی سوانح حیات رقم کریں گے۔اس سلسلے میں خداوند تعالیٰ سے دعا گو ہیں کہ ہم پر اپنا فضل و کرم کرتے ہوئے ہمیں حقیقت لکھنے کی توفیق عطا فرمائے اور کوتاہیوں سے باز رکھے۔

ابوابراہیم موسیٰ بن جعفر باب الحوائج الی اللہ ساتویں امامؑ جو عبد صالح اور کاظم کے نام سے معروف تھے،کمال الدین ابوسالم محمد بن طلحہ الشافعی آپؑ کی شخصیت کے بارے میں یوں رقم طراز ہے۔

"ھوالامام الکبیر القدر، العظیم الشان، الکثیر التھجد، الجاد فی الاجتھاد المشھود له بالکرامات، المشھور بالعبادة وظھور خوارق العادات، المواظب علی الطاعات، یبیت اللیل ساجداً وقائماً ویقطع النھار متصدقاً وصائماً و لفرط علمه و تجاوزه عن المعتدین علیه دعی کاظماً، کان یجازی المسیئی بالاحسان و عن الجانی بالبر والعفو والاحسان، ولکثرة عبادته لیلاً و نھاراً کان یسمی العبد الصالح ویعرف فی العراق باب الحوائج الی الله لانجاح مطالب المتوسلین به الی الله و کراماته تتحار فیه العقول وتقضی بان له عندالله قدم صدق لایزل"

آپؑ وہ عظیم الشان پیشوا تھے جو ہمیشہ تہجد میں مشغول رہتے تھے، آپؑ کی کرامات کے

سب گواہ اور آپؑ کی عبادت کے چرچے زبان زد خاص و عام تھے۔ آپؑ راتیں قیام، رکوع و سجود میں کاٹ دیتے اور دن کو روزہ رکھتے اور صدقہ عنایت فرماتے۔ آپؑ بہت بڑے عالم تھے اور لوگوں کی خطائیں معاف فرما دیتے تھے۔ کاظم آپؑ کو اس لئے کہا جاتا ہے کہ آپؑ خطا کار سے بھی اچھا سلوک کرتے بلکہ اُسے بھی عطا فرماتے تھے۔ جو کوئی حاجت لے کر آپؑ کے حضور آتا خالی ہاتھ واپس نہ جاتا عراق میں لوگ آپؑ کو باب الحوائج الی اللہ کے لقب سے اس لئے پکارتے تھے کہ جو کوئی آپؑ کی چوکھٹ پر آتا نجات پاتا آپؑ کی کرامات اور معجزات نے انسانی عقل و افکار کو حیران کر دیا تھا۔ آپؑ ہمیشہ صراط مستقیم پر ثابت قدمی سے گامزن رہے اس طرح کہ آپؑ کے قدم مبارک کبھی نہیں ڈگمگائے۔ آپؑ اہلبیتؑ ہی کی شان میں کسی شاعر نے کیا خوب کہا ہے۔

يَا اَهْلَ بَيْتِ رَسُوْلِ اللهِ حُبُّكُم ‌ ‌ ‌ فَرْضٌ مِنَ اللهِ فِي الْقُرْآنِ اَنْزَلَهُ
كَفَاكُمْ مِنْ عَظِيْمِ الْقَدْرِ اَنَّكُمْ ‌ ‌ ‌ مَنْ لَمْ يُصَلِّ عَلَيْكُمْ لَا صَلٰوةَ لَهُ

امام موسیٰ کاظمؑ کی اولاد

علامہ مجلسیؒ نے بحار الانوار میں موسیٰ بن جعفر علیہ السلام کی اولاد کی تعداد ۳۷ اور بعض دوسروں نے ۳۹ لکھی ہے۔ عمدۃ الطالب میں آپؑ کی اولاد کی تعداد ساٹھ درج ہے، ۳۷ بیٹیاں اور ۲۳ بیٹے اور ابن شہر آشوب نے مناقب میں آپؑ کی اولاد کو ۳۰ تک محدود کیا ہے۔ ہم یہاں ان میں سے بعض کے نام گرامی اور ان کی زندگی کے مختصر حالات رقم کر رہے ہیں چونکہ انہیں آٹھویں امام سے قریبی نسبت ہے اور وہ ان کے بھائی اور بہنیں ہیں۔

ابراہیم بن موسیٰ بن جعفرؑ

آپؑ کا لقب مرتضیٰ تھا، شیخ مفید نے ارشاد اور طبرسی نے اعلام الوریٰ میں آپؑ کی توصیف کی ہے۔ اور آپؑ کو سخی، شجاع اور کریم کے عنوان سے یاد کیا ہے۔ آپؑ مامون عباسی کے دور میں یمن کے والی اور امیر رہے اور آپؑ کی امارت عباسی خلیفہ کے حکم سے حاصل نہیں ہوئی بلکہ محمد بن زید بن علی بن الحسینؑ اس کا سبب بنے۔

مشہور شیعہ علماء سید مرتضیٰ اور سید رضی دونوں کا شجرہ نسب ان بزرگوار سے جاملتا ہے۔

بعض مورخین نے دو ابراہیم ذکر کئے ہیں۔ ابراہیم اکبر اور ابراہیم اصغر اور سید مرتضیٰ اور سید رضی کے جد بزرگوار وہی ابراہیم اصغر ہیں جو بقعہ حسینی میں پشت کی طرف دفن ہیں اور آپ کی قبر مشہور و معروف ہے اور ابراہیم اکبر وہی ہیں جنھوں نے یمن میں مامون کے خلاف علم بغاوت بلند کیا اور چونکہ یمن کے باسیوں نے آپ کی دعوت پر لبیک نہ کہا لہذا آپ نے قتل عام کا حکم صادر کیا اور اسی نسبت سے آپ ابراہیم جزار کے لقب سے مشہور ہوئے۔ اس کے پیش نظر کہ جزار سفاک کے معنوں میں استعمال نہیں ہوتا۔ لغت میں اس کے معنی کشیدن سے کھینچنا کے ہیں نہ کہ قتل کرنے سے قتل کرنا کے ہیں۔ یہاں اس بات کا امکان ہے کہ جس کسی نے غلطی سے ابراہیم بن

امام کو جزار کا لقب دیا ہوگا اس نے گمان کیا ہوگا کہ جزار عقرب، قاتل عقرب ہے۔ لیکن شاید اس کو اس کا علم نہیں کہ جب بڑے بڑے عقرب زمین پر رینگنے کے دوران اپنی دُم کو زمین پر گھسیٹتے ہیں تو وہ جزار لقب پاتے ہیں۔ بہر کیف آپ عظیم الشان ہستی کے حامل ہیں۔ آپ کا روضہ مبارک یا تو شیراز کے محلے "لب آب" میں واقع ہے۔ جسے ۱۲۴۰ھ میں محمد ذکی خان نوری وزیر نے تعمیر کیا تھا اور یہی مشہور ہے یا آپ اپنے والد گرامی موسیٰ بن جعفرؑ کے جوار میں دفن ہیں۔ واللہ اعلم بالصواب۔

احمد بن موسیٰ المعروف شاہ چراغ

آپؑ کی قبر مطہر شیراز شہر کے وسط میں واقع ہے۔ لیکن اس قدر مشہور نہیں البتہ تمام مورخین اور محدثین کا اس پر اتفاق ہے کہ آپؑ بہت سے ایسے فضائل و کرامات کے حامل ہیں جو مقام ولایت اور امامت کا خاصہ ہیں آپؑ کی والدہ محترمہ نہایت ہی بلند مرتبہ و عظیم خاتون تھیں اور آپؑ پر ساتویں امامؑ کا خصوصی کرم تھا۔ آپؑ اپنے زمانے میں زہد و تقویٰ و عبادت کے لحاظ سے منفرد خاتون تھیں۔ جس وقت امام علیہ السلام ہارون الرشید کے حکم سے مدینہ سے بغداد کی طرف روانہ ہوئے تو یہ بات جانتے تھے کہ اب ان کی مدینہ کی طرف واپسی نہیں ہے تو انہوں نے پیغمبر اسلامؐ کی چھوڑی ہوئی موروثی اشیا کو سپرد کرنے کے لئے ام احمد (شاہ چراغ کی والدہ) کا انتخاب کیا اور فرمایا ان اشیاء کو میرے تمام بیٹوں میں سب سے پہلے جو آپ سے مانگے وہ میرا وارث ہوگا اور اسی کو یہ اشیاء حوالے کرنا۔ اس سے نہ صرف ام احمد کی عظمت ثابت ہوتی ہے بلکہ یہ بات سامنے آتی ہے کہ حضرت احمد شاہ چراغ بھی نہایت ہی متقی، تہجد گذار اور بہت بڑے عابد تھے۔ کیونکہ ظاہر ہے جس کی والدہ اس قدر با عظمت ہو اور وہ موسیٰ بن جعفر علیہما السلام جیسے عظیم باپ کے زیر سایہ پرورش پائے اس کی شان کا کیا کہنا!

شیخ مفید اپنی کتاب ارشاد میں یوں رقم کرتے ہیں: آپ کے والد محترمؑ آپ میں خاص دلچسپی لیتے تھے اور آپ کو دوسروں پر مقدم رکھتے تھے۔ یسیرہ نامی زمین کا ٹکڑا آپ کو بخش دیا تھا۔

آپ کے بڑے بھائی اسماعیل نقل فرماتے ہیں ایک دن میرے والد محترم، بھائی احمد اور میں اپنی جائیداد کو دیکھنے گئے اور ہمارے بھائی کے ساتھ میرے والد محترم کے بیس ملازم تھے۔ جونہی میرے بھائی کھڑے ہوتے۔ ملازم کھڑے ہو جاتے اور اگر میرے بھائی بیٹھ جاتے تو ملازم بھی بیٹھ جاتے۔ اس کے علاوہ میرے والد کی نگاہ ہمیشہ میرے بھائی پر رہی اور ان کا خیال رکھتے رہے اور ایک لحظہ کے لئے بھی ان سے غافل نہیں ہوئے۔ ہم اس وقت تک اس جگہ سے واپس نہیں ہوئے جب تک میرے بھائی احمد واپس نہیں ہوئے اور انہوں نے بیابان کو عبور نہیں کیا اور منتخب میں لکھا ہے: احمد بن موسٰی نے ہزار غلام آزاد فرمائے اور اپنے ہاتھ سے قرآن کا ہزار نسخہ تحریر فرمایا شاید انہی وجوہات اور سینکڑوں دیگر فضائل کی بنا پر توقع تھی کہ احمد امامت کے عظیم مقام پر فائز ہوں گے۔ لیکن خدا بہتر جانتا ہے کہ یہ عظیم ذمہ داری کس کے سپرد کرے۔ ابھی امام موسٰی بن جعفر علیہما السلام کی شہادت کی خبر مدینہ میں نہیں پھیلی تھی کہ حضرت امام علی بن موسٰی الرضا شاہ چراغ کی والدہ محترمہ ام احمد کے پاس آئے اور مذکورہ اشیاء کی درخواست فرمائی۔ ام احمد نے کہا، کیا آپ کے والد محترم شہید ہو گئے ہیں؟ امامؑ نے فرمایا، ہاں! میں ابھی ابھی ان کے دفن سے فارغ ہو کر آیا ہوں جو امانت انہوں نے مدینہ سے جاتے ہوئے آپؑ کے حوالے کی تھی وہ مجھے دیدیں اور جان لیں کہ ان کے بعد میں ان کا جانشین اور تمام انسانوں اور جنوں پر حجت خدا ہوں۔ جب یہ سنا تو ام احمد نے امامؑ کی یاد میں اپنا گریبان چاک کر ڈالا اور آخر کار امانت ان کے سپرد کی اور آپ سے بیعت امامت کی۔ جس وقت امام موسٰی کاظمؑ کی شہادت کی خبر مدینہ میں پھیلی تو لوگ ام احمد کے گھر جمع ہوئے اور ان کے تقوٰی، بندگی اور کرامات کی بناء پر یہ خیال کیا کہ موسٰی بن جعفرؑ کے بعد امامت احمد بن موسٰی کو ملی ہے۔ لوگوں نے مسجد نبویؐ میں آپ کے ہاتھ پر بیعت کی۔ اس کے بعد منبر پر تشریف لے گئے اور نہایت فصیح و بلیغ خطبہ ارشاد فرمانے کے بعد فرمایا:

”ایھاالناس کما انکم جمیعاً فی بیعتی فانی فی بیعة اخی علی بن موسٰی الرضا و اعلموا انه الامام

والخليفة من بعد ابی و هوولی الله والفرض علی و علیکم من الله و رسوله طاعته بکل ما یأمرنا"

فرمایا: لوگو! جیسا کہ آپ سب نے میری بیعت کی ہے میں خود اپنے بھائی علی ابن موسیٰ الرضا کی بیعت پر ہوں، آپ سب جان لیں کہ میرے والد محترم کے بعد ان کا جانشین اور آپ کے پیشوا وہی (رضاؑ) ہیں۔ ہاں! وہ اللہ کے ولی ہیں اور خدا اور رسولؐ کی طرف سے مجھ اور آپ پر واجب ہے کہ ان کی اطاعت فرمانبرداری کریں اور وہ جو حکم دیں اسے بجا لائیں۔ تمام لوگوں نے احمد بن موسیٰ بن جعفرؑ کی گفتگو سنی، اسے قبول کیا، آپ کی قیادت میں مسجد سے باہر نکل آئے اور سیدھے امامت وولایت کے دروازے پر پہنچے اور سب نے مشترکہ طور پر علی بن موسیٰ الرضاؑ کی بیعت کی اور احمد نے بھی اپنی بیعت کا اعادہ کیا اور تمام زندگی ہمیشہ اپنے بڑے بھائی امام رضاؑ کی خدمت میں بسر کی (بحارالانوار ج ۴۸ ص ۳۰۸)

جب مختصر مدت میں آپؑ نے طوس تشریف لا کر ولیعہدی کی ذمہ داری قبول کی جس کی تفصیل وتشریح آگے آئے گی تو عراق، حجاز، یمن اور دوسرے عرب ممالک سے سادات اور خصوصاً آپ کے قریبی لوگوں نے خراسان کے قصد کی غرض سے حرکت کی لیکن ان کے طوس میں پہنچنے سے قبل آپؑ کو شہید کر دیا گیا اور مامون نے اس قافلے کے راستے پر مقیم امراء و حکام کو حکم دیا کہ سادات کا اجتماعی قتل کریں یا انہیں قیدی بنا ڈالیں۔

اصولی طور پر ان سادات کو جو اجتماعی طور پر خراسان کی طرف آئے تھے دو گروہوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے:

پہلا گروہ:

سیدہ فاطمہ معصومہ سلام اللہ علیہا کے ساتھ آنے والے افراد جن کی تعداد بائیس ذکر کی گئی ہے ان پر ساوہ وقم کی حدود میں مامون کے لشکر نے حملہ کیا۔

دوسرا گروہ:

وہ جماعت جو احمد بن موسیٰ کے ہمراہ آئی ان کی تعداد بارہ ہزار ذکر کی گئی ہے۔ پارس کے حاکم قتلغ خان نے مامون کے حکم پر شیراز کے مقام پر ان کا محاصرہ کیا، بڑے گھمسان کا رن پڑا۔ یہاں تک کہ قتلغ خان کے سپاہیوں میں سے کسی نے نعرہ لگایا کہ اگر تم حضرت امام رضاؑ تک پہنچنا چاہتے ہو تو وہ اس دنیا سے رحلت فرما گئے ہیں۔ یہاں احمد بن موسیٰ کے ساتھی متزلزل ہو گئے ان میں سے کچھ بکھر گئے اور کچھ مارے گئے۔ احمد بن موسیٰ نے نہایت شجاعت و پامردی کا مظاہرہ کیا یہاں تک کہ نہایت ہی مظلومیت کی حالت میں شہادت پائی۔ آپؑ کی پاک روح پر پروردگار عالم، اس کے مقرب فرشتوں، انبیائے کرامؑ، اوصیائے عظام اور آپؑ کے آباؤ اجداد کا بے پایان (نہ ختم ہونیوالا) درود و سلام ہو۔ آپؑ کی عظیم الشان قبر اور شاہ چراغ کہلانے کی وجہ یہ بیان کی جاتی ہے کہ کہا جاتا ہے کہ اس جلیل القدر امام زادے کی قبر مطہر ایک عرصے سے عوام الناس کی نظروں سے پنہاں تھی۔ یہ زمانہ شیعیت پر بحران و ابتلا کا زمانہ تھا اور دیلمیوں کے ظہور تک جاری رہا۔ دیلمیوں نے محبان اہل بیتؑ کو اپنے عقائد پر عمل پیرا ہونے کی کھلی اجازت دی۔ اسی دوران شیراز کے کچھ نیک سیرت افراد نے احمد بن موسیٰ (سید السادات) کی قبر مطہر کا کھوج لگانے کی کوشش کی انہیں اس ضمن میں شاہی دربار کی پشت پناہی بھی حاصل تھی۔ لیکن انہیں کافی جستجو کے بعد بھی کوئی سراغ نہ ملا۔ وہ جتنی دوڑ دھوپ کرتے کوئی نتیجہ نہ پاتے۔ اسی دوران ایک بوڑھی صالحہ عورت فارس کے عضد الدولہ دیلمی کے پاس آئی اور کہنے لگی کہ میرے گھر کے نزدیک ایک ٹیلہ ہے جہاں آدھی رات کے وقت ایک چراغ روشن ہوتا ہے جس کی روشنی عالم بالا تک جاتی ہے یہاں تک کہ صبح ہو جاتی ہے۔ کبھی کبھار جب میں حقیقت کی جستجو میں وہاں جاتی ہوں تو وہ نور غائب ہو جاتا ہے پھر میں واپس گھر آ جاتی ہوں پھر مجھے وہاں نور دکھائی دیتا ہے۔ وزراء اور درباریوں نے اس خاتون پر تہمت لگائی کہ وہ ایسی باتیں کر کے مادی فوائد حاصل کرنا چاہتی ہے۔ یہ بوڑھی خاتون اسی طرح دو تین بار آئی اور واپس گئی لیکن کسی پر اس کی بات کا اثر نہ ہوا۔ ایک رات عضد الدولہ اس بوڑھی خاتون کی جھونپڑی کی طرف گیا اور حقیقت کی تلاش میں سر شب ہی

سے وہاں جا کر کھڑا ہو گیا۔ اسی اثناء میں اسے نیند آ گئی۔ اس نے خواب میں دیکھا کہ وہی خاتون اس کی طرف دوڑتی ہوئی آئی اور اس کے سر پر کھڑی ہو کر تین مرتبہ آواز دی۔ "شاہ چراغ" یعنی اے بادشاہ چراغ روشن ہو گیا۔ عضد الدولہ بیدار ہو گیا۔ اس نے اپنی آنکھوں سے نور کا مشاہدہ کیا۔ وہ اس نور کی طرف دوڑا لیکن جونہی اس نور کے پاس پہنچا نور بجھ گیا یہاں تک کہ صبح تک تین مرتبہ ایسا ہوتا رہا۔ لیکن چونکہ اس کے ہاتھ کچھ نہ آیا لہٰذا وہ اپنے شاہی محل کی طرف واپس ہو گیا۔

شیخ عفیف الدین نے جن کا شمار اس زمانے کے زاہدوں اور عابدوں میں ہوتا تھا، اس رات خواب میں دیکھا کہ احمد بن موسیٰ کی زیارت سے مشرف ہوا ہے۔ جب صبح ہوئی انہوں نے اپنا خواب بادشاہ کے سامنے بیان کیا۔ جب وہ اور بادشاہ دونوں مذکورہ مقام کی طرف گئے تو انہوں نے وہاں ایک غار پایا جس کے کنارے ایک میت رکھی ہوئی پائی، ساتھ ہی ایک انگشتری اور ایک تختی بھی ملی جس سے معلوم ہوا کہ یہ میت حضرت احمد بن موسیٰ کی ہے انہوں نے میت کو نہایت احترام سے سپرد خاک کیا اور اس دن عام تعطیل کا اعلان کیا۔ جس کے بعد تین دن تک مفصل جشن کا اہتمام کیا گیا اور شاہی بینڈ بجتا رہا۔ انگشتری ایک عرصے تک عضد الدولہ کے خزانے میں رہی لیکن ایک عرصے کے بعد وہاں سے غائب ہو گئی، جو عضد الدولہ کی سخت ناراضگی کا باعث بنی۔ شیخ عفیف الدولہ نے دوبارہ خواب میں دیکھا کہ احمد بن موسیٰ کی طرف سے بالوں سے بُنا ہوا ایک تاج عضد الدولہ کو عطا کیا گیا اور وہ تاج شیخ عفیف الدین کے ذریعے غار سے ملا۔ (محترم قاری، امام علی ابن موسیٰ الرضاؑ کے بھائیوں کے حالات کے ضمن میں ہم حضرت امام رضاؑ کی امامت کے دلائل و نصوص کا ذکر بھی کر رہے ہیں اور اس طرح دوسرے بھائیوں کے ساتھ ان کے خصوصی امتیاز کا تذکرہ بھی ہو رہا ہے)

بعض مورخین نے اس قبر مطہر کا سراغ لگانے کی نسبت مقرب الدین وزیر اتابک ابی بکر بن سعد بن زنگی سے دی ہے اس نے وہاں ایک قبہ بھی بنایا جو منہدم ہو گیا تھا۔ جسے سلطان ابن اسحاق کی والدہ ملکہ تاشی خاتون نے مرمت کیا اور وہاں ایک مدرسے کی بنیاد بھی رکھی، تقریباً ۷۵۰

ھ میں منتقلی شاہ قاجار نے خالص چاندی کی ضریح بنوا کر اس مرقد منورہ پر رکھی۔ اسے وہاں سے قرآن مجید کا ایک نسخہ ملا جس کا آدھا حصہ خط کوفی میں ہرن کی جلد پر لکھا ہوا تھا اسی کا دوسرا نصف حصہ امام علی بن موسیٰ الرضاؑ کے میوزیم میں رکھا ہوا ہے جس کے آخر میں تحریر ہے "کتبہ علی بن ابی طالبؑ" ۔لہذا اس قرآن کو علی بن ابی طالبؑ کے ہاتھ سے لکھا گیا تسلیم کیا جاتا ہے۔

قاسم بن موسیٰ علیہ السلام:

ساتویں امامؑ کے ایک اور بیٹے جن سے والد محترم کو بہت پیار تھا یہاں تک کہ انہوں نے اس بیٹے کے بارے میں وصیت فرمائی۔ ثقۃ الاسلام کلینی نے اپنی کتاب کافی میں یہ حدیث نقل کی ہے کہ موسیٰ بن جعفرؑ نے یزید بن سلیط سے راہ مکہ میں فرمایا، اے ابو عمارۃ تمہیں بتا رہا ہوں کہ جس وقت میں گھر سے باہر نکلا ہوں تو میں نے اپنے بیٹے علی بن موسیٰ الرضاؑ کو اپنا وصی قرار دیا میں نے اپنی وصیت میں ظاہراً سارے بیٹوں کو شامل کیا ہے لیکن میری وصیت باطن میں صرف اسی کے لئے ہے۔ اگر بات میری محبت اور پسند کی ہوتی تو میں قاسمؑ کو اپنا وصی بناتا لیکن امام کا تعین خدا خود فرماتا ہے وہ جسے چاہے امام بنائے۔ یہ بات مجھے میرے اجداد جناب رسولخداؐ اور امیر المومنین علی بن ابی طالبؑ نے بتائی ہے۔ انہوں نے مجھے میرے وہ بیٹے دکھائے ہیں جو امام ہوں گے۔ اسی طرح باقی پیشواؤں کیلئے بھی یہی طریقہ کار ہوگا اور جب تک رسولخداؐ اور علی مرتضیٰؑ کی طرف سے فرمان نہ ملے کوئی امام وصیت نہیں کرتا۔ جب وصیت کا وقت آتا ہے تو اسے رسولخداؐ کی انگشتری، تلوار، عصا، کتاب اور عمامہ منتقل کرنا ہوتا ہے۔ پوچھا، یہ کیا ہے؟ فرمایا، عمامہ خدا کی بادشاہت کی علامت ہے، تلوار پروردگار عالم کی عزت، کتاب، خداوند تعالیٰ کی طرف سے نور ہے اور عصا بھی طاقت و توانائی کی نشانی اور انگشتر ان تمام امور کا احاطہ کرتی ہے۔ اس کے بعد رسولخداؐ فرماتے ہیں کہ امامت تجھ سے دوسرے کو منتقل کی جاتی ہے۔ میں نے پوچھا کہ میرے کون سے فرزند کو؟ تو جواب ملا کہ میں نے تمہاری طرح کوئی ایسا پیشوا اور امام نہیں دیکھا کہ امامت کو منتقل کرنے میں اس قدر ریت و لعل سے کام لے۔ یعنی امامت سے اس قدر دلچسپی رکھتا ہو کہ اگر

چلی جائے تو اس کے لئے تڑپے۔ہاں اگر امامت کا تعلق محبت سے ہوتا تو آپ کے والد کو آپ کے بھائی اسماعیل زیادہ پیارے تھے لیکن امامت خدا کی طرف سے ہے۔اور خدا جسے چاہے اس عظیم منصب پر فائز کرے۔کہتے ہیں کہ جب امام موسیٰ کاظمؑ کے بیٹوں میں سے کسی کی وفات کا وقت قریب آیا تو امامؑ اس کے سرہانے تشریف لائے اور قاسمؑ سے فرمایا اپنے بھائی کے لئے سورہ والصافات قرائت کرو جب قاسم آیہء "اَهُمْ اَشَدُّ خَلْقًا اَمْ مَنْ خَلَقْنَا" تک پہنچے تو ان کی روح پرواز کرگئی۔لہذا دوسرے بھائیوں میں سے قاسم کی یہ بھی فضیلت ہے۔آپؑ پر امامؑ کی خصوصی عنایات تھیں۔آپؑ کی قبر مطہر "حلہ" سے اڑتالیس کلومیٹر کے فاصلے پر واقع اور زیارت گاہ خاص و عام ہے یہاں تک کہ سید ابن طاوس نے آپؑ کی زیارت کو حضرت غازی عباس علمدارؑ کی زیارت کے مترادف قرار دیا اور کہا ہے کہ ان دو زیارت گاہوں میں کوئی فرق نہیں ہے۔لہذا علماء وفضلا نے اس امام زادے کی زیارت کی تاکید فرمائی ہے۔

محمد بن موسیٰ:

آپؑ اور شاہ چراغ دونوں ایک ہی ماں سے ہیں اکثر اوقات عبادت خداوندی میں بسر کرتے اور ہمیشہ باوضو رہتے تھے۔موسیٰ بن جعفرؑ کی بیٹی رقیہ کی کنیز ہاشمیہ کا بیان ہے کہ جب کبھی میں نے محمد کو دیکھا تو مجھے یہ آیت یاد آئی۔"**کانو قلیلاً من اللیل ما یهجعون**" عبادت کی کثرت کی بنا پر آپ کو محمد عابد کا نام دیا گیا۔آپ اپنے بھائی شاہ چراغؑ کی مانند تھے۔آپ نے قرآن کریم کی کتابت کی اجرت سے ایک ہزار غلام آزاد کئے اور بنی عباس کے ظالم وجابر خلفاء کے زمانے میں شیراز کی طرف ہجرت فرمائی اور یہاں ایک جگہ چھپ کر زندگی بسر فرمائی۔اور آخر کار شیراز ہی میں دنیائے فانی کو وداع فرمایا۔اتابک بن سعد زنگی کی حکومت کے زمانے تک آپ کی قبر شریف پوشیدہ رہی اور اس کے بعد ان کے بھائی شاہ چراغ کے قریب اسی محلے "باغ قتلغ" میں اس کا سراغ ملا۔آپؑ کا مقبرہ ۱۲۹۶ شمسی میں سلطان نادر خان نے تعمیر کیا اور اس کے بعد اویس میرزا اور قاجاری شہزادے فرہاد میرزا نے اسے دوبارہ تعمیر کیا

اوراب یہ شیعیان حیدر کرار اور آپ کے والد محترم کے عقیدتمندوں کی زیارتگاہ ہے۔

حسین بن موسیٰ:

آپ علاء الدین کے نام گرامی سے مشہور ہیں، آپ بے شمار کرامات کے حامل ہیں اور آپ کی قبر شریف شیراز میں واقع ہے، آپ ہجرت فرما کر شیراز آئے اور یہاں خفیہ طور پر ایک باغ میں زندگی بسر فرمانے لگے کہ کسی طرح ظالم عباسی خلیفہ کے کارندوں کو آپ کی موجودگی کا پتہ چل گیا۔انہوں نے آکر آپ کو شہید کر کے اسی باغ میں دفن کردیا۔ یہاں تک کہ قتلغ خان کے زمانے میں ایک پرہیز گار شخص نے مذکورہ باغ میں نور کا مشاہدہ کیا اس نے اس کی رپورٹ قتلغ خان کو دی۔ جب جگہ کھودی گئی تو آپ کی میت صحیح وسلامت پائی گئی۔آپ کے ایک ہاتھ میں قرآن اور دوسرے ہاتھ میں تلوار پکڑی ہوئی تھی۔ کچھ خاص علامات اورنشانیوں کی بناء پر آپ کی شناخت ہوئی۔آپ کا مقبرہ صفوی حکام کے زمانے میں میرزا علی نامی شخص نے دوبارہ تعمیر کیا اور بہت سے باغات اور جائیداد اس مزار شریف کے نام وقف کی اور خود بھی وہیں دفن ہوا۔اس کی وصیت کے بموجب اس کی اولاد اس درگاہ کی متولی بنی اور ۸۱۰ شمسی شاہ اسماعیل ابن حیدر صفوی نے اس درگاہ کے شکوہ (شان وشوکت) میں اضافہ کیا اور کچھ بنیادی تعمیرات کیں۔آپ کی قبر مطہر زیارتگاہ خاص وعام ہے۔

حمزہ بن موسیٰ:

آپ کی قبر مطہر شاہ عبدالعظیم کی عظیم الشان قبر کے نزدیک واقع ہے۔نجاشی رقم طراز ہے، جس زمانے میں امام زادہ شاہ عبدالعظیم ’رے‘ میں چھپے ہوئے تھے، دنوں کو روزے رکھتے، راتوں کو نماز پڑھتے اور جب کبھی گھر سے باہر آتے خفیہ طور پر اس قبر کی زیارت کرتے جو آج کل آپ کی قبر کے بالمقابل ہے، اور اپنے قریبی رازدانوں سے فرماتے کہ یہ امام موسیٰ بن جعفر علیہما السلام کے بیٹوں میں سے ایک کی قبر ہے۔

علامہ مجلسی بحارالانوار میں تحریر فرماتے ہیں، ظاہراً حمزہ بن موسیٰ بن جعفرؑ کی قبر وہی ہے

جس کی زیارت حضرت عبدالعظیمؑ کرتے تھے۔ آج آپ کی زیارت قبلہ گاہ خاص و عام ہے اور آپؑ کے مزار شریف کی عظمت و بڑائی کے آثار نمایاں ہیں۔ (بعض نے حضرت حمزہ بن موسیٰ کی قبر شریف اصطغر شیراز میں اور بعض نے ترشیز میں، بعض نے سیرجان کرمان، کچھ نے قم میں اور دوسروں نے تبریز میں لکھی ہے اور ان تمام مقامات پر آرام گاہ اور قبر شریف بھی موجود ہے لیکن شاید شہر رے اور عبدالعظیم حسنی کی روایت سب سے صحیح ہے۔

اسماعیل بن موسیٰ:

آپؑ کی قبر شریف مصر میں ہے اور وہیں آپؑ نے زندگی بسر فرمائی۔ مشہور و معروف کتاب "جعفریات" (کتاب جعفریات، ہماری نظر میں مستند و معتبر ہے۔ کیونکہ اس کی روایات کو کمزور لکھنے والی روایات ضعیف ہیں، اس کتاب شریف میں ایک امام سے ہزار احادیث روایت کی گئی ہیں۔ اور انہیں اشعثیات کے نام سے بھی لکھا گیا ہے) آپؑ کی مرقوم ہے۔ آپؑ نے اس کے علاوہ دوسری کتب بھی اپنے والد سے روایت فرمائیں۔ جن میں کتاب طہارت، کتاب صلوٰۃ، کتاب زکوٰۃ، کتاب صوم، کتاب حج، کتاب جنائز، کتاب طلاق، کتاب حدود، کتاب دعاء، کتاب سنن و آداب اور کتاب رویا شامل ہیں۔

شیخ کشی ناقل ہے کہ جب بصیر صفوان بن یحییٰ جیسا عظیم شیعہ دانشور اور محدث مدینہ میں اس دار فانی سے کوچ کر گیا تو امامؑ نے اس کے لئے کفن و حنوط کا انتظام فرمایا اور حکم دیا کہ اسماعیل بن موسیٰ اس کی نماز جنازہ پڑھائیں۔ رجال کی کتب میں آپ کی بزرگی و عظمت کا ذکر موجود ہے۔ جسے یہاں تحریر کرنے کی گنجائش نہیں۔ آپؑ کا مزار فیروز کوہ میں مرجع خلائق ہے۔ (بحارالانوار ج ۴۸)

عباس بن موسیٰ بن جعفرؑ:

موسیٰ بن جعفرؑ کے وصیت نامہ میں اس کو برا بھلا کہا گیا ہے۔ کتاب اختصاص میں تحریر ہے کہ اس نے مدینہ کے قاضی سے حضرت رضاؑ کی شکایت کی، اس واقعہ میں اسحاق بن جعفر

موجود تھے انہوں نے عباس کو گریبان سے پکڑا اور کہا "**انک اسفیہ ضعیف احمق**" قاضی مدینہ نے اس کی شکایت پر کان نہ دھرے تو وہ خود ہی شرمسار ہو کر احاطہ عدالت سے باہر آ گیا۔

اس دوران امامؑ اسے اپنے گھر لے گئے اور شفقت فرمائی اور فرمایا: مجھے معلوم نہیں کہ تمہارا قرض زیادہ ہو گیا ہے یا تم حالات کے ہاتھوں تنگ آ گئے ہو جس کی وجہ سے تم اس قدر پریشان ہو گئے ہو اس کے بعد امامؑ نے اپنے ملازم سعد کو حکم دیا کہ وہ اس کو قرضوں کے بوجھ سے آزاد کرے جب عباس بن موسیٰ حضرت امام علی ابن موسیٰ الرضاؑ کی خدمت سے رخصت ہونے لگا تو امامؑ نے اسے فرمایا، جہاں تک میرے بس میں ہوا تمہاری مدد کروں گا اور تم پر احسان و اکرام کرتا رہوں گا۔ تم آزاد ہو، جو کام کرنا چاہو، کرو اور جو کچھ جی میں آئے کہو۔ سید العلماء والفقہاء سید مہدی قزوینی "مزار فلک النجاۃ" میں رقم طراز ہیں، امام موسیٰ کے مشہد میں آئمہ کی اولاد سے منسوب دو قبریں ہیں لیکن مشہور نہیں ہیں اور بعض کا خیال ہے کہ ان دو قبور میں سے ایک قبر عباس بن موسیٰ بن جعفر علیہما السلام کی ہے۔

فاطمہ المعروف معصومہ قم علیہا السلام

فاطمہ جو معصومہ قم سلام اللہ علیہا کے نام گرامی سے مشہور ہیں:

جیسا کہ علی بن موسیٰ علیہا السلام، موسیٰ بن جعفرؑ کے تمام بیٹوں سے افضل اور مقام امامت، ولایت وخلافت کے اہل تھے۔ فاطمہ جو معصومہؑ کے نامی گرامی سے مشہور ہیں، حضرت موسیٰ بن جعفرؑ کی تمام بیٹیوں سے افضل اور اپنے زمانے کی عابدہ، زاہدہ اور یگانہ روزگار تھیں۔ آپ کی آرامگاہ شہر خون وقیام یعنی قم میں واقع اور آپ کے بڑے بھائی اور والد محترم کے عقیدتمندوں کی مرجع ہے۔ آپؑ کی مرقد شریف لاکھوں شیعیان حیدر کرار کی زیارتگاہ ہے جو دنیا کے کونے کونے سے آپ کے روضے کی زیارت کرنے آتے اور آپؑ کے وسیلے سے خداوند تعالیٰ سے اپنی حاجات طلب کرتے ہیں۔

آپؑ موسٰی بن جعفرؑ کی بیٹی، علی بن موسٰی الرضاؑ کی بہن اور جوادالائمہ علیہاالسلام کی پھوپھی ہیں۔ شہر قم آپؑ کے طفیل اور برکت سے قم کہلوایا اور دنیا کی دلچسپی کا مرکز بنا۔ قم کی آبرو و عظمت آپؑ کے آستانے کی بدولت ہے۔

امام صادقؑ فرماتے ہیں: قم کی خاک پاک ہے اور قم کے مکین ہم سے ہیں، ہم ان سے ہیں جب کبھی کوئی ظالم ان کے خلاف بُرا ارادہ کرے گا اسے فوراً جہنم کی آگ اپنی لپیٹ میں لے لے گی۔ اس کے بعد امامؑ نے فرمایا: قم ہمارا اور ہمارے شیعوں کا شہر ہے، یہ پاک و پاکیزہ شہر ہے جس نے ہماری ولایت کو قبول کیا ہے۔ جو کوئی اس کے خلاف برا ارادہ کرے گا فوراً عذاب میں مبتلا ہوگا۔ البتہ یہ اس وقت ہوگا جب یہاں کے لوگ ایک دوسرے کے خائن نہ ہوں لیکن جب کبھی بھی خیانت کریں گے خداوند تعالٰی ان پر کسی بدکردار ظالم کو مسلط فرمادے گا۔ امامؑ نے مزید فرمایا: آگاہ رہو، ہمارے قائمؑ کے مددگار قم سے ہونگے، ہمارے حق کا پاس کرنے والے قم سے ہونگے۔ آپؑ نے اپنا سر آسمان کی طرف بلند کرتے ہوئے فرمایا! اے پروردگار! انہیں فتنوں سے بچائے رکھ اور انہیں تمام ہلاکتوں اور مصائب سے نجات دے۔

مورخین لکھتے ہیں: جب مامون نے حضرت رضاؑ کو مدینہ سے مرو طلب کیا اور امامؑ خراسان کی جانب روانہ ہوئے تو ایک عرصہ کے بعد آپؑ کی ہمشیرہ محترمہ فاطمہؑ جو بھائی سے بے حد محبت کرتی تھیں مدینہ سے اپنے بھائی کو ملنے کے لئے روانہ ہو گئیں آپ اونٹ پر سوار مختلف منازل و بیابان طے فرماتی ہوئیں جب ساوہ کے مقام پر پہنچیں تو جونہی اہل قم کو اس مخدرہ عصمت و طہارت کے پہنچنے کی اطلاع ملی تو وہ سب خصوصاً آلِ سعد متفقہ طور پر اس عظیم خاتون کی خدمت میں شرفیاب ہوئے تا کہ آپؑ سے قم میں چند روزہ قیام کی درخواست کریں۔ ان سب نے یہ درخواست موسٰی بن خزرج کے ذریعے آپؑ کی خدمت میں پہنچائی اور یہی شخص آپ کے ناقے کی مہار پکڑ کر آپؑ کو قم لایا۔ آپؑ قم میں موسٰی بن خزرج کے گھر مقیم ہو گئیں۔ اس دوران آپؑ کے والد محترم کے پیروکار آتے اور آپؑ سے شرعی مسائل دریافت کرتے رہے۔ چند دن نہ گذرے

تھے کہ آپؑ سخت بیمار پڑ گئیں۔ اور سترہ دن بیمار رہنے کے بعد اس دارفانی سے کوچ فرما کر رحمت خداوندی سے ملحق ہو گئیں۔ آپؑ خراسان جا کر اپنے عزیز بھائی کی ملاقات کی خواہشمند تھیں لیکن اجل نے مہلت نہ دی لہذا اس طرح یہ عظیم افتخار اور خدائی عنایت قم کے حصے میں آئی کہ آپؑ کا جسد مبارک یہاں کی سرزمین کو زینت بخشے۔

قم کی اس خاک پاک کا کیا کہنا جس نے ایک ایسی ملکہ عالیہ کو اپنے ہاں جگہ دی جس کی زیارت کا صلہ بہشت بریں ہے۔ آپؑ کی وفات حسرت آیات پر تمام قم نے سوگ منایا۔ غسل و کفن دینے کے بعد دفن کے لئے جب آپؑ کا جنازہ بابلان لے جایا گیا تو وہاں زمین کے اندر ایک تہہ خانہ کھودا گیا تا کہ آپؑ کا جسد مبارک اس کے اندر رکھا جائے اب جب آپؑ کے جسد مبارک کو اس تہہ خانے کے اندر رکھنے کی نوبت آئی تو سب کشش و پنچ میں مبتلا ہو گئے کہ آپؑ کے جسد مبارک کو کون اتارے۔ آخر کار صلاح ٹھہری کہ قادر نامی ایک بوڑھے متقی اور صالح شخص کو اس پر مقرر کیا جائے۔ یہ چہ میگوئیاں ہو رہی تھیں کہ ناگہاں دو نقاب پوش گھڑ سوار نمودار ہوئے انہوں نے وہاں موجود افراد کی پروا کئے بغیر آپؑ کے جسد مبارک پر نماز جنازہ پڑھی اور اسے تہہ خانے میں رکھ دیا اور دوبارہ گھوڑوں پر سوار ہو کر یہ جا اور وہ جا دیکھتے ہی دیکھتے نگاہوں سے اوجھل ہو گئے۔ خیال کیا جاتا ہے کہ وہ امام علی بن موسٰی الرضاؑ اور امام محمد تقیؑ تھے اگر وہ نہ بھی ہوں تو چونکہ خدا کے ملائکہ خاندان عصمت وطہارت کی خدمت پر مامور ہیں لہذا ممکن ہے وہ دو فرشتے ہوں بہر کیف خدا بہتر جانتا ہے کہ وہ کون تھے!

موسٰی بن خزرج سعقی نے اس مخدرہ کا مزار تعمیر کیا اس کے بعد حضرت امام محمد تقیؑ کی بیٹی زینبؑ نے اس پر مزید کام کروایا اور اب یہ خوبصورت حرم شریف جس کا وسیع صحن، گنبد، گلدستہ، ضریح مبارک اور میوزیم قابل دید ہے۔ ان محترمہ کا محراب اب بھی موسٰی بن خزرج کے گھر میں موجود ہے جہاں زائرین کا تانتا بندھا رہتا ہے۔ حضرت معصومہؑ کے حرم شریف میں اولاد فاطمہ اور رضوی سادات دفن ہیں جن میں امام جواد علیہ السلام کی بیٹیاں زینب، امِ محمد اور میمونہ

نمایاں ہیں، ایک اور روایت کے مطابق بریھہ، ام اسحاق اور ام حبیب وغیرہ بھی یہیں دفن ہیں۔
آج یہ حرم شریف مرجع خلائق اور دعاؤں کی استجابت اور قبولیت حاجات کا مرکز ہے۔

امام موسیٰ کاظمؑ کی تمام بیٹیاں کنواری رہیں۔ ان سب نے ساری زندگی عبادت و ریاضت میں بسر کی، ان میں سے بڑی بیٹی کا نام فاطمہؑ تھا جو معصومہ کے نامی گرامی سے مشہور ہوئیں۔ آپؑ کے بڑے بھائی امام علی بن موسیٰ الرضاؑ نے سعد اشعری قمی سے فرمایا: اے سعد! تمہارے ہاں ہماری ایک قبر ہے، سعد نے کہا، آپؑ کے قربان جاؤں کیا آپؑ کا اشارہ فاطمہؑ بنت موسیٰ ابن جعفرؑ کی قبر کی طرف ہے؟ فرمایا: ہاں، جو کوئی ان کی زیارت کرے اور ان کی معرفت رکھتا ہو وہ جنت کا حق دار ہے۔

ہماری تحقیق اس نتیجے پر پہنچتی ہے کہ امام موسیٰ کاظمؑ کے بیٹوں کے اسم ہائے گرامی ذیل ہیں: ابراہیم، عباس، قاسم، اسماعیل، جعفر، ہارون، حسن، احمد، محمد، حمزہ، عبداللہ، اسحاق، عبیداللہ، زید، حسین، فضل، سلیمان، یحیٰی، عقیل، عبدالرحمان اور اسی طرح آپ کی بیٹیوں کے اسم ہائے گرامی یہ ہیں، فاطمہ کبریٰ، فاطمہ صغریٰ، رقیہ، حکیمہ، ام ابیہا، رقیہ صغریٰ، کلثوم، ام جعفر، لبابہ، زینب، خدیجہ، آمنہ، حسنہ، بریھہ، ام سلمہ، میمونہ، ام کلثوم، ام فروۃ، اسماء، امامہ، تزیہہ، ام قاسم۔

امام موسیٰ کاظمؑ کی اولاد کے بارے میں جو کچھ درج کیا گیا ہے، درحقیقت ناکافی ہے۔
ان عظیم ترین ہستیوں کے بارے میں کچھ تحریر کرنے کی جسارت کرنا مجھ جیسے حقیر کے بس کا روگ نہیں اور نہ ہی کسی قلم میں یہ توانائی ہے کہ ہمالیہ کی بلندیوں اور بحر ذخار کے طول و عرض کو طے کر سکے۔ یہاں مناسب ہے کہ حضرت امام علی ابن موسیٰ الرضاؑ کی والدہ گرامی کی مختصر سوانح حیات بھی قارئین کرام کی خدمت میں پیش کر دی جائے۔ عربی شاعر ابونواس نے مرو میں امامؑ کی پشت مبارک سے زیارت کی اور ابھی آپ کا چہرہ مبارک نہیں دیکھا تھا تو یہ اشعار کہے۔

اذا ابصرتک العین من بعد غایة و عارض فیه الشک ثبتک القلب

و لو ان قوماً اموک لقادھم نسیمک حتی یستدل بک الرکب

جب آنکھ آپ کو دور سے دیکھتی اور آپ کی پہچان میں شک وتذبذب کا شکار ہوتی ہے تو دل آپ کو اچھی طرح پہچانتا اور مطمئن ہوتا ہے۔

جو کوئی آپ کی طرف آنا چاہے اسے آپ کے وجود مبارک کا عطر اسے آپ کی طرف راہنمائی کرے گا۔

ابونواس نے جو کچھ کہا عشق کی رو میں بہہ کر کہا، اس نے اس حقیقت سے پردہ اُٹھایا کہ اگر امام سے قلبی رابطہ برقرار ہو جائے تو جذبہ ولایت ہمیں ان کی سمت کھینچ لے جاتا اور ہمیں ہر قسم کی عبارت پردازی سے بے نیاز کر دیتا ہے۔ ہم اس طرح امام کی حقیقی معرفت سے آشنا ہو جاتے ہیں اور ہمارے سیاہ دلوں کا زنگ اتر جاتا ہے اور کسی بزرگ کے بقول دل جلوں کے سوز کو صرف دل جلے ہی جان سکتے ہیں۔ بعض اوقات کسی کا کوئی عاشقانہ اشارہ انسان کو اس قدر منقلب کر دیتا ہے کہ انسان سوچتا رہ جاتا ہے کہ یہ جملہ یا مصرعہ تو میں کئی دفعہ پہلے بھی سن چکا ہوں لیکن اس نے اس قدر اس سے قبل تو مجھ پر اثر نہیں کیا۔ آج مجھے کیا ہوا کہ میرے جذبات بے قابو ہو گئے؟

حضرت امام علی بن موسیٰ الرضا کی والدہ ماجدہ

آپؑ کا نام گرامی تکتم رکھا گیا۔ آپؑ عالی نسب اور عظیم خاندان کی چشم و چراغ تھیں۔
صدوق اور علامہ مجلسی جیسے عظیم محدثین نے آپؑ کی والدہ ماجدہ کے ناموں میں اختلاف کیا ہے۔ اسی اختلاف کے مطابق آپ کے یہ نام ذکر کئے گئے ہیں: نجمہ، طاہرہ، اروی، سکن، سمانہ، نوبیہ، ام البنین، خیزران، صقرا اور شقراء۔

ہشام بن احمد کا قول ہے: ایک دن موسیٰ بن جعفرؑ نے مجھ سے سوال کیا، کیا تمہیں مراکش سے آئی ہوئی کنیزوں اور غلاموں کے بارے میں کچھ علم ہے؟ عرض کیا، مجھے ان کے آنے کی کوئی اطلاع نہیں۔ امامؑ نے فرمایا، ایک سرخ فام شخص آیا ہوا ہے۔ لہذا آؤ میرے ساتھ چلو تا کہ جا کر اسے ملیں۔ ہم گھوڑوں پر سوار ہو کر چل پڑے۔ جب بردہ فروشوں کے محلے میں پہنچے تو وہاں ہمیں مراکش کا ایک بردہ فروش ملا۔ وہ امامؑ کو کنیزیں دکھاتا گیا اور امامؑ ان میں سے ہر ایک کو دیکھتے اور فرماتے گئے کہ دوسری دکھاؤ۔ جب بہت سی کنیزیں دکھا چکا تو کہنے لگا! خدا کی قسم! اب میرے پاس اور کوئی کنیز نہیں رہی سوائے ایک بیمار کنیز کے! امامؑ نے اس بیمار کنیز کے دکھانے پر اصرار فرمایا لیکن جب وہ کسی طرح راضی نہ ہوا تو میں اور امامؑ واپس پلٹ آئے دوسرے روز پھر امامؑ نے مجھے بلایا اور فرمایا: کل والے تاجر کے پاس جاؤ اور اسے منہ مانگی قیمت دے کر بیمار کنیز خرید لاؤ۔

ہشام کہتا ہے کہ میں اس شخص کے پاس گیا اور نہایت بھاری قیمت ادا کر کے اس کنیز کو خرید لیا جب وہ کنیز میرے حوالے کرنے لگا تو بولا کل تمہارے ساتھ دوسرا شخص کون تھا؟ میں نے کہا، بنی ہاشم کا ایک فرد تھا کہنے لگا کس سلسلہ سے، میں نے کہا عالی ترین نسب سے، کہنے لگا، مزید وضاحت کرو، میں نے کہا مجھے اس سے زیادہ علم نہیں۔ کہنے لگا میں نے کنیز کو مراکش کے انتہائی دور افتادہ مقام سے خریدا ہے۔ ایک دن ایک اہل کتاب عورت نے اسے میرے ساتھ دیکھا تو پوچھا کہ تم اس کنیز کو کہاں سے لائے ہو؟ میں نے کہا خود اپنے لئے خریدا ہے۔ کہنے لگی تم اس کے اہل نہیں ہو۔ اس کا اہل روئے زمین کا بہترین فرد ہوگا اور جلد ہی اس سے ایک ایسا بیٹا پیدا ہوگا کہ

مشرق و مغرب اس کی اطاعت کریں گے۔ ہشام کہتا ہے میں کنیز کو لے کر اپنے مولا موسیٰ بن جعفرؑ کے پاس آیا اور زیادہ عرصہ نہ گزرا کہ اس سے امام علی بن موسیٰ الرضاؑ کی ولادت ہوئی۔ (عیون اخبار الرضا جلد ۱)

موسیٰ بن جعفرؑ نے اپنے خاص اصحاب سے فرمایا میں نے اس کنیز کو حکم خدا اور اس کی وحی کے مطابق خریدا ہے۔ اس کیفیت کے بارے میں سوال ہوا تو فرمایا میرے والد گرامی اور دادا نے خواب میں مجھے حریر کا ایک کپڑا دکھایا جس پر ایک عورت کی تصویر بنی ہوئی تھی، فرمایا اس کنیز سے تجھے نہایت سعادت مند فرزند ملے گا جس کا نام علی رکھنا اور فرمایا جلد ہی خداوند تعالیٰ دنیا پر اس کے عدل میزبانی اور رحمت کو ظاہر کرے گا۔ وہ لوگ خوش قسمت ہوں گے جو اس کی تصدیق کریں گے اور ان پر افسوس ہے جو اس کی دشمنی پر اتر آئیں گے اور اس کا انکار کریں گے (بعض نے لکھا ہے کہ آپ کی والدہ ماجدہ مراکشی تھیں اور بعض نے آپؑ کو سوڈانی بتایا ہے اور بعض دوسروں نے آپ کو مرسیہ (اندلس و افریقہ کے درمیانی علاقے) کی مقیم بتایا ہے۔

مشہور ہے کہ آپؑ موسیٰ بن جعفرؑ کی والدہ کی بہو بنیں تو کبھی بھی ان کے بالمقابل نہیں بیٹھیں اور یہ ہر لحاظ سے ان کا ادب و احترام ملحوظ خاطر رکھا۔ یہی وجہ تھی کہ تکتم اپنی ساس کے دل میں گھر کر گئیں اور ساس نے ان کی سفارش کرتے ہوئے بیٹے سے فرمایا: میں نے تکتم سے اچھی کنیز آج تک نہیں دیکھی وہ صورت و سیرت اور دانائی میں اپنی مثال آپ ہیں۔ خداوند تعالیٰ تجھے اس سے ایک ایسا بیٹا عطا کرے گا جو پاک اور بزرگوار ہوگا۔ تکتم جب موسیٰ بن جعفرؑ کے گھر آئیں تو آپ کا نام طاہرہ رکھا گیا۔ کہا جب میرے بطن میں علی رضاؑ تھے تو میں نے کبھی بھی بوجھ کا احساس نہیں کیا اور جب میں سوتی تھی تو میرے بطن سے خداوند تعالیٰ کی تسبیح و تہلیل و تمجید کی صدا آتی تھی اور جب تک یہ خورشید ولایت و امامت طلوع نہیں ہوا برابر صدا آتی رہی۔ (بحار الانوار ج ۴۹)

امام علیہ السلام کی منفرد خصوصیات

عیون اخبار الرضا میں بیہقی سے نقل ہے کہ محمد بن موسٰی بن نصر رازی نے کہا میں نے اپنے والد سے سنا ہے انہوں نے کہا، ایک شخص نے امام رضاؑ سے کہا، خدا کی قسم روئے زمین پر نسب کے لحاظ سے آپؑ سے اعلٰی نسب کوئی نہیں۔ آپؑ نے فرمایا: میرے آباؤ اجداد علیہم السلام نے تقویٰ و پرہیز گاری سے شرافت پائی ہے اور خداوند تعالٰی کی فرمانبرداری کی بنا پر ان کا فیض دنیا کے لئے جاری و ساری ہوا ہے۔

ایک اور شخص نے خدا کی قسم اُٹھاتے ہوئے کہا، آپؑ سب سے بہترین انسان ہیں۔ اس سے فرمایا، اے خدا کے بندے قسم مت اُٹھاؤ، مجھ سے وہ شخص بہتر ہے جو مجھ سے زیادہ پرہیز گار اور فرمانبردار ہے۔ "اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَاللّٰہِ اَتْقٰکُمْ"

کتاب 'مناقب' میں اس طرح آیا ہے کہ محمد بن عیسٰی یقطینی نے کہا، جس وقت لوگوں نے حضرت ابوالحسن امام علی بن موسٰی الرضاؑ کے معاملے میں اختلاف رائے ظاہر کیا تو اس سلسلے میں ان سے اٹھارہ ہزار مسئلے پوچھے گئے تھے جنہیں لکھاریوں کی ایک تعداد نے اپنے اپنے انداز سے رقم کیا۔ مثلاً ابوبکر خطیب نے اپنی تاریخ، ثعلبی نے اپنی تفسیر اور سمعانی نے اپنے رسالے اور ابن معتز نے اپنی کتاب میں سپرد قلم کیا، میں نے ایک کتاب میں اکٹھا کیا۔

ایک دفعہ امام رضاؑ کے ہاں کوئی مہمان آیا آپؑ کافی دیر اس کے ساتھ گفتگو فرماتے رہے کہ اتنے میں چراغ بجھنے لگا، مہمان آگے بڑھا تا کہ اسے ٹھیک کرے تو امام رضاؑ نے اسے منع کردیا اور خود اپنے دست مبارک سے چراغ ٹھیک فرمایا، پھر فرمایا، ہم مہمانوں سے کام نہیں لیتے۔

ایک مرتبہ آپؑ ایک عظیم الشان محفل میں عمران صابی کے ساتھ تشریف فرما، تا طہ

خیال فرمارہے تھے کہ نماز کا وقت ہوگیا۔ عمران کہنے لگا اے میرے آقا و مولا! مسئلے کو درمیان میں چھوڑ کر نہ جائیں کیونکہ مجھ پر رقت طاری ہوگئی ہے۔

امامؑ نے فرمایا، نماز پڑھ کر واپس آتا ہوں۔ اس طرح آپؑ نے پہلے وقت میں نماز پڑھی۔ آپؑ کے اٹھنے پر مامون بھی اٹھ کھڑا ہوا۔ امامؑ نے نماز کو مکان کے اندر اور دوسروں نے باہر محمد بن جعفر (آپؑ کے چچا) کے پیچھے نماز پڑھی۔ آنحضرتؑ واپس اپنی نشست پر تشریف لائے اور عمران کے ساتھ اپنی گفتگو کو جاری رکھا۔

نُور کا ظہور

وہ سہانی صبح جس کا آفتاب ابھی بادلوں کی اوٹ سے نمودار نہیں ہوا تھا۔ پرندے طرح طرح کی بولیوں سے فضا میں نغمے بکھیر رہے تھے۔ نسیم صبا باغات اور گلستانوں میں گھوم گھوم اور جھوم جھوم کر صبح کی آمد کا پیغام دے رہی تھی۔ رنگ برنگے پھول سبزہ زاروں میں جڑے ہوئے ایسے لگ رہے تھے۔ جیسے ستارے آسمان پر سجے اپنی چمک دمک دکھا رہے ہوں۔ رات کا پر اسرار سکوت آہستہ آہستہ دم توڑ رہا تھا۔ رنگ برنگے پھول صبحدم غنودگی کے عالم میں انگڑائیاں لے رہے تھے۔ یہ تمام تیاریاں "نجمہ" کے اس لال کی آمد کی ہو رہی تھیں جس نے اپنے ظہور مسعود کے ذریعے عباسیوں کے سیاہ کارناموں کی تاریخ کو طشت ازبام کرنا اور دنیا کو عباسیوں کی بدنام زمانہ حکومت کے زوال کا پیغام دینا تھا۔ کائنات سرور و مستی میں سراپا غرق ایک ایسے نور کے ظہور کی نوید سنا رہی تھی۔ جس نے انسانیت کو ناکامیوں، پریشانیوں و تلخیوں کے دامن سے نجات دلا کر امید، خوشیوں، مٹھاس اور خوبصورتی جیسے تسکین افزا مفاہیم کے لباس پہنانے تھے۔ اس مولود مسعود کی آمد کے استقبال کے لئے حاملان ولائی اہلبیت کے دریچے وا ہو گئے۔ شیاطین اور ان کے چیلوں پر کپکپی طاری ہو گئی۔ عرشیوں اور فرشتوں نے جمال حقیقت کا پردہ چاک کر دیا۔ فلک سے زمین والوں کے لئے تبریک و تہنیت کی صدائیں آنے لگیں۔ سرکار عالم آلِ محمدؑ کی مدح میں قصیدے پڑھے جانے لگے۔

ہاں! یہ گیارہ ذیقعد ۱۵۳ھ کی صبح تھی جب حضرت امام رضاؑ نے امام جعفر صادقؑ کی شہادت کے پانچ سال بعد اس دنیا کو اپنے نور کی تجلی سے رونق بخشی (آپ کی تاریخ ولادت میں مورخین و محدثین کے درمیان اختلاف پایا جاتا ہے۔ بعض دانشور مثلاً مفید، کلینی، طبری، شہید نے

آپؑ کا سال ولادت ۱۴۸ھ مقام ولادت مدینہ منورہ رقم کیا ہے۔ ابن آشوب نے مناقب اور صدوق نے عیون اخبار الرضاؑ میں آپؑ کا سال ولادت ۱۵۳ھ قرار دیا ہے اسی طرح فرانسیسی انسائیکلوپیڈیا میں ۷۶۵ عیسوی درج ہے)

جونہی آپؑ نے اس دنیا میں قدم رکھا اور خاک پر تشریف فرما ہوئے تو اپنے چھوٹے چھوٹے ہاتھوں کو زمین پر رکھا اور سر آسمان کی طرف بلند کر کے کچھ کلمات ادا فرمائے۔

آپؑ کے والد بزرگوار نے آپؑ کے خوبصورت و معصوم چہرے کی طرف نگاہ کرتے ہوئے فرمایا! اے نجمہ! تجھے یہ کرامت مبارک ہو جو خداوند تعالیٰ نے تجھے عطا فرمائی ہے۔ آپؑ اس وقت سفید لباس زیب تن کئے تھے۔ والد گرامی نے دائیں کان میں آذان اور بائیں میں اقامت کہی۔ حلق کچھ پانی سے تر کیا۔ پھر میرے جگر گوشے کو میرے سپرد کرتے ہوئے فرمایا!

یہ لو، یہ بچہ روئے زمین میں بقیۃ اللہ ہوگا۔

"**کان الرضا یرتضع کثیراً**" یہ بچہ دودھ بہت پیتا تھا۔ یہاںتک کہ والدہ ماجدہ کو یہ کہنا پڑا۔

"**اعینونی بمرضعة**" مجھے دودھ پلانے والی ایک معاون خاتون کی ضرورت ہے۔ آپؑ سے پوچھا گیا، کیا آپ کا دودھ بچے کے لئے کافی نہیں ہوتا فرمایا

"**ما اکذب واللہ ما نقص**" میں جھوٹ نہیں بولتی خدا کی قسم میرا دودھ کم نہیں لیکن میں اس بچے کی ولادت سے قبل ذکر و عبادت میں مشغول رہتی تھی اور چونکہ اب یہ بچہ بہت زیادہ دودھ پیتا ہے لہذا میں اس کو دودھ دینے کی بنا پر اپنے روزانہ کے وظیفوں یعنی تسبیح و ذکر سے محروم رہتی ہوں۔ لہذا چاہتی ہوں کہ بچہ بھی کم دودھ نہ پئے اور میں بھی ذکر و دعا میں ہمہ تن مشغول رہوں۔ (عیون اخبار الرضاؑ و بحار الانوار جلد ۴۹)

آپؑ امام موسیٰ کاظمؑ کو سارے بیٹوں سے زیادہ پیارے تھے۔ وہ آپؑ کا بوسہ لیتے اور فرماتے تھے۔ تجھ پر ماں باپ قربان ہوں تو کس قدر معطر اندام ہے۔ بہت جلد تیری فضیلت سب

پر ظاہر ہو جائیگی۔ چنانچہ جیسا کہ ہم نے اس سے قبل کے صفحات پر تحریر کیا ہے کہ امام موسٰی کاظم کے سارے بیٹے لائق، فائق، عالم، پرہیز گار اور فضیلت مآب تھے جیسا کہ احمد بن موسٰی (شاہ چراغ)، اسماعیل، ابراہیم اور حمزہ وغیرہ کے ضمن میں ذکر کیا گیا۔ لیکن حضرت رضاؑ منفرد حیثیت کے حامل تھے۔ آپؑ اپنے والد گرامی کے جانشین، اپنے بھائیوں اور والد بزرگوار کے پیروکاروں کے امام قرار پائے۔ آپؑ خداوند تعالٰی کی عظیم نشانی اور تاریخی شخصیت کے حامل تھے۔ آپؑ وہ خورشید تھے جس نے مشرق و مغرب کو اپنے نور سے روشن کیا۔

عبداللہ بن حرث جو جعفر بن ابی طالب کی اولاد سے ہے، کہتا ہے: ایک دن ساتویں امامؑ نے ہمیں گھر بلایا جب ہم سب اکٹھے ہوئے تو فرمایا، معلوم ہے میں نے کس لئے آپ سب کو یہاں بلایا ہے۔ میں نے کہا نہیں! فرمایا، گواہ رہو کہ میرے بعد میرا یہ بیٹا علی میرا جانشین اور خلیفہ ہے۔ میرے بعد میرے قرضے یہی اتارے گا اور میری بیویوں کے اخراجات بھی اسی کے ذمہ ہوں گے۔ (عیون الرضاؑ)

اسماء والقاب حضرت رضا علیہ السلام

عبدالعظیم حسنی نے سلیمان مروزی سے روایت کی ہے کہ ساتویں امام موسیٰ کاظمؑ اپنے فرزند علیؑ کو رضا کے لقب سے پکارتے تھے اور فرماتے تھے: میرے بیٹے کو رضا کہہ کر پکارو، میں اسے رضا کے نام سے پکارتا ہوں اور مجھے ابا الرضا کہہ کر پکارو اور کبھی کبھار آپ کو کنیت اور یا ابا الحسن کہہ کر پکارا جاتا تھا۔ (پانچ اماموں کی کنیت ابوالحسن تھی۔ علی ابن ابی طالبؑ، علی بن الحسینؑ، موسیٰ بن جعفر، علی بن موسیٰ الرضا اور علی بن محمد، یہ کنیت پہلے اور آٹھویں امام کے لئے زیادہ مستعمل رہی ہے۔

جوادالائمہؑ فرماتے ہیں: میرے والد ماجدؑ کا نام خداوند تعالیٰ نے رضا رکھا چونکہ ان کو خدا نے پسند فرمایا تھا اور آسمانوں میں ان کو پسند کیا گیا اور دوست و دشمن نے آپؑ کو پسند کیا اور آپؑ سے راضی تھے۔ ہاں! امام رضاؑ ایسے امام ہو گذرے ہیں جنہیں حامی و مخالف دونوں محاذوں پر پسند کیا گیا۔ (ابجد اور جمل کے مطابق لفظ رضا، ایک ہزار ایک عدد کے مترادف ہے اور یہ عدد خداوند تعالیٰ کے تمام ناموں کے مطابق ہے جیسا کہ جوشن کبیر میں مشہور و معروف ہے)

موسیٰ بن جعفرؑ کا یہ فرزند، بشر کامل اور ملکوتی انسان جو ہر رجس اور پلیدی سے دور تھے اور شیعوں کے آٹھویں امام، منبع فیض و معدن جود و سخا، جن پر آج ایران کو فخر ہے جو حاجتمندوں اور بے پناؤں کے ملجا و ماویٰ، دردمندوں کے درد کی دوا کرنے والے ہیں اگرچہ رضا کے لقب سے مشہور ہوئے اور آپؑ کی کنیت ابوالحسن و نام مبارک علی قرار پایا۔

لیکن بعض معتبر کتب میں آپؑ کے دوسرے القاب بھی ذکر کئے گئے ہیں۔ مثلاً صابر، فاضل، رضی، وفی، قرۃ عین المومنین، سلطان السلاطین، شمس الشموس، غریب الغرباء، غوث

اللھفان، امام الرؤف، عالم آل محمد، ضامن آھو، قبلۂ ہفتم امام ہشتم، سراج اللہ نور الھدیٰ، مکیدۃ الملحدین، کفوالملک، کافی الخلق، رب السریر، رب التدبیر، صدیق وغیرہ۔

صابر و فاضل:

آپ کے علم، صبر اور دانش نے تاریخ اسلام کے صفحات کو روشن کیا اور آپ کی بردباری زبان زد عام وخاص رہی۔

رضا و رضی:

نصر بزنطی کا قول ہے: میں نے محمد تقیؑ سے عرض کیا مامون نے آپ کے والد گرامی کا نام رضا رکھا اور ان کو اپنا ولیعہد بنایا۔ امامؑ نے قسم اٹھا کر کہا، یہ جھوٹ ہے یہ لقب پروردگار عالم کی طرف سے ودیعت ہوا کیونکہ آسمان میں خداوند تعالیٰ اور زمین پر پیغمبر اسلامؐ اور ان کے اوصیاءؑ آپ سے راضی وخوشنود تھے۔ نصر کا کہنا ہے میں نے عرض کیا تو کیا وہ آپ کے اجداد سے راضی نہیں تھے کہ صرف آپ کے والد گرامی کے لئے یہ لقب مخصوص قرار پایا؟

امامؑ نے فرمایا، خداوند تعالیٰ اور پیغمبر اسلامؐ ان سے راضی وخوشنود تھے لیکن چونکہ میرے والد گرامی سے دشمن بھی راضی وخوشنود تھے اور یہ امر میرے اجداد میں سے کسی اور کے لئے مخصوص نہیں ہوا لہذا آپؑ کا لقب "رضا" قرار پایا۔

وفی وقرۃ اعین المومنین:

عہد وپیمان کی پاسداری آپ میں بدرجہ اتم پائی جاتی تھی اور آپ کو مومنین بے حد پسند کرتے گویا آپ ان کی آنکھوں کا نور تھے۔ اور یہ ایک ہزار اوصاف حمیدہ اور پسندیدہ فضائل میں سے ایک فضیلت تھی۔

مفضل بن عمر کہتا ہے، حضرت امام موسیٰ کاظمؑ کی خدمت میں حاضر ہوا دیکھا کہ آپ اپنے فرزند علیؑ کو اٹھائے ہوئے ان کے بوسے لے رہے ہیں اور ان کی زبان چوس رہے ہیں، اس

طرح میں نے دیکھا کہ آپؑ نے ان کو اپنے کاندھے پر بٹھایا، اپنے سینے سے لگایا اور فرمانے لگے، میرے ماں باپ تم پر قربان ہوں تم سے کیسی خوشبو آرہی ہے اور تم کس قدر پاک خلق کیے گئے اور تابناک فضائل کے حامل ہو۔ میں نے عرض کیا، آپ پر قربان جاؤں! آپؑ کے اس فرزند کے لئے میرے دل میں اس قدر محبت پیدا ہوئی ہے جتنی مجھے آپؑ کے علاوہ کسی سے نہیں؟

فرمایا: اے مفضل! اس بچے کو مجھ سے وہی نسبت ہے جو مجھے میرے والد گرامی سے ہے۔"**ذرية بعضها من بعض والله سميعٌ عليم**" میں نے پوچھا کیا آپؑ کے بعد امر امامت ان کے لئے ہے؟ فرمایا، ہاں، جو کوئی ان کی اطاعت کرے، ہدایت پائے گا اور جو کوئی ان کی نافرمانی کرے گمراہ ہوگا۔

شمس الشموس:

دینی رہنماؤں کو ستارے، چاند، سورج سے تعبیر کیا گیا ہے۔ اور مشہور دعائے ندبہ میں یہ تعبیرات و تشبیہات اچھی طرح ملاحظہ کی جاسکتی ہیں "**اين الشموس الطالعة؟ اين الاقمار المنيرة؟ اين الانجم الزاهرة؟**"

"کہاں ہیں وہ روشن سورج، روشنی بخشنے والے چاند اور چمکتے دمکتے ستارے؟"

ان کے درمیان آٹھویں امام سورجوں کے درمیان سورج قرار پائے ہیں اور خصوصی جلوے اور تابناکی کے حامل ہیں آپ کے جلوے سے تاریک بادل چھٹ گئے اور آپ کے جمال نے سب کو حیران کر دیا۔ اسی جمال کی وجہ سے آج مشرق و مغرب آپ کے دلدادہ اور آپ کی روشنی سے منور ہیں۔ گویا انسانوں میں آپ بے نظیر ہیں اور آپ کا ثانی کوئی نہیں۔

غریب الغربا اور پردیسیوں کا ضامن:

اس لقب کا سبب شاید یہی ہے کہ آپ نے اپنے آباؤ اجداد اور وطن سے دور پردیس میں زندگی بسر فرمائی اور پھر شہید کر دیئے گئے، کیونکہ آپ کی اولاد اور آپ کے اجداد نے زیادہ تر مدینے اور اس کے گرد و نواح ہی میں زندگی بسر فرمائی۔ آج سر زمین ایران آپ کے وجود مبارک

پر سراپا ناز اں ہے۔ آپ چونکہ خود پردیسی ہیں لہذا نہ صرف ایرانیوں بلکہ پردیسیوں پر بھی بیحد مہربان ہیں اور آپ کے حرم شریف کے زیر سایہ پناہ لینے والوں پر آپ کے فضل وکرم کی بارش ہوتی ہے۔

غوث اللھفان (بیچاروں کے فریادرس):

آپ ایسے امام ہیں جو بے نواوں کے فریادرس ہیں آپ کے آباؤ اجداد علیہم السلام نے اپنی زبان وبیان میں آپ کو غوث کے نام سے یاد کیا ہے۔

امام صادق نے فرمایا! "**یخرج اللہ تعالی منہ غوث ھذہ الامۃ و علمھا و نورھا و فھمھا و حکمھا** "خداوند میرے بیٹے موسیٰ سے اس امت کا دادرس فریادرس پیدا کرے گا جو انہیں دانش، نور، فہم اور حکم عطا فرمائے گا وہ ایک ایسا بہترین فرزند ہوگا کہ خداوند تعالیٰ اس کے وسیلے سے عوام الناس کے اختلافات کو رفع فرمائے گا اور جنگوں کو صلح وآشتی میں تبدیل کرے گا، اس امت کی شیرازہ بندی فرمائے گا، ننگے کو لباس پہنائے گا، بھوکے کو کھانا کھلائے گا، خوف کے ماروں کو امن وسکون بخشے گا، آپ ہی کے وسیلے سے غلام، حکومت کریں گے اور قبیلوں کے سردار ہو جائیں گے۔" **السلام علی غوث اللھفان و من صارت بہ ارض خراسان خراسان**"

امام الرؤف:

آپ مہربان پیشوا ہیں۔ زیارت جوادیہ میں آپ سے اس طرح خطاب کیا گیا ہے۔

"**السلام علی الامام الرئوف الذی ھیج احزان یوم الطفوف**"

اس مہربان امام پر سلام ہو، وہ امام جس نے اپنے جد حضرت امام حسین علیہ السلام کا ماتم بپا کیا۔

چنانچہ ریان بن شبیب سے فرمایا، ہماری آنکھیں میرے جد امام حسین علیہ السلام کی یاد میں روتے روتے مجروح ہو گئیں۔ ہماری آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے، ہمارے عزیزوں کو کربلا میں رُلا رُلا دیا اور اب قیامت تک ہم ان کی یاد میں تڑپتے رہیں گے۔

خدا کی خاص مہربانی ہے امام رضاؑ　　تری شان سب سے نرالی ہے امام رضاؑ

بے نواؤں و بے سہاروں کی لاج رکھتا ہے　　ہر سو تیرا فیض جاری ہے امام رضاؑ

تو ہی غوث اعظم و دستگیر ہے میرا　　زبان پہ صبح و شام جاری ہے امام رضاؑ

عالم آلِ محمدؐ:

اگرچہ شیعوں کے تمام آئمہؑ پیغمبر اکرمؐ کے علوم کے وارث اور اولین و آخرین کے علوم کے حامل ہیں، لیکن شاید آپؑ کے لئے عالم آل محمدؐ کا لقب اس لئے مخصوص قرار پایا ہے کہ امامؑ نے علم کی اشاعت فرمائی اور آپؑ کو موقع میسر آیا تا کہ آپؑ حقائق کو برملا کریں اور اہل باطل کی حجتوں کو نقش بر آب کر دیں اور گمراہ دانشوروں کے حیلوں بہانوں کو بیخ و بن سے اکھاڑ دیں اسی لئے آپؑ کو حجج الرضویہ بھی کہا گیا ہے۔ آپؑ نے بشریت کی بہت بڑی علمی خدمت فرمائی۔ آپؑ نے مناسب شرائط بموافق ماحول واستعداد ولیاقت کے ذریعے علوم دین کی جزئیات وکلیات اور عالمی مسائل کو عوام الناس کے لئے نہایت وضاحت سے کھول کھول کر بیان فرمایا۔ اور وہ آیات و احادیث جن کی مکتب علوی سے مکتب موسوی تک تفسیر و تدریس نہ ہوئی تھی ان کی اجتماعی، سیاسی، اقتصادی وثقافتی پہلوؤں سے تشریح فرمائی۔ اسلامی اتحاد کو علمی اتحاد اور دینی بصیرت کے اصولوں کی بنیاد پر استوار کیا۔ آپؑ کی یہی مساعی اور علمی کاوشیں آخر کار مامون الرشید کے ہاتھوں آپؑ کی شہادت کا موجب بنیں۔

ابوذکوان جو ایک مشہور راوی ہے، کا قول ہے کہ ابراہیم بن عباس کا کہنا ہے کہ یہ بات کبھی میرے مشاہدے میں نہیں آئی کہ کسی نے حضرت امام رضاؑ سے کوئی سوال پوچھا ہو اور آپؑ اس کا جواب دینے سے معذور ہوئے ہوں اور میں نے آج تک ایسا شخص نہیں دیکھا جس کو آپ کی مانند گذشتہ وآئندہ کے حالات کا علم ہو، یہاں تک کہ جب کبھی مامون نے آپؑ کو آزمانے کے لئے آپؑ سے سوال کیا، آپؑ نے فوراً جواب عنایت فرمایا، اس سے بھی زیادہ عجیب امر یہ کہ

آپ ہر کسی سے اس کی زبان میں کلام فرماتے تھے۔اگر ان سے کوئی اس بارے پوچھتا تو آپ اپنے آباؤ اجداد علیہم السلام کا یہ فرمان دہراتے ”**و اوتینا فصل الخطاب** “اور فصل الخطاب سے مراد زبانوں کا علم ہے۔

ساتواں قبلہ اور آٹھواں امام:

چونکہ ہم مسلمانوں کا پہلا قبلہ مکہ مکرمہ ہے جس کی زیارت ہم سب مسلمانوں پر استطاعت کی صورت میں زندگی میں ایک مرتبہ واجب ہے۔اس کے بعد چھ دوسرے مقامات دعا کی قبولیت کے لحاظ سے درجہ بدرجہ فضیلت کے حامل ہیں۔مدینہ منورہ، نجف اشرف، کربلائے معلی، کاظمین شریفین، سامرا اور ساتواں مقام مشہد مقدس کا ہے۔اس طرح ساتواں قبلہ آٹھویں امامؑ کو کہا جاتا ہے۔

امامت کی علامات

امامت ایک ایسا مقام ہے جسے اللہ تعالیٰ نے ابراہیمؑ کو اس وقت عطا فرمایا جب پہلے ہی اس نے آپؑ کو نبوت و خلت عطا کر دی تھی، پھر فرمایا "اِنّی جَاعِلُکَ لِلنَّاسِ اِمَاماً" اس مقام پر ابراہیمؑ نے نہایت خوشی کے عالم میں کہا، "**و من ذریتی** اور میری اولاد میں سے بھی امام بنا، خداوند تعالیٰ نے فرمایا "**لاینال عھدی الظالمین** "میرا عہدو پیمان ظالموں کے لئے نہیں ہے۔ لہذا اس آیہ نے قیامت تک ظالموں کی امامت کی نفی کر دی اور یہ مرتبہ صرف چنے ہوئے افراد کے لئے قرار دیا۔ اس کے بعد ابراہیمؑ کو خداوند تعالیٰ نے شرافت دی اور امامت آپؑ کی اولاد میں رکھی اور اسے پاک قرار دیا اور فرمایا! اور اسحاقؑ و یعقوبؑ، اضافی صورت میں اسے عطا کئے اور ان سب کو اہل قرار دیا اور انہیں امام و پیشوا بنایا تا کہ ہمارے حکم کے مطابق لوگوں کی رہنمائی کریں، انہیں وحی کی کہ اچھے کام انجام دیں، نماز پڑھیں اور زکوۃ ادا کریں۔ وہ ہماری پرستش کرنے والے تھے۔ پس امامت ہمیشہ آپؑ کی اولاد میں رہی۔ ایک کے بعد دوسرا امام قرار پایا۔ یہاں تک یہ امامت پیغمبر اسلامؐ کو وراثت میں ملی اور خود خداوند تعالیٰ نے فرمایا! اور سب سے بہترین لوگ وہ ہیں جو ابراہیمؑ اور اس پیغمبر کے پیروکار اور ایمان دار ہیں۔ اور خدا مومنوں کا ولی ہے (آیت ۶۸ سورہ آل عمران) اور امامت آپؐ کے لئے مخصوص قرار پائی۔ اور آپؐ نے خدا کے حکم کے مطابق یہ ذمہ داری حضرت امیر المومنین علی بن ابی طالبؑ کے سپرد کی اور پھر آپ کی منتخب شدہ اولاد جو علم و ایمان کی حامل قرار پائی، میں جاری رہی اور خدا نے فرمایا:

"**و قال الذین اوتوالعلم والایمان لقد لبثتم فی کتاب اللہ الی یوم البعث** "پس امامت تا قیامت علی علیہ السلام کی اولاد میں

ہے چونکہ محمدؐ کے بعد کوئی پیغمبر نہیں آئے گا۔لہذا امامت دین کی باگ ڈور، مسلمانوں کے نظام کو چلانے کا وسیلہ، دنیا کی اصلاح کرنے والی اور مومنین کے لئے سرمایہ عزت وافتخار ہے، اسی کے وسیلے سے نماز، روزہ، زکوۃ، حج اور جہاد کی تکمیل ہوتی ہے۔صدقات وغنیمت میں اضافہ ہوتا، حدود واحکام جاری ہوتے، اطراف وسرحدوں کی نگہبانی ہوتی ہے۔امامؑ ہے جو خدا کے حلال کو حلال اور حرام کو حرام قرار دیتا ہے، اسلامی حکومت قائم کرتا اور خدا کے دین کا دفاع کرتا اور دلیل و حجت وحکمت کے ذریعے لوگوں کو خدا کے دین کی طرف دعوت دیتا ہے۔امام وہ خورشید طالع ہے جس کا نور دنیا پر چھایا ہوتا ہے۔لیکن وہ خود افق پر ہوتا ہے، اسی طرح کہ کوئی ہاتھ اور بصارت اسے نہیں پاسکتی۔ امام روشن چاند، چمکتا دمکتا ستارہ اور فروزاں سورج ہے جو گمراہی کی دلدل، سمندروں کے گرداب اور فتنے وجہالت کے بے آب وگیاہ دشت میں لوگوں کی راہنمائی کرتا ہے۔امام وہ میٹھا و پاک وپاکیزہ پانی ہے جو علمی پیاس کے زمانے میں لوگوں کو سیراب کرتا ہے۔امام گم کردہ راہ لوگوں کے لئے ٹیلے پر دھرا ہوا روشن چراغ ہے۔سردی کے مارے لوگوں کے لئے گرمی کا وسیلہ اور تاریکیوں میں گھرے ہوئے لوگوں کے لئے راہنما چراغ ہے جو کوئی اس سے جدا ہوا نابود ہوا۔

امام بارش برسانے والا بادل، فوری برسنے والی بارش، روشن سورج، سایہ مہیا کرنے والی چھت، بچھی ہوئی زمین، جوش مارنے والا چشمہ، روح افزا وخوشبو دار چمن وگلستان، امام ہمدم و دوست، مہربان باپ اور غمگسار بھائی، شدید مشکلات میں بندگان خدا کو پناہ دینے والا، خلق کے درمیان خدا کا امین، بندوں کے درمیان خدا کی حجت اور اس کی زمین میں اس کا خلیفہ، اس کی طرف دعوت دینے والا اور اس کے حقوق کا دفاع کرنے والا ہے۔

امامؑ گناہوں سے مبرا ومنزہ اور عیوب سے پاک، اپنی ذات سے مخصوص علم ودانش، دین کے نظام کو چلانے والا، مسلمانوں کی سربلندی کا باعث اور منافقوں وکافروں کے غم وغصے کا موجب ہوتا ہے۔امامؑ اپنے زمانے اور ہر زمانے میں یکتائے روزگار ہوتا ہے۔کوئی اس کے ہم

پلہ قرار نہیں پاتا۔ دانشور اس کی برابری نہیں کرسکتے۔ اس کا نعم البدل نہیں ہوتا، وہ بے مثل و بے نظیر ہوتا ہے۔ وہ تمام فضائل سے خود بخود آراستہ ہوتا ہے۔ یہ فضائل وہ خدا سے طلب نہیں کرتا بلکہ خدا اپنے فضل و کرم سے اسے عطا کرتا ہے۔ امامت اکتسابی نہیں بلکہ فضلی ہے۔ خدا جس کو چاہتا ہے، عنایت فرماتا ہے۔ پس یہ کیسے ممکن ہے کہ امام کا انتخاب کیا جائے؟ کیونکہ امام ایسا عالم ہے جو نادان نہیں ہے۔ ایسا سرپرست ہے جو پیچھے نہیں ہٹتا، ایسا پاک و مقدس مرکز اور زہد و طاقت، علم و فضل و نور کا منبع ہوتا ہے جس سے پیغمبر اسلام کی دعوت مخصوص ہے۔ جناب فاطمہ سلام اللہ علیہا کی پاک نسل سے ہوتا ہے۔ اس کے سلسلہ نسب میں طعن و سرزنش کی گنجائش نہیں ہوتی اور شرافت میں کوئی نسل اس کی برابری نہیں کرسکتی۔ وہ خاندان قریش و ہاشم اور پیغمبر اسلام کی عترت اور خداوند تعالٰی کا پسندیدہ ہوتا ہے۔ وہ اشراف کا شرف اور عبد مناف کا فرزند ہے۔

علم لدنی اور کامل علم کا حامل ہوتا ہے۔ امامت میں قوی اور سیاست میں عالم ہوتا ہے۔ اس کی اطاعت واجب ہوتی ہے۔ خداوند عزوجل کے امر سے قائم، خدا کے بندوں کا خیر خواہ اور دین خدا کا نگہبان ہوتا ہے۔ خدا نے پیغمبروں اور اماموں کو اپنے علم و حکم کے خزانے سے وہ کچھ دیا ہے جو اس نے کسی دوسرے کو نہیں دیا، اسی لئے اس کا علم، اس کے زمانے کے دوسرے تمام لوگوں کے علم سے برتر ہوتا ہے۔ جیسا کہ خداوند تعالٰی سورہ یونس کی آیہ ۳۵ میں ارشاد فرماتا ہے۔ کیا وہ اس قابل ہے کہ اس کی پیروی کی جائے جو حق کی طرف بلاتا ہے یا وہ جو ہدایت نہیں کرسکتا بلکہ اسے ہدایت کی ضرورت ہوتی ہے، پس تمہیں کیا ہوا ہے؟ کیسے انصاف کرتے ہو؟ امام کو خدا و رسول متعین کرتے ہیں اور ہر دینی پیشوا کے لئے مخصوص دلیل تھی۔ اور ہر امام نے یہ بتایا کہ میرے بعد کون امام ہوگا؟

آنحضرتؑ کے اخلاق حمیدہ

ابراہیم بن عباس کا قول ہے، میں نے کبھی امام رضاؑ کو کسی سے سخت کلامی کرتے ہوئے نہیں دیکھا، آپؑ کسی کے کلام کو قطع نہ فرماتے، اگر استطاعت ہوتی تو سوالی کی حاجت ضرور برلاتے، کسی کے سامنے پاؤں پھیلا کر نہ بیٹھتے، محفل میں ٹیک لگا کر تشریف نہ رکھتے۔ کبھی کسی غلام و خادم کو گالی نہ دیتے اور نہ بُرا بھلا کہتے، تھوکتے نہیں تھے اور نہ ہی قہقہہ لگا کر ہنستے بلکہ آپؑ کی ہنسی مسکراہٹ تک محدود تھی۔ خلوت و تنہائی میں بھی جب دسترخوان بچھاتے تو تمام غلاموں حتیٰ کہ اپنے دربان اور کاردار کو اس پر بٹھاتے، راتوں کو کم سوتے اور زیادہ دیر تک جاگتے رہتے، اکثر راتوں کو صبح تک بیدار رہتے، زیادہ تر روزے سے رہتے اور فرماتے یہ سارے جہان کا روزہ ہے، حضرت ہمیشہ ہر ماہ کے پہلے تین دن، وسط اور آخر ماہ روزہ رکھتے تھے۔ آپؑ خفیہ صدقہ دیتے اور نیکی کے اور کئی کام چھپا کر رات کی تاریکی میں انجام دیتے تھے، فرماتے تھے اگر کوئی غریبوں اور امیروں کو سلام کرنے میں فرق کرے تو خداوند تعالیٰ یوم قیامت جب اس سے ملاقات کرے گا تو غضب ناک ہوگا (بحارالانوار ج۴۹)

ہم آگے چل کر آپؑ کے علمی مطالب، اخلاقی احادیث و تربیتی دروس رقم کریں گے تاکہ آپؑ کی سیرت سے ایک مسلمان سبق سیکھے۔ امام علی ابن موسیٰ الرضاؑ کے عاشقوں کو آپؑ کی سیرت پر عمل کر کے یہ ثابت کرنا چاہئے کہ وہ ان کے حقیقی پیروکار ہیں۔

حضرت امام رضاؑ کی امامت

امام علی بن موسٰی الرضاؑ کی امامت کے بارے میں جاننے کے لئے آپؑ کے بزرگوار موسٰی بن جعفرؑ کے وصیت نامے کو مدنظر رکھنا چاہیئے۔ جو والد ماجد کے بعد ان کی امامت و جانشینی کی روشن اور پختہ دلیل ہیں۔ اس وصیت نامے کے مندرجہ ذیل گواہ ہیں؛ ۱۔ ابراہیم بن محمد جعفری ۲۔ اسحاق بن محمد جعفری ۳۔ اسحاق بن جعفر بن محمد ۴۔ جعفر بن صالح ۵۔ معاویہ بن جعفری ۶۔ یحیٰی بن حسین بن زید بن علی ۷۔ سعد بن عمران انصاری ۸۔ محمد بن حارث انصاری ۹۔ یزید بن سلیط انصاری ۱۰۔ محمد بن جعفر بن سعد اسلمی، جو موسٰی بن جعفر علیہما السلام سے منسوب ایک اور وصیت نامہ کا تحریر کرنے والا ہے۔ موسٰی بن جعفرؑ اس بات کی شہادت دیتے ہیں کہ نہیں کوئی معبود سوائے اللہ تعالٰی کے اور محمدؐ اللہ کے بندے اور رسول ہیں۔ اور کسی شک و شبے کے بغیر قیامت ضرور آئے گی اور خداوند تعالٰی قبور میں موجود ہر شخص کو زندہ کرے گا اور یہ کہ مرنے کے بعد زندہ ہونا حق ہے اور خدا کا وعدہ حق ہے اور حساب حق ہے، حساب کتاب لیا جانا حق ہے، اور خدا کے سامنے کھڑا ہونا حق ہے اور جو کچھ محمدؐ لائے ہیں حق ہے اور جو کچھ جبرائیل نے نازل کیا حق ہے۔ میں نے اسی عقیدہ پر زندگی گزاری اور اسی پر دار فانی سے کوچ کر رہا ہوں۔ اور انشاء اللہ اسی عقیدے پر قبر سے اٹھوں گا۔ آپؑ نے مذکورہ بالا اشخاص کو گواہ بنایا کہ وصیت نامے کا یہ خط خود آپؑ کا ہے اور میں نے اپنی وصیت کو اپنے جد امیر المومنین علی بن ابی طالبؑ اور محمد بن علی امام باقرؑ کے وصایا کے مطابق لکھا ہے اسی طرح کہ میری وصیت حرف بہ حرف انہی کی طرح ہو اور جعفر بن محمدؑ کی وصیت بھی ایسی ہی تھی۔ میری یہ وصیت علی اور دوسرے بیٹوں کے لئے ہے۔ البتہ یہ اختیار علیؑ کو ہے کہ وہ دوسروں کو اس میں شامل کرے یا نہ کرے۔ اگر وہ انہیں اس وصیت میں اپنے

ساتھ قرار دے تو اس کی مرضی اور اگر وصیت کے پیرائے سے خارج کرنا چاہے تو اس کی مرضی اور اس کی موجودگی میں دوسرے بے اختیار ہوں گے۔

نیز میں اسے اور اپنے دوسرے بیٹوں ابراہیم، عباس، قاسم، اسماعیل و احمد کو وصیت کرتا ہوں کہ وہ میرے اوقاف، اموال، غلاموں، بچوں کے جو میرے لواحقین میں سے ہیں اور ام احمد بھی، کے سرپرست ہیں لیکن عورتوں کی سرپرستی صرف علی کے ذمہ ہے اور میرے والد اور میرے ترکے کا تیسرا حصہ اس کے اختیار میں ہوگا وہ جہاں چاہے خرچ کرے۔ اور اس کی نسبت اس کا حق، صاحب مال جیسا ہوگا، اگر چاہے تو بیچے، یا کسی کو بخش دے یا کسی کے حوالے کر دے یا جن کے نام لئے ہیں یا نہیں لئے انہیں بطور صدقہ دے دے۔ اسے اس بات کا پورا پورا اختیار ہے۔ وہ میرا جانشین ہے اور میرا جو بھی مال و اولاد ہے، اب اس کا ہے۔ وہ چاہے تو بھائیوں کو جن کے میں نے نام لئے ہیں اپنی زیر سرپرستی رکھے اور چاہے تو خارج کر دے۔ اس کو کوئی سرزنش نہیں اور نہ ہی کوئی اس کے حق کو رد کر سکتا ہے۔ اور اگر اس دوران جبکہ میں ان سے جدا ہو رہا ہوں ان کی حالت میں تبدیلی آئے مثلاً انہیں کوئی عارضہ لاحق ہو جائے، ان پر جنون طاری ہو جائے یا وہ ہوش و حواس کھو بیٹھیں یا خیانت کر دیں تو اسے حق ہے کہ انہیں اپنے زیر سایہ لے آئے۔ اور اگر ان میں سے کوئی اپنی کسی ہمشیرہ کو بیاہنا چاہے تو اس کے فرمان اور اجازت کے بغیر ایسا کرنے کا حق نہیں رکھتا۔ کیونکہ وہ خاندان کے شادی بیاہ کے معاملات کو دوسروں سے زیادہ بہتر جانتا ہے۔ اور جو کوئی اگرچہ بادشاہ ہو یا عام شخص اس کے راستے میں روڑے اٹکائے یا جو باتیں اس مکتوب میں ذکر کی ہیں یا جن لوگوں یعنی عورتوں و مردوں کے نام لئے ہیں ان کی رکاوٹ کا باعث بنے تو گویا اس نے خدا اور رسول سے بیزاری کا اظہار کیا ہے۔ اور خدا اور رسول بھی اس سے بیزار ہوں اور اس پر خدا کا غضب ہو اور لعنت کرنے والوں، ملائکہ مقربین، پیغمبروں، مرسلین اور تمام مومنین کی اس پر لعنت ہو۔ بادشاہوں میں سے کسی کو حق نہیں پہنچتا کہ وہ اسے اس کے کسی کام سے روکیں۔ میرا اس سے کوئی طلب و مطالبہ نہیں ہے اور میری اولاد میں سے کسی کا اس نے کوئی مال نہیں دینا۔

وہ جو کچھ کہے گا درست ہوگا۔ اگر کسی چیز کو گھٹائے تو خود وہ بہتر جانتا ہے۔ اور اگر زیادہ کرے تو پھر بھی اس نے سچ بولا ہے۔ میں نے اپنی دوسری اولاد کو وصیت میں صرف احتراماً شامل کیا ہے۔ میری وہ کنیزیں جن سے میری اولاد ہے اگر وہ خود میرے حرم سرا میں رہنا چاہیں تو اگر پردے کی پابند ہوں تو اگر وہ چاہے تو جو کچھ انہیں میری زندگی کے دوران مل رہا تھا انہیں دے اور ان میں سے جو کوئی ایک دفعہ شادی کرلے تو پھر اسے اس بات کا حق نہیں کہ وہ حرم سرا کی طرف واپس پلٹے لیکن ماسوائے اس کے کہ علیؑ اس کے لئے ایک اور رائے دے۔ اسی طرح میری بیٹیاں نہ تو اس کے مشورے اور حکم کے بغیر شادی کرسکتی ہیں اور نہ ہی ان کا کوئی بھائی، ماں یا بادشاہ یا چچا ان کی شادی کرواسکتا ہے۔ اگر وہ یہ کام کریں گے تو گویا انہوں نے خدا اور رسولؐ کی مخالفت کی ہے اور خدا کی بادشاہت کے ساتھ آمادہ جنگ ہوئے ہیں۔ علیؑ اپنے خاندان کی شادی بیاہ کے معاملات کا بخوبی واقف ہے۔ اگر انہیں بیاہنا چاہے تو بیاہ سکتا ہے۔ اور اگر نکالنا چاہے تو نکال سکتا ہے۔ میں نے بیویوں کے بارے میں جیسا کہ مکتوب میں لکھا ہے وصیت کردی ہے۔ اور خدا کو ان پر گواہ بنالیا ہے۔ اسی طرح علی و ام احمد بھی ان پر گواہ ہیں۔ کسی کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ میری وصیت کو توڑ مروڑ کر دوسروں تک پہنچائے یا مشتہر کرے۔ جو کوئی برائی کرے اپنے خلاف کرے گا۔ اور جو کوئی نیکی کرے اپنے لئے کرے گا۔ خدا وند تعالیٰ کسی پر ظلم نہیں کرتا۔ اللہم صل علی محمد و آل محمد۔

کسی حاکم یا عام شخص کو اس بات کا کوئی حق نہیں پہنچتا کہ اس وصیت نامے کو جس کے نیچے میں مہر ثبت کررہا ہوں، پھاڑے۔ جو کوئی ایسا کرے اس پر خدا کی لعنت و غضب ہو اور لعنت کرنے والوں، ملائکہ مقربین، تمام پیغمبروں اور مومنین کی اس پر لعنت ہو صرف علیؑ اس وصیت نامے کو کھولنے کا استحقاق رکھتا ہے۔ اس کے بعد دستخط اور مہر کی جگہ لکھا، ابو ابراہیم موسیٰ بن جعفر اور گواہان، وصلی اللہ علی محمد وعلی آلہ (اصول کافی جلد ۱)

چنانچہ جیسا کہ آپ نے ملاحظہ کیا اس وصیت نامے میں ہر مقام پر اور تمام امور میں آپؑ نے علی بن موسیٰ الرضاؑ کا نام لیا۔ اس طرح آپ نے علی الاعلان امام علی بن موسیٰ الرضاؑ کے

وصایت وجانشینی کو برملا کردیا۔ آپ کے مذکورہ بالا نقطہ ہائے نظر کے پیش نظر یہ بات روز روشن کی طرح عیاں ہوگئی کہ اپنے والد بزرگوار کے بعد حضرت امام رضاؑ ہی اسلام و بشریت کا روشن چہرہ ، دنیا کی اعلم ترین ہستی ہیں جو اپنے والد کے بعد ان کی وصیت کے مطابق مقام امامت کے پرچمدار اور تشیع کو ہدایت دینے والے مشعل بردار ہیں۔

مدلل معجزات اور برہان امامت

ہر امام کی امامت کے دلائل و براہین میں سے ایک معجزہ ہے۔ اسی بنا پر آپؑ کی ولایت و امامت کی اہم نشانیوں میں سے ایک آپ کے متعدد معجزات بھی ہیں جو آپؑ کی امامت کے علائم میں سے ہے۔ یہاں مختصراً اہم امامؑ کے صرف چند معجزات کا ذکر کر رہے ہیں، اگرچہ آپؑ کے معجزات و کرامات کی فہرست بہت طویل ہے۔ یہی نہیں بلکہ آپؑ کی شہادت کے بعد سے لے کر اب تک آپؑ کے بے شمار معجزات آپؑ کے حرم شریف سے ظاہر ہو چکے ہیں۔ اور ہو رہے ہیں۔ جہاں چوبیس گھنٹے زائرین کا تانتا بندھا رہتا ہے۔ آپؑ کے حرم شریف سے ہر قسم کی بیماری میں مبتلا مریض شفا پا چکے ہیں۔ اور اب بھی پا رہے ہیں، غرضیکہ آپ اپنے زائرین کو نوازنے میں بے مثل و مثال ہیں۔ یہاں آپ کی زندگی کے دوران پیش آنے والے چند وقائع رقم کئے جاتے ہیں۔

موت کی خبر دینا

محمد بن سنان کہتا ہے: ہارون کی بادشاہت کے زمانے میں، میں نے امام علی بن موسیٰ الرضاؑ سے عرض کیا، ہارون کی بادشاہت میں آپؑ اپنی امامت کا کھلم کھلا اظہار کرتے ہیں اور آپؑ نے اپنے آپ کو اس قدر مشہور کر دیا ہے کہ ہارون آپ کے درپے ہو گیا ہے۔ فرمایا، وہ کیا کر سکتا ہے؟ رسولؐ خدا نے فرمایا! اگر ابو جہل میرا بال بھی بیکا (ٹیڑھا) کر سکے تو جان لو کہ میں پیغمبر نہیں ہوں اور اسی طرح میں بھی کہتا ہوں کہ اگر ہارون میرے سر کا ایک بال بھی بیکا کر سکے تو میں امام نہیں ہوں (بحار الانوار ج ۴۹، مناقب آل ابی طالبؑ)

مسافر کہتا ہے: میں منیٰ میں امام ہشتمؑ کے پاس تھا کہ یحییٰ بن خالد بڑے تکبر و غرور کے انداز سے گذرا، امامؑ نے فرمایا: ان بیچاروں کو علم ہی نہیں کہ اس سال ان پر کیا مصیبت نازل

ہونے والی ہے؟ پھر فرمایا: سب سے حیران کن بات یہ ہے کہ میں اور ہارون دونوں ان دو جڑی ہوئی انگلیوں کے مانند ہوں گے (آپ نے اپنی دونوں انگلیوں کو جوڑ کر اشارہ فرمایا) یعنی ہم دونوں کی قبریں ایک ساتھ ہوں گی۔

محمد بن داؤد کے بقول میں اور میرا بھائی دونوں حضرت امام رضاؑ کے پاس بیٹھے تھے کہ اتنے میں کسی نے آکر کہا کہ محمد بن جعفر کی آخری گھڑی ہے یہاں تک کہ اس کی ٹھوڑی کو باندھ دیا گیا ہے۔ امامؑ ہمارے ساتھ محمد بن جعفر کے گھر تک تشریف لے گئے۔ اسحاق بن جعفر، اس کی اولاد اور آل ابو طالب کے کچھ افراد وہاں بیٹھے رو رہے تھے۔ امامؑ محمد بن جعفر کے سرہانے کی طرف گئے اور اس کے چہرے کی طرف دیکھ کر ہنس پڑے۔ امامؑ کی اس حرکت پر اہل محفل سخت ناراض ہوئے۔ امامؑ نے اس لئے خندہ فرمایا کہ آپ وہ کچھ جانتے تھے جو حاضرین محفل کے علم میں نہ تھا۔ اتنے میں امامؑ نماز پڑھانے کے لئے مسجد کی طرف تشریف لے گئے۔ ہم نے کہا: آپ پر قربان جائیں، محفل میں بعض لوگوں نے کچھ باتیں کیں جو ہماری ناراضگی کا موجب بنیں اور یہ بتائیں کہ آپ کی ہنسی کی وجہ کیا تھی؟

امامؑ نے فرمایا! مجھے اسحاق کے رونے پر تعجب ہوا کیونکہ پہلے تو خود اسحاق کی موت واقع ہوگی اور اس پر محمد روئے گا۔ راوی کا بیان ہے خدا کی قسم ایسا ہی ہوا، بیمار تندرست ہوگیا اور جو اس پر رو رہا تھا وہ اس دنیائے فانی کو وداع کہہ گیا (بحارالانوار ج ۴۹، عیون اخبار الرضا ج ۲)

تین مسئلوں کا جواب:

بزنطی کہتا ہے: مجھے ابوالحسن الرضاؑ کی امامت میں شک تھا، میں نے ایک خط لکھا جس میں آپ سے ملاقات کا وقت مانگنا چاہا اور سوچا کہ آپ سے تین مسئلے پوچھوں گا، خط کا جواب آیا، خدا مجھے اور آپ کو سلامت رکھے۔ لیکن مجھ سے آپ کا ملنا مشکل امر ہے کیونکہ تمام اوقات میں لوگوں سے ملاقاتیں ہیں لہذا آپ ابھی مجھ سے ملاقات نہیں کر سکتے۔ انشاءاللہ آیندہ۔ اس کے بعد امامؑ نے ان مسائل کے جوابات لکھ کر بھیج دیئے تھے جو میں نے ملاقات کے وقت کے لئے

سوچ رکھے تھے۔ یہاں دلچسپ بات یہ ہے کہ میں ان سوالات کو بھول چکا تھا، جونہی جوابات پر نظر پڑی تو یاد آ گئے ۔(بحارالانوار ج ۴۹، عیون اخبار الرضا ج ۲)

پانی سے سیراب کرنا:

امام موسیٰ بن جعفرؑ کا آزاد کردہ ایک غلام کہتا ہے: میں ایک گروہ کے ہمراہ امام رضاؑ کے ساتھ کسی بیابان میں تھا کہ ہمیں اور ہمارے جانوروں کو سخت پیاس لگی ۔یہاں تک کہ قریب تھا۔ ہم جان سے ہاتھ دھو بیٹھیں، امامؑ نے ایک جگہ کی طرف اشارہ کیا کہ وہاں پانی ہے۔وہاں گئے تو دیکھا کہ پانی موجود تھا۔ہم سب نے اور ہمارے جانوروں نے پانی خوب سیر ہو کر پیا۔جب واپس آنے لگے تو دیکھا کہ وہاں چشمے نام کی کوئی چیز نہ تھی ۔ہم سمجھ گئے کہ وہاں پانی امامؑ کے معجزے سے ظاہر ہوا تھا۔

اولاد کا عطا فرمانا:

عمر بن بزیع کا کہنا ہے: میری دو کنیزیں مجھ سے حاملہ تھیں، میں نے امامؑ کو ایک خط لکھا اور خط کے مندرجات میں آپؑ سے درخواست کی کہ آپؑ دعا فرمائیں تا کہ میرے ہاں بیٹے پیدا ہوں ۔جواب میں فرمایا تمہاری درخواست کے مطابق عمل کروں گا۔اس کے بعد ایک دوسرا خط وصول ہوا جس میں بسم اللہ کے بعد لکھا تھا: خداوند تعالیٰ مجھے اور تمہیں اپنی رحمت سے دنیا و آخرت دونوں میں عافیت نصیب فرمائے تمہارے امور کی تقدیر اس نے اپنی پسند کے مطابق اس طرح کر دی ہے کہ تمہارے ہاں ایک بیٹے اور ایک بیٹی کی ولادت ہوگی ۔انشاءاللہ۔اور بیٹے کا نام محمد اور بیٹی کا نام فاطمہ رکھنا۔خداوند تعالیٰ کی برکات تمہارے شامل حال ہوں گی ۔

عمر بن بزیع کہتا ہے ۔جس طرح امامؑ نے فرمایا تھا اسی طرح میرے ہاں ایک بیٹی اور ایک بیٹا پیدا ہوا۔

ہندوستانی کو عربی زبان میں مہارت عطا کرنا:

اسماعیل سندھی کا بیان ہے کہ میں نے ہندوستان میں سن رکھا تھا کہ حجت خدا عرب

میں ہے۔وہاں سے چل پڑا اور مدینے امام علی رضاؑ کی خدمت میں حاضر ہوگیا۔ میں چونکہ عربی سے آشنا نہ تھا لہذا میں نے ہندی میں سلام کیا۔آپؑ نے ہندی میں جواب عنایت فرمایا۔میں نے ہندی میں آپؑ سے جو بھی سوال کیا آپؑ نے اس کا مکمل جواب ہندی میں مجھے عنایت فرمایا۔میں نے کہا، میں نے سنا ہے کہ زمین کی حجت خدا عرب میں ہے اور اسی کی تلاش میں گھر سے نکلا ہوں ۔فرمایا، میں حجت خدا ہوں جو پوچھنا چاہتے ہو، پوچھو۔ میں نے جو کچھ سوچ رکھا تھا آپؑ سے استفسار کیا۔آپؑ نے جواب عنایت فرمایا۔جس وقت نکل رہا تھا تو کہا مجھے عربی زبان نہیں آتی خداوندتعالٰی سے سوال کریں تا کہ میں عربی میں اس قدر مہارت حاصل کرلوں کہ میری ضروریات کے لئے کافی ہو۔امامؑ نے میرے ہونٹوں پر ہاتھ پھیرا۔میں ان بزرگوار کی برکت سے عربی بول بھی لیتا ہوں اور عربوں سے گفتگو بھی کرتا ہوں ۔(بحارالانوار ج۴۹،عیون اخبارالرضاج ۲)

والدین کو زندہ کرنا:

جنید شامی کہتا ہے:امام علی بن موسٰی الرضاؑ کی خدمت میں حاضر ہوا عرض کیا آپ کے بارے میں لوگوں سے عجیب وغریب باتیں سننے میں آتی ہیں ۔ اگر مصلحت ہو تو براہ کرم مجھے بھی اپنے کمالات میں سے کچھ دکھائیں تا کہ میں اسے دوسروں کو بتا سکوں۔

امامؑ نے فرمایا! کیا چاہتے ہو؟ عرض کیا میرے والدین کو زندہ کردیں ۔امامؑ نے بے دھڑک فرمایا، گھر واپس جاؤ۔انہیں میں نے زندہ کردیا ہے۔

جنید کہتا ہے جب گھر آیا تو دیکھا کہ والدین زندہ ہیں وہ دس دن تک میرے ہاں رہے اس کے بعد خداوندتعالٰی نے دوبارہ انہیں موت دی۔(بحارالانوار ج۴۹،عیون اخبارالرضاج ۲)

آباؤاجداد اور بچوں کے نام بتانا:

ابراہیم کہتا ہے میں مسجد نبویؐ میں بیٹھا تھا کہ میرے ساتھ مدینے کا ایک باسی بھی بیٹھا تھا ہم آپس میں گفتگو کررہے تھے۔اس نے مجھ سے سوال کیا، کہاں کے باسی ہو؟ میں نے جواباً کہا، عراقی ہوں۔ میں نے اس سے پوچھا تم کہاں کے رہنے والے ہو؟ کہا، میں علی بن موسٰی

الرضاؑ کا غلام ہوں۔ میں نے کہا، مجھے تم سے ایک کام ہے، کرو گے؟ کہنے لگا، بھئی کیا کام ہے؟ میرا خط امامؑ تک پہنچا دو، کہا ٹھیک ہے۔ میں نے خط کے مضمون میں بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کے بعد لکھا، آپؑ سے پہلے آئمہؑ اپنی امامت کی کوئی دلیل دیتے تھے۔ کیا دلیل کے طور پر مجھے میرا، میرے آباؤ اجداد اور میرے بچوں کے نام بتا سکتے ہیں؟ میں نے کاغذ پر مہر لگا کر اسے دیدیا۔

دوسرے دن جواب آیا خط کھولا تو دیکھا کہ میرے خط کے نیچے خوبصورت خط میں لکھا تھا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم، ابراہیم تمہارے آباؤ اجداد شعیب وصالح ہیں اور تمہارے بیٹوں کے نام محمد، علی اور بیٹیوں کے نام فلاں وفلاں ہیں۔ اس طرح اس خط میں مزید ناموں کا اضافہ بھی کیا ہوا تھا جنہیں میں نہیں جانتا تھا، بعض نے کہا، تمہیں ناموں کی سچائی کا علم ہو چکا ہے اب جن ناموں کا اضافہ فرمایا ہے وہ بھی صحیح ہیں لیکن تمہیں ان کی خبر نہیں۔

فرشتوں کا امامؑ کے احترام میں قیام:

امام جوادؑ نے فرمایا: میرے والد بزرگوار علی بن موسٰی الرضاؑ کے اصحاب میں سے ایک صحابی مریض تھا۔ والد محترم نے اس کی عیادت فرمائی۔ جب آپؑ اس کے سرہانے آئے تو اسے فرمایا، موت کیسی ہے؟ عرض کیا، دردناک اور دشوار۔ امامؑ نے فرمایا! جو کچھ تمہیں ابھی موت سے محسوس ہو رہا ہے وہ سختی کی ابتداء ہے اور تمہیں بعض علامتیں دکھائی جا رہی ہیں۔ لوگ دو قسم کے ہیں۔ ایک وہ ہیں جن کو موت سے آسودگی حاصل ہوتی ہے اور دوسرے وہ ہیں جن کی موت آسانی ہوتی ہے۔ خدا پر ایمان اور ولایت کا اعادہ کرو۔ پھر عرض کیا یابن رسول اللہ! خداوند تعالٰی کے فرشتے آپ پر درود وسلام بھیج رہے ہیں اور آپؑ کے سامنے کھڑے ہیں۔ انہیں اجازت دیں تا کہ وہ بیٹھیں۔ امام نے انہیں بیٹھنے کے لئے کہا۔ اس وقت امامؑ نے مریض کی طرف منہ کر کے فرمایا: ان سے پوچھو، کیا ہمارے حضور کھڑا رہنا ان کی ڈیوٹی میں نہیں، بیمار نے عرض کیا، میں نے سوال کیا تو انہوں نے جواب دیا کہ اگر خداوند تعالٰی کے تمام فرشتے آپؑ کی خدمت میں شرفیاب ہوں تو جب تک آپ انہیں بیٹھنے کا حکم نہ دیں وہ کھڑے رہیں گے۔ بیمار نے آنکھیں بند

کرتے ہوئے کہا،"**السلام علیک یابن رسول اللہ ھذا شخصک ماثل لی مع اشخاص محمد صلی اللہ علیہ و آلہ و من بعدہ من الائمۃ و قضی الرجل** اے رسولخداؐ کے بیٹے آپؑ پر میرا اسلام ہو، آپؑ اور آپؑ کے جد بزرگوار محمدؐ اوران کی نسل سے اماموں کا مقدس وجود مجھ پر ثابت ہو گیا ہے۔ اور وہ اس حالت میں اس جہان فانی کو وداع کہہ گیا (بحارالانوارج۴۹)

مورخین نے امام رضاؑ کی زندگی کو دو ادوار میں تقسیم کیا ہے۔ ایک دور وہ ہے جو آپؑ نے مدینے میں گذارا۔ اس دور کو غیر سیاسی زمانہ کہا جاتا ہے اور دوسرا دور وہ تھا جو آپؑ نے مرو میں گذارا اگرچہ اس دور میں آپؑ نے کوئی سیاسی فعالیت انجام نہیں دی لیکن آپؑ کے اس دور میں عظیم اجتماعی انقلابات نے جنم لیا اور سیاسی حوادث وقوع پذیر ہوئے۔

آنحضرتؑ نے اپنی عمر مبارک کے ۲۹ سال کے لگ بھگ کا عرصہ مدینہ میں اپنے والد ماجد یعنی ساتویں امامؑ کی سرپرستی میں گذارا۔ آپؑ کا یہ دور ہمارے لئے مکمل طور پر مجہول ہے اور اس زمانے کی خصوصیات کے بارے میں ہمیں کچھ علم نہیں۔ البتہ اجمالی طور پر یہ کہا جا سکتا ہے کہ یہ عرصہ آپؑ نے عبادت اور انفرادی کاموں میں گذارا۔ اسی دوران آپؑ چند دفعہ حج کرنے کے لئے مدینہ سے مکہ معظمہ تشریف لے گئے۔

اباصلت ہروی کا قول ہے امامؑ نے فرمایا: مدینہ میں جب میں اپنے جد رسولخداؐ کے روضہ مبارک میں بیٹھا تھا تو اس زمانے میں دانشوروں کی ایک خاصی تعداد مدینہ میں موجود تھی۔ وہ وہاں ایک مجلس کی صورت میں اکٹھے ہوتے اور اگر انہیں کوئی مسئلہ پیش آتا تو سب میری جانب اشارہ کرتے اور پھر میں انہیں جواب دیتا۔

آپؑ کی مدینہ میں غیر سیاسی، انفرادی یا اجتماعی زندگی کا سراغ صرف ان روایات سے ملتا ہے جو عیون اخبار الرضاؑ، بحارالانوار و مناقب ابن شہر آشوب میں پائی جاتی ہیں، جن کے اقتباسات اس کتاب کی زینت قرار پائیں گے۔

عام مورخین نے لکھا ہے کہ حضرت رضاؑ اپنے زمانے کے افضل و افصح، بے حد سخی و کریم، متواضع و مہربان، باصلابت و باوقار، انتہائی متقی و انسان دوست، یتیم نواز و بخشندہ، بارعب و محترم، کبھی کسی کے کلام کو قطع نہ کرتے، کبھی کسی کو اپنی گفتگو سے رنجیدہ نہیں کرتے تھے۔ کبھی کسی کو بری بات نہ کہتے اور نہ ہی ناروا گفتگو کرتے، ہمیشہ مسکراتے اور خندہ پیشانی سے پیش آتے۔ عہد و وفا کرتے، ضرورتمندوں کی حاجات پوری کرتے، تمام لوگ آپؑ سے راضی و خوشنود تھے، اپنے ماتحتوں اور ملازموں کے ساتھ مہربانی سے پیش آتے۔ اور کھانا کھاتے وقت انہیں ساتھ بٹھاتے۔ راتوں کو ضرورت مندوں کے گھروں میں جاتے اور ان کے لئے غذا لے جاتے۔ زیادہ تر راتوں کو عبادت میں بسر کرتے اور کم سوتے۔ اکثر دنوں کو روزے سے رہتے۔ ہمیشہ موٹے اور کھردرے کپڑے کا لباس زیب تن فرماتے۔ گرمیوں میں چٹائی اور سردیوں میں اُونی قالین پر تشریف فرما ہوتے۔ آپؑ کی یہی نہیں بلکہ کئی دوسری پسندیدہ خوبیوں کو مورخین نے ذکر کیا اور ان کا اعتراف کیا ہے۔ دوست و دشمن نے آپؑ کی عظمت و فضیلت کی گواہی دی اور آپؑ کے والد ماجد کے بعد آپؑ کو ان کا حقیقی جانشین قرار دیا ہے۔ کسی نے آپؑ کی امامت کی مخالفت نہیں کی البتہ واقفیہ فرقہ والوں نے، جن کا تاریخ میں کہیں نہ کہیں ذکر ملتا ہے۔ یہ فرق کیا ہے اس بارے میں مندرجہ ذیل وضاحت پیش کی جاتی ہے۔

واقفیہ فرقہ

امام موسیٰ کاظمؑ کی شہادت کے بعد واقفیہ نامی گروہ منظر عام پر آیا جن کا عقیدہ تھا، چونکہ امامؑ زندہ ہوتا ہے لہذا امام موسیٰ کاظمؑ نے شہادت نہیں پائی بلکہ وہ مہدی منتظر بن کر غائب ہو گئے ہیں۔ دراصل امام موسیٰ کاظمؑ کے کچھ وکلاء کے پاس سہم امام جمع تھا اور وہ اسے ہڑپ کرنا چاہتے تھے۔ اب اگر وہ آٹھویں امام کی امامت کو تسلیم کرتے تو انہیں یہ مال امام کے سپرد کرنا پڑتا۔ اس فرقے کے سربراہ علی بن ابی حمزہ بطائنی، زیاد بن مروان قندی و عثمان بن عیسٰی تھے۔ انہوں نے سہم امام کو اپنے جھوٹے عقیدے کی اشاعت کے لئے استعمال کیا۔ اور اس طرح ان کے گمراہ کن پروپیگنڈے سے کچھ لوگ راہ حق کو چھوڑ گئے جن میں حمزہ بن بزیع، ابن المکاری، کرام خثعمی وغیرہ کے نام لئے جاتے ہیں۔

یونس بن عبدالرحمٰن کے بقول جب ابوابراہیم موسیٰ بن جعفرؑ نے اس دنیائے فانی کو وداع کہا تو آپؑ کا کثیر مال آپ کے وکلاء کے پاس تھا اور یہی مال امامؑ کی شہادت کے انکار کا سبب بنا۔ آپؑ کے وکلاء زیاد بن مروان قندی کے پاس آپ کے ستر ہزار دینار اور علی بن ابی حمزہ کے پاس تیس ہزار دینار تھے۔

یونس بن عبدالرحمٰن سے روایت ہے کہ چونکہ میں اصل داستان سے آگاہ تھا اور حق میرے لئے آشکار تھا لہذا میں امام علی بن موسیٰ الرضاؑ کی امامت کا قائل تھا۔ میں لوگوں کو آپؑ کی طرف دعوت دیتا اور تبلیغ کرتا تھا۔ زیاد بن مروان اور علی بن ابی حمزہ نے مجھے بلا کر کہا، تم یہ جو رضاؑ کی امامت کی تبلیغ کر رہے ہو اور ان کی طرف دعوت دے رہے ہو اس سے تمہارا کیا مقصد ہے؟ اگر تمہیں مال و دولت کی ضرورت ہے تو ہم تمہیں مالا مال کر دیں گے۔ اور ابھی دس ہزار دینار

تمہارے حوالے کرتے ہیں۔اس تبلیغ کو ترک کرو۔ میں نے ان کے جواب میں کہا، حضرات امام باقرؑ وامام جعفر صادق علیہم السلام سے روایت ہے کہ جب بدعتیں ظاہر ہوں تو دانشوروں پر لازم ہے کہ اپنی دانش کو ظاہر کریں اور اگر ایسا نہ کریں تو ان سے نور ایمان لے لیا جاتا ہے۔ میں خداوند تعالٰی کی راہ میں جہاد ترک نہیں کرسکتا۔ ان دونوں نے مجھے برا بھلا کہا اور در پردہ میرے در پے ہو گئے۔(بحارالانوار ج۴۹، عیون اخبارالرضا)

احمد بن حماد کا کہنا ہے کہ امام علیہ السلام کے وکلاء میں سے ایک کا نام عثمان بن عیسٰی تھا۔ اس کے پاس مصر میں بے تحاشا مال اور چھ کنیزیں تھیں۔ امام رضاؑ نے اس سے کنیزوں اور مال کا مطالبہ کیا اس نے جواب میں لکھا۔ آپ کے والد محترمؑ نے غیبت فرمائی ہے۔ امامؑ نے اسے لکھا، میرے والد محترمؑ اس دنیائے فانی سے کوچ کر گئے ہیں اور ان کا مال تقسیم ہو گیا ہے۔ ان کی شہادت کی خبر کی تصدیق ہو گئی ہے۔ اس طرح امامؑ نے اس پر اتمام حجت کیا۔ اس نے امامؑ کے جواب میں لکھا: اگر آپ کے والد ماجدؑ اس دنیا سے کوچ نہیں کر گئے تو اس مال پر آپ کا حق ثابت نہیں اور اگر جیسا کہ آپ دعوٰی کر رہے ہیں وہ اس جہان فانی سے کوچ کر گئے ہیں تو انہوں نے مجھے حکم نہیں دیا کہ یہ مال میں آپ کے حوالے کر دوں۔ البتہ میں نے کنیزوں کو آزاد کر کے انہیں اپنی بیویاں بنالیا ہے(بحارالانوار ج۴۹، عیون اخبارالرضا)

شیخ صدوق رضوان اللہ علیہ نے ان روایات کے ذیل میں اس نکتے کی طرف اشارہ فرمایا ہے، چونکہ امام موسٰی کاظمؑ جیل میں قید تھے اور آپ کے دشمن کثیر تعداد میں تھے۔ کوئی ایسا ذریعہ نہ تھا جس سے مال امامؑ مستحقین کے درمیان تقسیم کیا جاتا۔ لوگ مال خمس آپ کے وکلاء کے حوالے کر دیتے تا کہ وہ بعد میں آپ تک پہنچے۔ اس سلسلے میں بہت سی روایات و واقعات ملتے ہیں جن سب کو یہاں رقم کرنا مقصود نہیں۔ لیکن جب امامؑ نے انہیں اپنی امامت کے واضح دلائل پیش کئے تو ان میں سے کچھ لوگ دوبارہ پلٹ آئے اور آپ کی امامت کو تسلیم کر لیا۔ ان افراد میں عبدالرحمٰن بن الحجاج، رفاعۃ بن موسٰی، یونس بن یعقوب، جمیل بن دراج اور حماد بن عیسٰی کے نام

خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ جن میں سے بعض کے حالات ہم امامؑ کے اصحاب کے ضمن میں رقم کریں گے۔

جیسا کہ اس سے قبل ذکر کیا گیا ہے کہ آٹھویں امامؑ کی امامت میں کسی کو شک وشبہ نہ تھا لیکن معتبر شواہد کے مطابق آپؑ کے والد گرامی کے بعض وکلاء نے دنیوی لالچ میں آ کر اپنے پاس جمع شدہ بے تحاشا مال کو ہڑپ کرنے کی غرض سے امام موسیٰ کاظمؑ کی غیبت کا ڈھونگ رچایا اور چونکہ وہ امامؑ کی اس معرفت تک ٹھہر گئے تھے لہذا انہیں واقفیہ کہا گیا، کچھ لوگ ان کے گرویدہ ہو گئے جن میں سے بعض نیک فضلا جیسے محدثین اور اہل فضل ہو گذرے ہیں۔ جن سے کافی تعداد میں احادیث نقل ہوئی ہیں۔ ساتویں امامؑ کے بعد آپ کی جمع کردہ احادیث بہت مشہور ومعروف ہوئیں۔ امامؑ سے ان احادیث کی بابت سوال کیا گیا تو امامؑ نے فرمایا، جہاں انہوں نے کوئی حدیث روایت کی ہے اسے قبول کرلو اور جہاں کہیں انہوں نے اپنے عقیدے کا اظہار کیا ہے۔ اسے قبول کرنے سے انکار کردو۔ چونکہ یہ مسلک بے اساس تھا لہذا جلد ہی نابود ہو گیا۔ اس طرح بعض افراد حقیقت تک پہنچ گئے اور انہوں نے توبہ کرلی لیکن چند افراد یا تو اپنی جہالت ونادانی کی بنا پر انکار پر اڑے رہے یا پھر دنیوی لالچ میں آ کر اپنے امام زمانہ کے منکر ہو گئے اور اسی حالت میں اس دنیا سے کوچ کر گئے، حالانکہ امام موسیٰ کاظمؑ کی وصیت میں امام علی بن موسیٰ الرضاؑ کی امامت و اطاعت کی واضح الفاظ میں تاکید موجود تھی۔ امام علی بن موسیٰ الرضاؑ کے بعض بھائی آپؑ کی مخالفت پر کمر بستہ ہو گئے لیکن آپؑ نے انہیں درخور اعتنا نہیں جانا اور احکام دینی کی نشر واشاعت میں مصروف رہے اور اپنے آپ کا واجب الاطاعت امام کے طور پر تعارف کرواتے رہے۔ بعض نے امامؑ کو مشورہ دیا کہ تقیہ اختیار کریں اس کے جواب میں امامؑ نے فرمایا "اگر ہارون میرے سر کا ایک بال بھی بیکا کر سکے تو گواہی دینا کہ میں امام نہیں ہوں۔ لہذا آپؑ نے اپنے والد محترمؑ کے بعد چار سال ہارون کی حکومت و بادشاہت میں مدینے میں گزارے، اس دوران آپؑ کو معارف اسلامی کی تبلیغ واشاعت کا بھرپور موقع میسر آیا۔ اسی دوران آپؑ کا وہ علمی بحث مباحثہ بھی تاریخ

میں ریکارڈ پر ہے۔جس میں آپؑ نے ان لوگوں کی مخالفت فرمائی جن کا عقیدہ تھا کہ قرآن کریم قدیم ہے یہاں تک کہ اس کی جلد اور غلاف بھی، آپؑ نے اس عقیدے کی شدید مخالفت کی اور فرمایا کہ قرآن حادث ہے اور قدیم نہیں۔

یہاں ہم امامؑ کی زندگی کے دوسرے حصے یعنی آپؑ کی سیاسی زندگی پر روشنی ڈالتے ہیں کیونکہ آپؑ کی زندگی کا یہ حصہ بھی نہایت اہم ہے۔اس طرح کہ آپؑ کے پیروکار حضرت کی سیاسی بصیرت سے استفادہ کر کے آپؑ کے لائحہ عمل کو مشعل راہ بنا سکتے ہیں۔لیکن اس سے قبل خراسان کے مخصوص حالات کا ذکر ضروری ہے۔

خراسان کے مخصوص حالات

آنحضرتؑ کی سیاسی زندگی کے بارے لکھنے سے قبل اس زمانے کے خراسان کے خاص حالات اوران کے انتخاب کے اسباب کے بارے میں مختصر روداد عرض خدمت ہے۔

اس زمانے میں اکیلی اسلامی مملکت اس قدر پھیلی ہوئی تھی کہ کہا جاتا ہے جب بارش نہیں ہوتی تھی اور بادل، شہروں کے اوپر سے گذر جاتے تھے تو ہارون کہتا تھا: اے بادلو! کہاں کا ارادہ ہے؟ برسو، جہاں چاہو برسو، آخر ہارون کی حکومت میں برسو گے۔ اس زمانے میں خراسان کی حدود میں ماوراءالنہر کے علاقے شامل تھے۔ خراسان کی حدود شمال مشرق کی طرف سے چین و پامیر تک اور ہند کی طرف سے جبل ہندوکش تک پھیلی ہوئی تھیں۔

بلاذری رقم طراز ہے۔ اس زمانے میں خراسان چار حصوں میں تقسیم تھا،

۱۔ ایران شہر اور وہ نیشاپور قہستان، طبستان، ہرات، شیخ بادغیس اور طوس جس کا نام طاہران تھا۔

۲۔ مرو شاہ جہان، سرخس، نساوابیورد، مروالرود، طالقان، خوارزم اور آمل اور آخری دو شہر نہر پر واقع تھے۔ ۳۔ نہر کے مغرب میں جیحون، فاریاب، جوزجان، طخارستان علیا، حست، اندراب، بامیان، بغلان، ارج، بیل و بدخشان۔ ۴۔ ماوراءالنہر بخارا، شاس، یا چاچ، طرازبند، صغد، حوکش، نسف، دوبستان، اشروسنہ، سیام قلعہ فرغانہ اور سمرقند۔

اس علاقے کی چند ہزار سالہ تاریخ بتاتی ہے کہ یہ وسیع علاقہ ایران، ہندوستان اور اسلامی تہذیبوں کا تعین کرتا تھا۔ خراسان، ہندوستان، ایران اور بہادر پارتی قبائلی علاقوں میں داخل ہونے والے ابتدائی آریا کی گذرگاہ، عظیم تحریکوں کی آماجگاہ، ایرانیوں کا افسانوی علاقہ اور ایرانی و اسلامی ثقافت، ادب اور تہذیب کی پرورش کرنے والے ہنرمندوں کا مسکن تھا۔ اکثر تحریکوں کو عروج یہاں ہی سے حاصل ہوا اور اس کے بعد انشاءاللہ سید حسنی کی تحریک بھی یہیں سے اُبھرے گی۔

حضرت امام رضاؑ کی سیاسی زندگی

جب مقتدر عباسی خلیفہ ہارون الرشید فوت ہوا تو اس کی مملکت اس کے دو بیٹوں عبداللہ مامون اور محمد امین کے ہاتھوں میں چلی گئی، آخر کار مامون اپنے بھائی امین کو قتل کر کے خود تخت پر براجمان ہوا اور اس نے مروشاہجہان کو اپنا دارالخلافہ قرار دیا۔ مرو نام کے دو شہر تھے ایک 'مروالروذ' اور دوسرا 'مروشاہجہان'

مروشاہجہان، نیشاپور سے ستر فرسخ اور ہرات، طوس و بخارا سے ساٹھ فرسخ کے فاصلے پر واقع تھا۔ مروشاہجہان خراسان کا دارالحکومت، مامون الرشید کے زمانے میں اسلامی خلافت کا مرکز اور بادشاہت کا بھی مرکز بن گیا تھا۔ اب یہی شہر روسیوں کی یلغار کے نتیجے میں ۱۲۸۰ شمسی میں ان کے علاقوں میں شامل ہو گیا۔

بہر حال محمد امین کے قتل کے بعد مامون نے حسن بن سہل کو بغداد کا گورنر بنایا اور طاہر کو جو خلیفہ کے لشکر کا سب سے بڑا سردار اور نامور جرنیل تھا، وزارت پر فائز کیا۔ طاہر کو ذوالیمینین یعنی دو دائیں ہاتھوں والا کہتے تھے، جس کی دو وجوہات بیان کی جاتی ہیں۔ ایک یہ کہ وہ جنگ کے دوران دونوں ہاتھوں سے لڑتا تھا، اس کے بارے میں یہ کہا گیا ہے کہ "کلتا یدیک یمین حین تضربہ" یعنی لڑائی لڑنے کے دوران تیرے دونوں ہاتھ دائیں ہاتھ ہیں اور مامون نے اسے "ذوالیمینین" کا خطاب دیا۔ دوسری یہ کہ جب طاہر نے حضرت امام علی بن موسیٰ الرضاؑ کی بیعت کرنا چاہی تو اپنا بایاں ہاتھ امامؑ کے دائیں ہاتھ میں دیا اور کہا کہ میں اپنا دایاں ہاتھ پہلے ہی مامون کے ہاتھ میں دے چکا ہوں۔ اور چونکہ بایاں ہاتھ باقی رہتا تھا لہذا میں بائیں ہاتھ سے آپؑ کی بیعت کروں گا۔ اس پر مامون نے اس کے دونوں ہاتھ دائیں قرار دیئے۔ اور فضل بن سہل کو ذوالریاستین بھی کہا جاتا تھا۔ کیونکہ وہ دو وزارتوں کا سربراہ تھا۔ وزارت دفاع اور وزارت

داخلہ۔ اسی طرح علی سعید، صاحب دیوان ہونیکے علاوہ، خلیفہ کا سیکرٹری بھی تھا اس کا لقب ذوالقلمین تھا۔ قاری کو زحمت سے بچانے کے لئے ہم نے ان ناموں کی مختصر اً وجہ تسمیہ بھی لکھ دی ہے۔ (تجارب السلف)

جب مامون عباسی اپنی کابینہ تشکیل دے چکا تو اس کا خیال تھا کہ وہ اب آرام سے زندگی بسر کرے گا۔ لیکن اس کے برعکس مملکت کے گوشہ و کنار سے شورشوں نے سر اُٹھالیا۔ ایک طرف سے طاہر ذوالیمینین، حسن بن فضل کے ساتھ آمادہ پیکار ہوا تو دوسری طرف لشکر کے سرداروں میں سے ایک جس کا نام ہزیمہ تھا، کوفہ کی طرف کوچ کر گیا اور وہاں جا کر محمد بن ابراہیم حسنی جو ابن طباطبا کے نام سے مشہور تھے، کی بیعت کی اور لشکر محمد کے ساتھ مل کر حسن بن سہل کو شکست دی، دوسری طرف سے مکہ میں محمد بن جعفر صادقؑ جو دیباج کے نام سے مشہور تھا خروج کیا اور کچھ لوگوں کو مامون کے خلاف بغاوت پر اکسایا مدینہ میں محمد بن سلیمان، یمن میں ابراہیم بن موسٰی اور بصرہ میں زید بن موسٰی اور محمد امین کی بادشاہت کے کچھ حامی مامون کی بادشاہت کے خلاف آمادہ بغاوت ہو گئے۔ اسی طرح خارجی محاذوں پر بھی جنگوں نے مامون کی ناک میں دم کر رکھا تھا، غرضیکہ ہر طرف گویا بغاوت اور انقلاب کا ہنگامہ بپا تھا۔

انہی داخلی و خارجی بغاوتوں کی بنا پر مامون مجبور ہوا تا کہ وہ کسی طرح امام موسٰی کاظم کے بڑے بیٹے علی بن موسٰی الرضاؑ کو قابو کرے کیونکہ یہ بغاوتیں اور انقلابات زیادہ تر اولادِ علیؑ و فاطمہؑ کی طرف سے تھے۔

مامون ایک زیرک اور عالی فکر سیاستدان تھا، اگر چہ اس کے بیٹے عباس میں ولیعہد بننے کی صلاحیت موجود تھی اور عباسیوں کا بھی یہی خیال تھا کہ مامون کے بعد اس بادشاہت کی باگ ڈور وہی سنبھالے گا۔ لیکن اس کے برعکس مامون نے اپنی حکومت کے استحکام اور خاندان علیؑ سے ظاہری عقیدت کی بنا پر بہتر یہ سمجھا کہ علی الرضاؑ کو اپنا ولی عہد و جانشین مقرر کرے۔ اس نے رات کو منصوبہ بنایا اور صبح بھرے دربار میں آ کر اس کا اعلان کر دیا، کہا میں نے بنیادی طور پر یہ نذر مانی

تھی کہ اگر میں نے محمد امین کو جنگ میں شکست دے دی تو خلافت کو بنی عباس سے اولاد علیؑ میں منتقل کر دوں گا۔ اور علی بن موسٰی الرضاؑ، اولاد علیؑ میں اہل ترین فرد ہیں۔ میرا خیال ہے آپ لوگوں میں سب سے زیادہ عالم و فاضل ہونے کے علاوہ تمام مشکلات کو حل کرنے اور ان پر قابو پانے کی صلاحیت سے مالا مال ہیں۔ اسی لئے میں انہیں اس اسلامی ملک کے دارالحکومت میں بلانا چاہتا ہوں۔

اس نے اس مقصد کے لئے اپنے ماموں رجاء بن ابی ضحاک اور فرناس کو جو خلیفہ کا رازدان تھا، معین کیا تا کہ وہ مدینہ منورہ جا کر امامؑ سے درخواست کریں کہ خراسان تشریف لائیں۔ اس نے فضل بن سہل کی مدد سے اس متن کا مضمون بھیجا:

مامون کا خط امامؑ کے نام:

اکثر یہاں کے مسلمان ہم سے علمی سوالات پوچھتے ہیں، لیکن یہاں ایسا کوئی عالم نہیں جو ان کی علمی مشکلات حل کرے اور دینی و فقہی حقائق بیان کرے۔ ہماری اسلامی مملکت میں میرے چچا زاد کے سوا ایسا کوئی دوسرا آدمی نظر نہیں آتا جو یہ کام کر سکے۔ اسی لئے آپ سے درخواست و استدعا ہے کہ ہمارے ہاں تشریف لائیں اور اسی دینی و خدائی فریضے کو جو ہمیشہ سے آپ کے آباؤ اجداد کا وتیرہ چلا آ رہا ہے، قبول فرمائیں اور گمراہوں کو راہ راست و ہدایت کی طرف راہنمائی کریں۔

منجانب خلیفہ دوران، مامون عباسی

حضرت امام رضاؑ کی ولی عہدی کی داستان اہم تاریخی واقعات و حقائق میں سے ہے جس کے تجزیہ و تحلیل کی ضرورت ہے۔ بعض مورخین نے مامون کے فریب میں آ کر لکھا ہے کہ مامون عباسی امامؑ کا عقیدت مند تھا لہذا یہ کبھی نہیں ہو سکتا کہ اس نے امامؑ کو زہر دے کر شہید کیا ہو۔ یہ امامؑ کی شہادت کو چھپانے کی ایک قبیح سازش ہے۔ جس سے امامؑ کے ہر عقیدتمند کو باخبر رہنا چاہئے۔ آپؑ کی شہادت کی تصدیق نہ صرف آپؑ کے اصحاب بلکہ آپؑ کے فرزند ارجمند حضرت امام محمد تقیؑ نے بھی فرمائی۔

کشف الغمہ میں لکھا ہے: سید رضی الدین علی بن طاؤس، حضرت رضاؑ کو زہر دیئے جانے پر یقین نہیں رکھتا۔ اسی طرح سید نعمت اللہ الجزائری نے سید واربلی سے انوار میں نقل کیا ہے۔

مامون عباسی نہایت ہی زیرک، معاملہ فہم اور بلند پایہ سیاست دان تھا۔ اس کا بچپن بڑے بڑے دانشوروں کی صحبت میں گذرا۔ اس نے نہ صرف نوجوانی بلکہ بچپن بھی نہایت ذہین و فطین اور ماہر اساتذہ کے ہمراہ گذارا۔ وہ خود بھی نہایت ہی بلند پایہ سکالر تھا۔ لہذا یہ ہرگز خیال نہیں کرنا چاہیئے کہ وہ امامؑ کو راستے سے ہٹانے کے لئے وہ راستہ اختیار کرتا جو دوسرے ظالم عباسی اور اموی حکمرانوں نے اختیار کیا۔ ظاہر ہے اس کی تکنیک اور طریقہ کار ایسا ہی ہونا چاہیئے تھا کہ ظواہر بین لوگوں کو اس کے ظاہری ڈھونگ اور باطنی ارادوں کا پتہ نہ چل سکے۔ اس طرح اس نے امامؑ کو زبردستی مدینے سے مرو آنے تک بلاوا بھیجا، تاکہ اس طرح وہ شیعوں کے انقلاب کو روک سکے۔ اور پھر دیکھا کہ امامؑ کا وجود خود اس کے لئے روز بروز خطرے کا باعث بن رہا ہے۔ ان کی موجودگی سے اس کے ایوانوں کے ستونوں کی چولیں ہل رہی ہیں اور اُسے ڈر تھا کہ امامؑ کی محبوبیت کہیں اس کے لئے عذاب الٰہی کا پیش خیمہ نہ ثابت ہو لہذا اس نے اپنی عافیت اس میں جانی کہ امامؑ کو زہر دلوا کر شہید کر دے۔ اس نے شہید کر کے اپنے درباری امراء کو گواہ بنایا کہ امامؑ طبیعی موت سے اس دار فانی سے کوچ کر گئے ہیں۔ لیکن جس طرح دوسرے عباسیوں اور امویوں کی دشمنیاں طشت ازبام ہوئیں اس کی مخاصمت بھی چھپ نہ سکی اور اپنے پیشروؤں کی طرح اس نے بھی اپنے اس ظالمانہ اقدام سے تاریخ کے صفحات کو شرما دیا۔ کون نہیں جانتا کہ عباسیوں نے امویوں کی طرح آلِ رسولؐ پر وہ ستم ڈھائے جن کی تاریخ میں مثال نہیں ملتی خصوصاً ہارون الرشید اور منصور دوانقی جیسے شقی القلب حکمرانوں نے سادات کا قتل عام کیا، انہیں آگ میں جلایا حتی کہ انہیں دیواروں میں چنوایا گیا۔ ایسے ایک موقع پر حضرت امام جعفر صادقؑ نے فرمایا! "ان بن اعراق الثری انا بن ابراھیم خلیل اللہ" جس قدر ان کی دشمنی بڑھتی گئی عوام میں خاندان رسالت سے محبت بھی بڑھتی گئی۔ مظلومیت، مقبولیت کی ماں ہے۔ ان مظالم کے نتیجے میں سادات نے نہ صرف

عوامی مقبولیت حاصل کی بلکہ وہ خدا کے بھی قریب ہو گئے۔ اور یہی مظلومیت عوامی بیداری کا باعث بنی۔ مامون کی چالاکی میں یہ راز بھی پوشیدہ تھا کہ جب امامؑ کو وہ اپنا ولیعہد ظاہر کرے گا تو اس طرح دوسرے علویوں کو بھی دنیاوی امور کی طرف رغبت ہوگی اور اس طرح وہ مذہبی مقام و عوامی مقبولیت کھو بیٹھیں گے، جو انہیں حاصل ہے۔

کہا جاتا ہے کہ مامون نے امامؑ کو مدینہ سے مرو طلب کرنے سے پہلے اپنے مشیر خاص فضل بن سہل سے مشورہ کیا اور اسے کہا کہ میرا ارادہ ہے کہ خلافت کو علوی خاندان میں منتقل کروں۔ تم ذرا اپنے بھائی حسن بن سہل سے مشورہ کر کے مجھے جواب دو۔ چونکہ وہ ایک ماہر سیاستدان ہے۔ لہذا مجھے اس بارے میں اس کی رائے لینا ضروری ہے۔

مامون نے اس مہارت سے اپنی سازش کے تانے بانے بُنے کہ اس کا مشیر خاص اور ذوالریاستین بھی اس کی مکارانہ چال کو سمجھنے سے قاصر رہا۔ حسن بن سہل جب پہلی فرصت میں اس کے حضور آیا تو خلافت کھو دینے کے عیوب و مضمرات پر روشنی ڈالتا رہا۔ اس نے کہا، عالی جاہ کو معلوم ہے کہ یہ خلافت کتنے پاپڑ بیلنے کے بعد ہاتھ آئی ہے۔ لہذا آپ اتنی آسانی سے اسے کیوں ہاتھوں ہاتھ حوالے کر دینا چاہتے ہیں؟

مامون نے نہایت ہی اطمینان سے ایک مکار سیاستدان کی مانند جواب دیا: سچی بات یہ ہے کہ میں جس زمانے میں اپنے بھائی امین کے ساتھ جنگ و جدل میں مصروف تھا میں نے اپنے خدا سے وعدہ کیا تھا کہ اگر میں امین سے یہ جنگ جیت گیا تو آلِ امیر المومنینؑ میں سے کسی افضل و اعلم شخص کے سپرد کروں گا۔ میرا تم سے مشورہ کرنے کا مقصد یہ تھا کہ کہیں میں اس فرد کی تشخیص میں غلطی نہ کر بیٹھوں جسے خلافت سپرد کرنا چاہتا ہوں۔ ورنہ اصل موضوع میں مجھے تمہاری رائے کی قطعاً ضرورت نہیں یعنی خلافت تو میں نے اولادِ علیؑ کے حوالے کرنا ہی ہے۔ میرا خیال ہے کہ اولاد امیر المومنین علی ابن ابی طالبؑ میں علی ابن موسیٰ الرضاؑ سے افضل، اعلم اور پرہیزگار کوئی نہیں۔ تمہارا انکے بارے میں کیا خیال ہے؟ کیا تم میرے اس خیال سے متفق ہو؟ یا تم کسی اور کے حق میں ہو؟

دونوں بھائیوں نے اس بارے میں ایک ہی نظریہ دیا اور کہا کہ اس بارے میں شک و شبہے کی گنجائش نہیں، جو کچھ آپ کہہ رہے ہیں ہم اس سے متفق ہیں۔ پھر اس نے فضل کو حکم دیا کہ اس کا پیغام امامؑ تک پہنچا دیا جائے وہ تشریف لائیں۔ گتو سب سے پہلے میں بیعت کروں گا تا کہ اس طرح اپنے ہاتھوں خلافت کی باگ ڈوران کے سپرد کرتا جاؤں۔ جب فضل نے یہ پیغام امامؑ تک پہنچایا تو امامؑ نے فضل سے فرمایا: خلیفہ سے کہو کہ یہ خیال چھوڑ دے۔ اس طرح کی خیال پردازیوں اور منصوبوں سے بہتر ہے، اپنی سوچ کو لوگوں کی فلاح و بہبود کے کاموں کی طرف مرکوز کرے، سماجی اصلاحات کی طرف توجہ دے۔ اس واقعہ کو اگلے صفحات میں رقم کریں گے کہ کس طرح مامون اپنے پیغام میں اصرار و تکرار کر رہا تھا اور حضرتؑ انکار کر رہے تھے۔ البتہ امامؑ کی نصیحت کا اتنا اثر ضرور ہوا کہ مامون نے سماجی ملاقاتوں کا سلسلہ بڑھا دیا۔ شاید اس طرح وہ یہ ثابت کرنا چاہتا تھا کہ وہ امامؑ کا حقیقی عقیدت مند ہے۔ "ومکروا ومکراللہ واللہ خیر الماکرین"

آٹھویں امام نے قبول نہ کیا اور مامون کو منطقی جواب دیا۔ جس سے مامون سخت ناراض ہوا۔ اس نے بگڑ کر سنجیدگی سے کہا، اگر خلافت قبول نہیں کرتے تو نہ کرو لیکن ولی عہد بننے میں کوئی رکاوٹ نہیں۔ اور اب کوئی بہانہ نہ چلے گا۔ میرے بعد آپ مسلمانوں کے خلیفہ ہیں۔ مامون نے فضل بن سہل کے ذریعے اپنے پیغام کی تکرار کی۔ اس نے ولی عہدی کے موضوع کو شوریٰ کے حوالے کر دیا۔ اس نے چھ آدمیوں کی کمیٹی بنائی اور کہا اس کمیٹی کو تین دن کی مہلت ہے اور حکم دیا کہ اگر اس کمیٹی نے تین دن کے اندر اپنے میں سے کسی کو ولی عہدی کے لئے چن لیا تو ٹھیک ورنہ ان چھ افراد کو قتل کر دیا جائے گا۔ اس سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ اس کا ناپاک ارادہ کیا تھا۔ اس کے ساتھ اس نے فضل کی یہ ڈیوٹی بھی لگائی کہ وہ علم نجوم کی روشنی میں مناسب وقت کا تعین کرے تا کہ اس طرح ولی عہد کی تاجپوشی نیک ساعت میں انجام پائے۔

فضل علم نجوم کا ماہر تھا، مامون بھی کسی حد تک اس علم میں دسترس رکھتا اور اس پر یقین کرتا تھا۔ فضل نے اس وقت کا انتخاب کیا جب سرطان کے طالع پر مشتری اس میں داخل ہو۔ یہ بات

امامؑ کی نسبت مشہور ہوئی کہ اس وقت آپؑ نے فرمایا۔

"ولکن الجفر والجامعة یدلان علی خلاف ذلک"

مصلحت نیست کہ از پردہ بروں افتد راز ورنہ در مجلس رندان خبری نیست کہ نیست

بہرحال ۲۰۰ھ میں مامون نے فضل بن رجاء بن ضحاک اور فرناس اور چند دوسرے عمائدین کی معیت میں مرو سے مدینہ ایک وفد بھیجا اور امامؑ سے درخواست کی کہ وہ خراسان تشریف لائیں۔

بیہقی راقم ہے مامون نے حکم دیا کہ حضرت رضاؑ کو مدینہ سے مرو نہایت ادب واحترام سے لایا جائے اور اس نے اس مقصد کے لئے ایک مفصل پلان ترتیب دیا۔اس طرح اس نے اپنا سیاسی پلان نہایت دقیق مطالعہ کی روشنی میں تشکیل دیا۔جونہی مامون کا پیغام امامؑ کو ملا۔شروع میں آپؑ نے اسے قبول کرنے سے صریحاً انکار کیا لیکن جب دیکھا کہ "حکم حاکم مرگ مناجات" والی بات ہے تو آپ نے بھی اپنے آباؤاجداد کی مانند اس جبری بلاوے پر دارالحکومت کی جانب روانگی کا فیصلہ کرلیا۔اس موقع پر اگر آپؑ اس دعوت کو ٹھکرا دیتے تو بہت سے ظاہر بین لوگ یہ بھی سوچتے کہ امامؑ نے نعوذباللہ ایک بڑی سیاسی غلطی کی کیونکہ حق، امامؑ کی اولاد یعنی خلافت کے حقیقی وارثوں کو مل رہا تھا۔اس کے علاوہ یہ بھی امکان تھا کہ آپؑ کے انکار کی وجہ سے خون خرابہ ہوتا۔اس طرح ہزاروں شکوک وشبہات جنم لے سکتے تھے۔کسی کو کیا معلوم شاید خداوند عالم کو یہی منظور تھا کہ وہ امامؑ کے نزول اجلال سے سرزمین ایران کو مشرف فرمائے۔اس طرح امام عالی مقامؑ کے نور سے تمام ایران منور ہو، یہاں کے لوگ امامؑ کی برکت سے فیض یاب ہوں اور فلاح پائیں۔

ایرانیوں کو یہ شرف حاصل ہے کہ امام زین العابدینؑ کی والدہ ماجدہ بھی ایرانی تھیں۔ خود پیغمبر اسلامؐ بھی ایرانیوں سے خصوصی لگاؤ رکھتے تھے۔جب نبی اکرمؐ نے اسلام کی دعوت کا آغاز فرمایا تو تمام بادشاہوں کو اسلام قبول کرنے کی دعوت دی۔عام طور پر اگر کوئی بادشاہ آپ کی دعوت کو قبول کرلیتا تو ٹھیک ورنہ سب سے پہلے اسی علاقے کو تسخیر کرنے اور دائرہ اسلام میں داخل

کرنے کی طرف توجہ دی جاتی چونکہ ایرانی بادشاہ نے رسولخداؐ کی دعوت کو قبول نہ کیا۔ اسی لئے ایران کی فتوحات کی طرف فوری توجہ دی گئی۔

بہرکیف مامون نے یہ قطعی فیصلہ کیا کہ امامؑ کو خراسان بلائے اس نے اس مقصد کے لئے اپنے معتمد رجاء بن ابی ضحاک خراسانی کا انتخاب کیا۔ وہ فضل بن سہل سرخسی کا بھانجا اور نہایت قابل اعتماد وبارسوخ شخص تھا۔ مامون نے اسے قریب بلایا اور کچھ ضروری ہدایات دے کر مدینہ روانہ کیا تاکہ جیسے بھی ہو امام رضاؑ کو اپنے ہمراہ لے کر خراسان آئے۔

رجاء مرو سے روانہ ہو کر مدینہ جا پہنچا۔ تاریخ وسیرت کی کسی کتاب میں یہ مذکور نہیں کہ وہ کس طرح اور کتنے افراد کے ہمراہ مدینہ میں وارد ہوا؟ اور مامون کے لئے اس کا پیغام کیا تھا؟ اور وہ کتنے عرصے میں مدینہ پہنچا؟ یہ بھی معلوم نہیں ہو سکا کہ مامون کے پیغام کا متن کیا تھا؟ اور وہ پیغام زبانی تھا یا کتبی؟

روایات میں لکھا ہے کہ امامؑ بامر مجبوری اس سفر پر راضی ہوئے اور اپنے قریبی لوگوں سے فرمایا، وہ اس سفر سے واپس تشریف نہیں لا سکیں گے۔

چونکہ امامؑ بخوبی آگاہ تھے کہ یہ زندگی کا آخری سفر ہے لہذا انہوں نے اپنے تمام عزیز واقارب کو اکٹھا کیا اور ان سے فرمایا، میں ایک خطرناک سفر پر جا رہا ہوں لہذا مجھ پر آنسو بہاؤ۔

امامؑ نے محمد تقیؑ سے وداع کیا اور خراسان روانہ ہو گئے۔

اس مصائب کے جہان میں شاید سب سے بڑی مصیبت جدائی ہے۔ عزیز واقارب سے جدائی، ایسی سرزمین سے جدائی جس سے انسان بیحد محبت کرتا ہو۔ اگر آپ کو اس کا تجربہ ہو تو آپ محسوس کر سکتے ہیں کہ امامؑ پر اس وقت کیا گذری ہوگی جب آپؑ نے اپنے آباؤ اجداد کی سرزمین "مدینہ" کو خیرباد کہا اور اپنے عزیز واقارب واحباب سے جدا ہو کر تن تنہا خراسان کی جانب روانہ ہوئے۔

فراق نے علی علیہ السلام جیسے شجاع کو رونے پر مجبور کر دیا:

وہی علیؑ جنہیں اسلام کا پہلا ہیرو تسلیم کیا جاتا ہے۔ جب آپؑ کی تلوار چلتی تھی تو سروں کے انبار لگ جاتے تھے۔ وہی علیؑ کہ جب حملہ آور ہوتے تو کشتوں کے پشتے لگا دیتے۔

وہی علیؑ کہ جب عمرو بن عبدود کے مقابلے پر آئے تو جزیرۃ العرب کے اس گھوسوار اور شیر کو پچھاڑ کر قتل کر دیا۔

وہی علیؑ جس نے قلعہ خیبر کے دروازے کو اکھاڑ کر مسلمانوں کے گذرنے کے لئے پل بنا دیا۔

وہی علیؑ کہ اگر تمام انسان بھی اس پر حملہ کرتے تو اسے ذرا بھر خوف و ہراس نہ ہوتا۔

وہی علیؑ جس کی شمشیر کی چکاچوند سے کفر کے بادل چھٹنے لگتے اور آپؑ کی ذوالفقار برق رفتار لمحے بھر میں میدان صاف کر دیتی۔

وہی علیؑ کہ جو جہاں قدم رکھتے فقراء کے لئے نعمت اور دوستوں کے لئے رحمت ثابت ہوتے وہ فقراء کی اراضی کو سرسبز و شاداب کر ڈالتے اور کٹڑ باغیوں کو عذاب میں مبتلا کر دیتے۔

وہی علیؑ جس کی تعریف میں دنیا رطب اللسان ہے اور جس کے لئے اور جس کی شمشیر کے لئے کہا گیا، لافتیٰ الا علی ولا سیف الا ذوالفقار۔

وہی علیؑ کہ ہمیشہ فتح اس کے قدم چومتی رہی۔

وہی علیؑ جس کی دھاک نے بڑے بڑے سورماؤں کا پتہ پانی کر دیا تھا۔

وہی علیؑ جس نے کبھی میدان جنگ میں دشمن کو پیٹھ نہیں دکھائی اور نہ ہی اس کی زرہ کی پیٹھ تھی۔ اسے قتال عرب، شیر خدا اور حیدر کے القاب ملے۔

وہی علیؑ جس کی فضیلت سے دوست و دشمن کسی کو انکار نہیں۔

وہی علیؑ جس کے رعب و دبدبے کا یہ عالم تھا کہ اس کے دم خم سے دوست میٹھی نیند سوتے اور دشمن کی نیند اُڑی رہتی تھی اور انہیں ہر وقت موت کا دھڑکا لگا رہتا تھا۔

لیکن یہی بہادر علی، مولا و رعلی، ہیروعلی، بے باک علی، داماد پیغمبر اسلام علی، پیغمبر اسلامؑ کا جانشین علی، حسنؑ و حسینؑ کا بابا علی، ملکہ اسلام کا شوہر علی جب داستان فراق کے بیان پر آتا ہے تو گھٹنے ٹیک دیتا ہے فریاد کرتا اور آنسو بہاتا ہے۔ صبر کا دامن اس کے ہاتھ سے چھوٹ جاتا ہے وہ جدائی کے سامنے اپنے آپ کو بے بس پاتا ہے۔ کبھی کبھار وہ محبوب و معبود سے راز و نیاز کرتے ہوے فراق کے مقابلے میں اپنی شکست تسلیم کر لیتا ہے۔ ''**فهبني يا الهي و سيدي و مولاي و ربي صبرت على عذابك فكيف اصبر على فراقك**''(دعائے کمیل)

میرے پروردگار، میرے آقا و مولا و رب میں تیرے عذاب پر تو صبر کرلوں گا مگر تیری جدائی پر کیسے صبر کرسکوں گا؟

جب مولا علی سے پیغمبر اسلامؐ کی بیٹی فاطمہؑ جدا ہوئیں تو آپؑ کی دنیا تاریک ہوگئی، جب پیغمبر اسلامؐ بھی جدا ہوئے تو ایسا ہی ہوا تھا۔ اس موقع پر علی کی زبان سے شعر نکلا۔

لكل اجتماع من خليلين فرقة و كل الذى دون الفراق قليل

و ان افتقادى واحداً بعد واحد دليل على ان لايدوم خليل

مجھے ہر جگہ کام آنے والے دو دوست آخر کار مجھ سے جدا ہو گئے اور ہر مصیبت جدائی اور فراق کے سامنے ہیچ ہے اور ایک کے بعد دوسرے دوست کی جدائی اور فاطمہؑ کے والد بزرگوارؐ کی جدائی اس بات کی گواہ ہے کہ کوئی دوست باقی نہیں رہیگا۔

امامؑ کی خراسان کی جانب روانگی:

شعراء نے اشعار میں جدائی کے بارے میں ایسے پُرسوز نغمے الاپے ہیں جن سے جگر خون ہو جاتا ہے اسی طرح نثر میں بھی جدائی کے بارے میں خاصا مواد پایا جاتا ہے۔

قارئین کرام: اس ساری تمہید کا مقصد حجت خدا حضرت امام علی بن موسیٰ الرضاؑ کی اس کیفیت کی طرف اشارہ تھا جوان کی اپنی جدامجدؐ کی قبر شریف سے جدائی پر تھی۔ جس وقت آدم ابوالبشر کو

جنت سے نکالا گیا تو اس وقت آدمؑ کی حالت کیا ہوگی، بعض روایات کے مطابق آپ دو سو سال تک روتے رہے۔

امام رضاؑ کو جب مدینہ سے جدا کیا گیا تو آپ پر آدمؑ سے کئی گنا زیادہ گراں گذرا۔ کیونکہ مدینہ نہ صرف آپؑ کی تربیت گاہ تھا بلکہ صدیوں سے آباؤ اجداد کا مسکن ہونے کے علاوہ ان کی زیارت گاہ بھی تھا۔ جہاں پیغمبر اسلام کا حرم، فاطمہ الزہراء سلام اللہ علیہا کا حرم اور ان کی اولاد سے چار آئمہؑ کی قبور شریف واقع ہیں۔

مدینہ اسلام کی نشر واشاعت کا مرکز، جعفر طیار، حمزہ سید الشہداء، شہدائے بدر وحنین و اُحد کی شجاعت کا گواہ ہے اور اس کے علاوہ مدینہ جن ہزاروں فضائل کا حامل ہے یا تو ان کا ہمیں علم نہیں اور یا پھر یہاں ان کے ذکر کی گنجائش نہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ ان تمام فضائل سے امامؑ جس قدر آگاہ تھے۔ ہماری مجال نہیں کہ ہم ان سے آگاہ ہو سکیں۔ بہر حال امامؑ نے جب مدینے سے کوچ کا ارادہ فرمایا تو بے حد غمگین ہوئے محول بجستانی کے بقول جب مامون کا خط مدینے پہنچا، میں مدینہ میں موجود تھا۔ امامؑ خط پڑھ کر مسجد نبویؐ میں داخل ہوئے۔ آپ بار بار روضہ رسولؐ سے الوداع ہوتے اور باہر نکل آتے، جونہی پھر پلٹ کر روضہ رسولؐ پر جاتے تو آپؑ کے رونے کی آواز مزید بلند ہو جاتی۔ میں نے حضرت کے قریب جا کر آپؑ کی خدمت میں سلام عرض کیا اور آپؑ کو سفر کی مبارکباد دی۔ آپؑ نے فرمایا!

”ذرنی فانی اخرج من جوار جدی وأموت فی غربة وادفن فی جنب هارون“

مجھے میرے تئیں اکیلا چھوڑ دو، میں اپنی جد سے وداع ہو رہا ہوں اور پردیس میں مارا جاؤں گا اور ہارون الرشید کے پہلو میں دفن کیا جاؤں گا۔ (عیون اخبار الرضاؑ جلد ۲ و بحار الانوار جلد ۴۹)

حسن وشا سے روایت ہے کہ امامؑ نے مدینے سے اپنی روانگی کو اس طرح بیان فرمایا۔

میں جس وقت مدینہ سے کوچ کر رہا تھا تو میں نے اپنے تمام متعلقین کو جن میں اولاد، بیوی، بھائی، بہن، کنیز اور غلام سب شامل تھے اکھٹا کیا اور انہیں کہا کہ مجھ پر روؤ تا کہ میں تمہارے گریہ کو سنوں۔اسی لئے آپؑ کی زیارت میں پڑھتے ہیں۔**"السلام علی من امر اولادہ و عیالہ بالنیاحۃ علیہ قبل وصول الموت الیہ"**

اس کے بعد بارہ ہزار دینار ان میں تقسیم کئے اور کہا، میں اس سفر سے واپس نہیں آؤں گا۔اس کے بعد اپنے بیٹے ابوجعفر جوادؑ کو مسجد نبوی لا کر روضہ رسولؐ سے لپٹایا اور اسے ان کے وسیلے سے خداوند تعالیٰ کی حفظ وامان میں دیا۔اس موقع پر ابوجعفر جوادالائمہؑ نے مجھے مخاطب کر کے کہا، میری جان آپؑ پر قربان، خدا کی قسم آپؑ رب کی طرف جا رہے ہیں۔اس کے بعد میں نے اپنے وکلاء اور ملازمین سے کہا کہ ابوجعفر جوادؑ میرا جانشین ہے اور آپ سب اس کی اطاعت کریں اور کوئی اس کی مخالفت نہ کرے۔(بحارالانوار جلد ۴۹ وانوار البھیہ)

جب آپؑ مکہ میں خانہ خدا کا طواف کرنے آئے تو آپؑ کے فرزند جوادالائمہؑ کو آپؑ کے غلام موفق نے دوش پر اُٹھایا ہوا تھا۔غلام کے بقول حضرت رضاؑ طواف میں مشغول تھے۔جب میں حجر اسود کے پاس پہنچا تو جوادؑ میرے دوش سے نیچے تشریف لے آئے۔اس بچے کے چہرے سے انتہائی کرب کے آثار نمایاں تھے۔یہ خدا سے راز و نیاز کر رہا تھا۔یہاں تک کہ اپنی جگہ سے ہلنے کا نام بھی نہیں لیتا تھا۔میں ان کے پاس گیا۔عرض کیا قربان جاؤں، آقازادے یہاں سے اٹھو تا کہ چلیں۔آپؑ نے میری طرف رخ کر کے فرمایا: جب تک خدا کو منظور نہ ہوگا میں یہاں سے نہیں اٹھوں گا۔میں آپؑ کے والد گرامی کے پاس آیا اور ان کے بیٹے کے غم واندوہ کی کیفیت بیان کی۔اس پر امامؑ خود محمد تقیؑ کے پاس آئے اور فرمایا میری آنکھ کے تارے اٹھو، عرض کیا، بابا میں کیسے اٹھوں جب کہ میں دیکھ رہا ہوں کہ آپؑ خانہ خدا سے اس طرح وداع ہو رہے ہیں کہ گویا آپؑ کو واپسی کی امید ہی نہیں؟ اس کے بعد آپؑ نے رونا شروع کیا اور پھر اپنے والد محترم کی اطاعت میں وہاں سے دامن جھاڑ کر اُٹھ کھڑے ہوئے۔(منتہی الآمال وکشف الغمہ)

امامؑ یوں ہوئے وطن سے جدا   جیسے بلبل ناشاد ہوتی ہے چمن سے جدا

یوم الفراق من القیامۃ اطول   والموت من الم التفرق اجمل

قالوا: الرحیل فقلت: لست براحل   لکن مھجتی التی ترحل

امامؑ کی ایران آمد کا رُوٹ معلوم کرنے کے لئے ہمیں اس زمانے کی تاریخی کتب سے رجوع کرنا پڑا تو تاریخی کتب بتاتی ہیں کہ امامؑ جن علاقوں سے گذرے وہ اصطخری کہلاتے تھے۔ اور یہی علاقے اسلام کی لشکرگاہ تھے، یہاں ہی سے بنی عباس کو عروج حاصل ہوا، یہیں مامون کی تاجپوشی ہوئی۔اس زمانے کے بڑے بڑے سیاح اور عظیم شخصیات مثلاً ناصر خسرو، ابن بطوطہ اور دوسرے لوگ جو ایران آئے ان کا گذر زیادہ تر خراسان کے نواحی علاقوں، طوس، سرخس، نیشاپور، مرو، یزد، اصفہان اور دوسرے علاقوں میں سے ہوا، انہوں نے اپنی ڈائریوں میں ان علاقوں کے بارے میں نہایت مفید معلومات لکھی ہیں۔

ابن حوقل نے ایران کے اکثر راستوں کی وضاحت کی اور لکھا کہ ایک راستہ نائین، خراسان، طبس اور نیشاپور کے درمیان تھا جو مرو سے سرخس اور وہاں سے طوس جاتا تھا۔ناصر خسرو نے اصفہان، قاین اور یزد کے راستے کے بارے میں جو بیابان سے ہو کر چہاردہ طبس کے علاقے اور وہاں سے تون دو سرخس سے جا کر ملتا تھا، وضاحت کی ہے، اس نے اشارۃً لکھا ہے کہ مرو و بصرہ کے درمیاں بھی ایک راستہ تھا۔یہاں تک کہ اس نے راستے کے فرسخوں اور راستے میں آنے والی منازل کی بھی وضاحت کی ہے۔

دبیر سیاقی کے سفرنامے میں لکھا ہے: بصرہ سے کشتی کے ذریعے آبادان (عبادان) جاتے ہیں اور وہاں سے مہروبان کی طرف جو کازرون کے قریب واقع ہے، سفر کرتے ہیں۔اور اس کے بعد ارہ جان اور وہاں سے پہاڑی راستے اصفہان اور اس کے بعد نائین کو راستہ جاتا ہے اور وہاں ہی سے صحرائی روٹ کے ذریعے چہاردہ طبس اور طبس سے نیشاپور کو راستہ جاتا ہے۔

ابن بطوطہ بھی رحلہ میں اس راستے کی طرف اشارہ کرتا ہے جو مدینہ، مکہ، نجف، بغداد،

بصرہ، آبادان، شوشتر اور اصفہان کے درمیان واقع ہے۔ اگر چہ اس کا زمانہ بہت بعد کا ہے اور اس کے زمانے میں مشہد مقدس اچھی خاصی ترقی کر چکا تھا لیکن ابھی خوارزم، بخارا، سمرقند، بلخ، ہرات، جام، طوس، مشہد الرضا، سرخس اور نیشا پور کا قدیم روٹ برقرار تھا۔ مشہور و معروف قدیم جغرافیہ دان ابن حوقل کے مکتوبات سے پتہ چلتا ہے کہ نیشا پور اور سرخس کا درمیانی راستہ چھ منزلوں میں تقسیم تھا، سرخس سے مرو پانچ منازل اور نیشا پور و طوس تین منزل تھا اور یہ فاصلہ عموماً خچروں اور دوسرے جانوروں پر طے کرتے تھے۔ اور نیشا پور اور طوس کے درمیان ایک اور راستہ بھی تھا۔

ابن حوقل کے بقول گردنہ کا راستہ جو طوس سے زیادہ نزدیک ہے فقط ایک منزل تھا اور شاید یہ وہی راستہ ہو جسے ابھی تک نیشا پور جانے کے لئے استعمال کرتے رہے ہوں، ساسانیوں کے زمانے سے ایران اور روم کے درمیان رابطے کا ذریعہ وہ راستہ تھا جسے شاہراہ ریشم (Silk Route) کہا جاتا ہے یہ قسطنطنیہ سے بیجنگ تک کے راستے میں پڑنے والے بڑے بڑے شہروں سے گذرتا تھا۔ جن میں مدائن، رے، فرغانہ، خوارزم اور کشمیر شامل ہیں۔ اس بنا پر امامؑ کے سفر کے روٹ کے بارے میں یقینی طور سے کچھ کہنا محال ہے۔ (نامہ آستان قدس)

لیکن اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ جب ۱۹۸ھ میں مامون نے والئی مدینہ رجاء بن ابی ضحاک کو مدینہ روانہ کیا کہ امامؑ کو نہایت ادب و احترام سے حجاز سے مرو لائے تو امامؑ جو پورے پروٹوکول کے ساتھ روانہ ہوئے، بصرہ سے کشتی کے ذریعے محمرہ (خرمشہر) اور پھر وہاں سے اہواز اور وہاں سے اراک، پھر وہاں سے قم اور پھر وہاں سے نیشا پور، وہاں سے سرخس اور اس طرح وہاں سے مرو تشریف لائے ہوں گے۔

نیشا پور اور مرو کا راستہ سرخس کی حدود سے گذرتا ہے۔ سلجوقی عہد کی یادگار رباط شرف اسی راستے پر واقع ہے۔

بعض مورخین نے آپؑ کا روٹ مدینہ - بصرہ - کوفہ - بغداد - اہواز - قم - نیشا پور لکھا ہے۔ اور بعض دوسروں نے اس روٹ میں قم کی بجائے ساوہ کو جگہ دی ہے اور کچھ نے دعویٰ

کیا ہے کہ ان کے روٹ میں کوفہ و بصرہ شامل نہ تھے۔یہ تو تحقیقات کا نچوڑ ہے البتہ یہ بات مسلم ہے کہ امامؑ نے بصرہ میں ضرور قیام کیا کیونکہ ان کے اس دوران کے معجزات اس بات کے شاہد ہیں۔(بعض نے لکھا ہے کہ امامؑ رسول اکرمؐ کی قبر کی زیارت کرنے کے بعد مکہ معظمہ کے لئے روانہ ہوئے اور پھر وہاں سے قادسیہ تشریف لے گئے۔ابونصر بزنطی لکھتا ہے کہ آپؑ نے چند روز قادسیہ میں گذارے۔اس دوران لوگ متواتر آپؑ کی زیارت کے لئے آتے رہے)۔

امامؑ بصرہ میں:

ابن علوان نے ایک رات خواب میں دیکھا کہ جناب رسولخداؐ بنفس نفیس بصرہ تشریف لائے ہیں اور کوئی شخص آنحضرتؐ کی آمد کا اعلان کر رہا ہے میں نے پوچھا کہ حضرت کہاں تشریف فرما ہیں؟ مجھے ایک باغ کی طرف راہنمائی کی گئی، کہتا ہے میں اس باغ میں داخل ہوا۔دیکھا تو جناب رسولخداؐ باغ میں تشریف فرما ہیں اور آپؐ کے سامنے ایک طباق میں نہایت اعلیٰ قسم کی کھجوریں پڑی ہیں۔آپؐ نے مٹھی بھر کھجوریں مجھے عطا فرمائیں۔جب میں نے گنیں تو پوری اٹھارہ تھیں۔اتنے میں میں خواب سے جاگ گیا۔اچھا خواب تھا۔اس نے مسرور کر دیا۔وضو کیا اور نماز میں مشغول ہو گیا۔اس کے بعد میں نے خواب میں جس باغ کو دیکھا تھا جا کر اس کا پتہ لگایا۔اس خواب کے کچھ عرصے بعد سنا کہ امام علی بن موسیٰ الرضاؑ تشریف لائے ہیں۔میں نے لوگوں سے سوال کیا کہ آپؑ کہاں تشریف رکھتے ہیں؟ بتایا گیا کہ فلاں باغ میں۔یہ وہی باغ تھا جو میں نے خواب میں دیکھا تھا۔میں فوراً حضرت کی زیارت کے لئے چل پڑا۔میری حیرانگی کی انتہا نہ رہی جب میں نے دیکھا کہ آپؑ عین اسی مقام پر تشریف فرما ہیں۔جہاں جناب رسولخداؐ کو میں نے خواب میں دیکھا تھا۔میں آپؑ کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپؑ نے مجھے آپؑ کے سامنے رکھے ہوئے طباق میں سے اٹھارہ دانے خرما عنایت فرمائے۔میں نے عرض کیا،اس سے کچھ زیادہ عطا فرمایئے تو فرمایا! کہ اگر میرے جد بزرگوار جناب رسولخداؐ تمہیں اس سے زیادہ عنایت کرتے تو میں بھی زیادہ دیتا۔چند دنوں کے بعد امامؑ نے ایک شخص کو میرے ہاں بلوا بھیجا۔اس

شخص نے آتے ہی کہا کہ امامؑ نے تم سے چادر اور اوڑھنی طلب کی ہے۔ جس کا طول وعرض یہ ہو۔ میں نے کہا اس خصوصیت والی اوڑھنی اور چادر میرے ہاں نہیں۔ تو قاصد نے کہا، نہیں ہے۔ یاد کرو تمہاری بیوی نے اسے تمہارے لئے بھیجا تھا اور وہ فلاں جگہ رکھی ہوئی ہے۔ ابن علوان کا قول ہے: مجھے یاد آ گیا اور جس جگہ کی امامؑ نے نشاندہی فرمائی تھی۔ وہاں ہی سے یہ چیزیں ملیں اور میں نے اس شخص کے حوالے کیں۔ (بحارالانوار جلد ۴۹)

امامؑ اھواز وارہ جان میں:

امامؑ جب اھواز تشریف لائے تو قدرے مریض ہو گئے اور اس بیماری کی وجہ راستے کی صعوبت اور موسم کی سختی تھی۔ حسن صائغ کہتا ہے۔ جب امامؑ نے مدینہ سے کوچ فرمایا تھا تو میں آپؑ کے ساتھ تھا۔ راستے میں، میں نے رجاء بن ابی ضحاک کے قتل کے بارے امام سے مشورہ کیا تو امامؑ نے منع فرمایا اور کہا کیا تم کسی کافر کو قتل کر کے کسی مومن کا خون بہانا چاہتے ہو؟ ایسا میں نے اس لئے پوچھا تھا کہ چونکہ رجا بن ابی ضحاک ہی امامؑ کے مدینہ بدر ہونے کا سبب بنا تھا چونکہ امام اہواز میں علیل ہو گئے تھے لہذا آپؑ نے وہاں کے باسیوں سے کہا کہ کہیں سے کچھ گنا لے آئیں۔ بعض نے کہا کہ آپ یہ کیا کہہ رہے ہیں۔ گرمیوں میں گنا کہاں سے آئے گا؟ یہ تو سردیوں کی فصل ہے۔ امامؑ نے فرمایا! ضرور ملے گا۔ جائیں اور تلاش کریں۔

اسحاق بن حجر نے کہا: مجھے خدا کی قسم، میرے مولا اس چیز کو طلب نہیں کرتے جو نہ مل سکتی ہو۔ اس نے اپنے ملازموں کو اھواز کے مضافات کی طرف دوڑایا۔ اسحاق کہتا ہے: وہ لے کر آ گئے اور کہنے لگے کسی قدر رکھائی کے لئے پڑا تھا۔ آپؑ علم امامت سے جانتے تھے کہ گنا مل جائے گا۔ اسحاق کا قول ہے: جب ہم ایک دیہات میں وارد ہوئے امامؑ نے جب سر سجدے میں رکھا تو پروردگار سے اس طرح مناجات کیں۔ اگر تیری اطاعت کروں تو یہ تیری حمد وشکر گذاری ہے۔ اگر گناہ کروں تو میرے پاس اس کا کوئی عذر نہیں اے رب کریم! جو خوبی مجھے ملتی ہے وہ تیری طرف سے ہے۔ مشرق ومغرب میں بسنے والے مومنین ومومنات کو اپنی بخشش وکرم سے بخش دے۔

اسحاق کا قول ہے: میں نے ایک عرصے تک امامؑ کے پیچھے نماز پڑھی۔ امامؑ نے ہمیشہ پہلی رکعت میں سورہ حمد کو سورہ انا انزلنا اور دوسری رکعت میں سورہ حمد اور قل ھواللہ کے ساتھ تلاوت فرمایا۔ (عیون اخبار الرضاؑ ج ۲، بحار الانوار ج ۴۹)

ارہ جان (ارگان)

یہ شہر اس زمانے میں عروج پر تھا۔ لیکن آج کل اس کا نام ونشان نہیں ملتا۔ اس بات کا عندیہ ملتا ہے کہ اس کی جگہ بہبہان نامی شہر آباد ہوا۔ جس نے بعد میں بڑا عروج دیکھا۔ یہاں ایک مسجد ہے جسے امام رضاؑ سے نسبت دی جاتی ہے۔ نائین کی تاریخ میں لکھا ہے کہ نائین شہر میں امامؑ کے آثار میں سے مسجد محلّہ کلوان کی پچھلی طرف قدمگاہ ہے اور اس کے ساتھ ایک مسجد اور حمام ہے۔ جو محلّہ کودالو میں واقع ہیں۔ اور انہیں بھی امامؑ سے منسوب کیا گیا ہے۔ اس کے علاوہ بافران کے راستے میں امامؑ سے منسوب ایک درخت ہے۔ جہاں لوگ ۲۱ رمضان المبارک اور عاشورا کے دن اکٹھے ہو کر مجلس عزا برپا کرتے ہیں۔

امامؑ کرونڈ (کرمنہ) میں:

امامؑ کا مجاری کرونڈ کا مکین تھا۔ وہ ایک عام آدمی تھا۔ اس نے آپ سے درخواست کی کہ اپنے ہاتھ سے لکھا ہوا کچھ عطا فرمائیں: امامؑ نے اسے لکھ کر دیا۔ " **کن محباً لآل محمد علیہم السلام وان کنت فاسقاً لمحبیھم وان کانو فاسقین** " آلِ محمدؐ کے دوست بنو اگر چہ تم فاسق ہی کیوں نہ ہو اور آلِ محمدؐ کے دوستداروں کو دوست رکھو اگر چہ وہ فاسق ہوں" نائین کی تاریخ لکھنے والے کا قول ہے کہ وہ عبارت اب بھی وہاں کے مقامی افراد کے ہاں موجود ہے۔ (سفینۃ البحار) البتہ اس بارے میں کوئی اور معتبر سند نہیں ملتی۔

قم میں امامؑ کی آمد:

امامؑ اصفہان کی حدود کو عبور کر کے قم پہنچے۔ قمیوں نے آپ کا بے مثال استقبال کیا۔

انہوں نے اس سلسلے میں ایک دوسرے پر سبقت لے جانے کی کوشش کی۔ امامؑ نے فرمایا۔ میری سواری جس گھر کے سامنے ٹھہرے گی وہاں قیام کروں گا۔ آپؑ کا اونٹ ایک ایسے شخص کے گھر کے دروازے کے سامنے جا کر بیٹھا جس نے اس سے ایک دن قبل خواب میں دیکھا تھا کہ امامؑ کل اس کے ہاں مہمان ہوں گے۔ اس کے بعد اس مقام کو بڑا درجہ ملا اور آج کل یہاں مدرسہ "رضویہ" قائم ہے۔ (فرحۃ الغری ابن طاوس)

لیکن شیخ صدوق نے لکھا ہے کہ امامؑ کو کوفہ اور قم سے نہیں گذارا گیا کیونکہ ان دونوں شہروں میں محمدؐ و آلِ محمدؑ کے پیروکاروں کی اکثریت سکونت پذیر تھی۔ اور اس زمانے کی سیاسی شرائط کے پیش نظر ایسا کرنے سے اجتناب کیا گیا۔

امامؑ کی نیشاپور میں تشریف آوری

بہر حال امامؑ سمنان، آھوان، دامغان، شاہرود، میامی، میاندشت، الحاک، عباس آباد، سبزوار اور دیگر شہروں اور مقامات کو عبور کرتے ہوئے نیشاپور جیسے عظیم تاریخی شہر میں وارد ہوئے۔ نیشاپور ایران کے قدیمی شہروں میں شمار ہوتا ہے۔ منگولوں اور تاتاریوں نے اسے بار بار تاراج کیا اور کئی مرتبہ یہ شہر زلزلے سے تباہ ہوا اور پھر تعمیر ہوا۔ یہاں کی مٹی اور آب و ہوا حملہ آوروں کی کشش کا باعث بنی (کتب تاریخ میں رقم ہے کہ منگولوں کے ہاتھوں قتل عام ہونے والے صرف مردوں کی تعداد کو بارہ دن اور بارہ راتوں میں جب شمار کیا گیا تو وہ تعداد دس لاکھ سات سو سنتالیس نکلی اور عورتوں و بچوں کی تعداد اس کے علاوہ ہے)۔ اس کا لقب ابرشہر تھا۔ یعنی اونچا شہر۔ مورخین نے اس ضلع کے عجائبات کو ۱۲۱۲ شمار کیا ہے۔ فیروزہ، تانبے اور سنگ مرمر کی بارہ کانیں ہیں۔ یہاں سے ۱۲ شمالی دریا نکلتے ہیں جو سطح زمین میں جا کر بہتے اور بارہ سو چھوٹے چھوٹے دیہاتوں کو سیراب کرتے ہیں۔ بارہ ہزار نہریں ہیں جو بارہ ہزار چشموں سے نکلتی ہیں۔ یہاں پر واقع آثار قدیمہ اور آلب ارسلان اور شادیاخ کے تاریخی ٹیلوں سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ شہر کئی سال تک دارالعلم رہا ہے۔ یہاں کے علماء اور شعراء کی دور دور تک شہرت رہی ہے۔

نیشاپور کی تعریف میں ابوالعباس زوزنی کہتا ہے۔

لیس فی الارض مثل نیشابور بلد طیب و رب غفور

تاریخ بیہق میں رسولخداؐ سے روایت ہے کہ آپؐ نے فرمایا: خراسان کا سب سے بہترین شہر نیشاپور ہے۔

''قال رسول اللہؐ: **''خیر بلاد خراسان نیشابور''**

ضلع نیشاپور نے ہمیشہ علمی شخصیات اور پاک دامن لوگوں کی تربیت کی ہے۔ ہم آئندہ کے صفحات میں ان میں سے بعض کا ذکر کریں گے۔

جب امامؑ نیشاپور میں وارد ہوئے تو یہ شہر خوب آباد تھا اور یہاں محدثین و علماء کی ایک خاصی تعداد آباد تھی۔ اسی لئے جب آپؑ یہاں تشریف لائے تو لوگوں کی ایک کثیر تعداد آپؑ کے استقبال کے لئے جمع تھی اور لوگوں کا جوش و خروش بے نظیر تھا۔

عیون اخبار الرضا میں لکھا ہے جب امامؑ نیشاپور میں تشریف لائے تو آپؑ نے پیرزای خاتون جو ''پسندہ'' کے نام سے موسوم تھی، کے گھر قیام فرمایا (بعض کا قول ہے کہ امامؑ نے نیشاپور میں ابو واقع بن محمد بن اسحاق نیشاپوری کی دادی خدیجہ کے گھر نزول اجلال فرمایا اور خدیجہ کو ''پسندہ'' کا نام دیا۔

اس بوڑھی خاتون کی جھونپڑی نیشاپور کے مغربی حصے لاشاد میں واقع تھی۔ تحقیق سے ثابت نہیں ہو سکا کہ امامؑ نے کتنے دن نیشاپور میں قیام فرمایا۔ ابن شہر آشوب نے لکھا ہے کہ امامؑ چند ماہ نیشاپور میں قیام پذیر رہے۔

پیرزال خاتون کے گھر میں امامؑ کی کرامت:

ابو واسع محمد بن احمد بن محمد بن اسحاق نیشاپوری سے مروی ہے کہ میں نے اپنی دادی خدیجہ بنت عمران ابن پسندہ سے سنا کہ جب امام رضاؑ نیشاپور میں داخل ہوئے تو آپؑ نے محلّہ غربی میں قیام فرمایا یہ محلّہ بلاش آباد کے نام سے مشہور ہے اور امامؑ نے میری دادی پسندہ کے گھر

میں قیام فرمایا میری دادی کو پسندہ اس لئے کہا جاتا ہے کہ حضرت امام رضاؑ نے دیگر لوگوں میں سے انہی کو پسند فرمایا تھا اور پسندہ فارسی کا لفظ ہے اور عربی میں اس کے معنی "مرضی" کے ہیں۔

چنانچہ جب امامؑ ہمارے گھر میں مقیم ہوئے تو آپؑ نے گھر کے اطراف میں "بادام" بویا اور جب وہ درخت کی صورت اختیار کر گیا اور ایک سال کے عرصے میں اس پر بادام بھی نکل آئے اور لوگوں کو اس کے بارے میں اطلاع ملی تو وہ لوگ اس درخت کے بادام سے شفا حاصل کرنے کے لئے آتے اور اس درخت کے بادام سے استفادہ کرتے خصوصاً جس شخص کے سر میں درد ہوتا وہ شفا حاصل کرنے کے قصد سے اس درخت کا ایک بادام لیکر کھالیتا اور اس کی تکلیف رفع ہو جاتی اسی طرح جس شخص کی آنکھوں میں درد ہوتا وہ اس بادام کو اپنی آنکھوں پر ملتا اور صحت یاب ہو جاتا۔ حاملہ خواتین جنہیں وضع حمل کے سلسلے میں دشواری اور سختی کا سامنا ہوتا وہ بھی اس بادام کو تناول کر کے آسانی وضع حمل کی سختی سے فارغ ہو جاتیں یہی نہیں بلکہ جانوروں میں سے کسی جانور کو قولنج کی تکلیف ہوتی تو اس درخت کی ٹہنیاں لیکر اس کے پیٹ پر ملتے اور وہ اس تکلیف سے نجات حاصل کر لیتا پھر کچھ مدت گزرنے کے بعد وہ درخت خشک ہو گیا اس موقع پر میرے دادا حمدان آئے اور انہوں نے اس درخت کی ایک ٹہنی کاٹی جس کی وجہ سے وہ اندھے ہو گئے۔

حمدان کا ایک بیٹا تھا جس کا نام ابوعمرو تھا اس نے اس درخت کو روئے زمین سے کٹوا دیا جس کی وجہ سے اس کا پورا مال جو تقریباً ۷۰ ہزار سے ۸۰ ہزار درہم کے قریب تھا اس کے ہاتھ سے نکل گیا اور اس کے پاس کچھ بھی باقی نہ بچا اور اس ابوعمرو کے دو بیٹے تھے جو محمد بن ابراہیم بن محمود کے "منشی" تھے۔

ان میں سے ایک کو ابوالقاسم کہتے تھے جبکہ دوسرے کو ابو صادق کے نام سے پکارا جاتا تھا ان دونوں بھائیوں نے اس گھر کی تعمیر کا کام مکمل کرایا جس پر تقریباً بیس ہزار درہم خرچ ہوئے ان دونوں بھائیوں کو چونکہ یہ خبر نہ تھی کہ وہ جو کام کرنے جا رہے ہیں اس کے بعد انہیں کس صورت حال کا سامنا کرنا پڑے گا لہذا انہوں نے اس (مذکورہ) درخت کی باقیماندہ جڑوں کو بھی اکھاڑ ڈالا

چنانچہ ان میں سے ایک امیر خراسان کے باغات اور دیگر املاک کا متولی بنا دیا گیا جہاں سے کچھ عرصہ کے بعد جب واپس نیشاپور آیا تو اس کا وہ دایاں پاؤں جس کی محل میں قیام کے دوران ہی جلد بالکل سیاہ ہو گئی تھی یہاں پہنچنے کے بعد بہت زیادہ خراب ہو گیا یہاں تک کہ اس کے پاؤں کا گوشت ٹکڑے ٹکڑے ہو کر ختم ہو گیا اور پھر تقریباً ایک ماہ کے بعد اسی تکلیف کے نتیجے میں وہ مر گیا۔

جبکہ اس کا دوسرا بھائی جو اس سے بڑا تھا اور جو نیشاپور کے سلطان (بادشاہ) کے دیوان کا سربراہ منشی تھا اور اس کی نظارت میں کئی کاتب کام کرنے والے تھے۔ اس سربراہ منشی کا "خط" بہت خوبصورت تھا لہذا ایک دن اس کے تحت کام کرنے والے ایک شخص نے اسے مخاطب کر کے کہا۔ اللہ تعالیٰ اس حسین انداز تحریر والے شخص کو نظر بد سے محفوظ رکھے۔ ابھی کہنے والے نے یہ بات کہی تھی کہ اسی لمحے اس شخص کے ہاتھوں پر لرزہ طاری ہو گیا اور اس کے ہاتھ سے قلم گر پڑا پھر دیکھتے ہی دیکھتے اس کے ہاتھ پر 'پھوڑا'' نکل آیا۔ تکلیف کی شدت کی بناء پر وہ اپنے گھر آ گیا جہاں ابوالعباس نامی کاتب اور چند دیگر افراد اس کی عیادت کے لئے آئے اور انہوں نے اسے مشورہ دیا کہ تمہیں یہ تکلیف خون میں حرارت (بلڈ پریشر) کی وجہ سے لاحق ہوئی ہے اس لئے تم ''فصد'' (اپنا فالتو خون نکلوانے) کے ذریعے علاج کرو چنانچہ حجام کو فصد کھولنے کے لئے بلایا گیا۔ پھر دوسرے دن جب وہی لوگ اس کی عیادت کے لئے آئے تو انہوں نے اسے دوبارہ فصد کھولنے کے بارے میں کہا لہذا دوسرے دن بھی فصد کھولنے کے لئے حجام کو بلایا گیا جس کے بعد اس کے ہاتھ بالکل سیاہ ہو گئے اور ان کا گوشت ٹکڑے ٹکڑے ہو کر ضائع ہو گیا اور آخر کار اسی دن اسی کی بھی موت واقع ہو گئی۔ ان دونوں بھائیوں کی موت ایک سال سے بھی کم عرصہ کے دوران واقع ہوئی تھی۔ (بحار الانوار ج ۴۹، عیون اخبار الرضا ج ۲)

حمام رضاؑ اور چشمہ کہلان:

کہتے ہیں کہ جب حضرت امام رضاؑ نیشاپور میں داخل ہوئے اور وہاں ایک محلے میں آپؑ اپنی سواری سے نیچے تشریف لائے تو وہاں پر ایک حمام بنایا گیا تھا جو آجکل "حمام رضاؑ"

کے نام سے مشہور ہے اسی حمام کے قریب ایک چشمہ تھا جس کا پانی بہت کم ہوتا تھا چنانچہ امامؑ کی وہاں آمد کے بعد ایک شخص نے اس چشمے کے پاس جا کر وہاں سے پانی نکالا تو ایکدم اس چشمے کے پانی سے خروج میں تیزی آ گئی اور اس چشمے کے ساتھ متصل جو حوض تھا وہ دیکھتے ہی دیکھتے پانی سے بھر گیا۔

امام رضاؑ نے اس حوض میں داخل ہو کر غسل کیا اور اس کے بعد اسی حوض کے کنارے نماز پڑھی جس کے بعد وہاں مسلسل لوگوں نے آ کر اس حوض کے پانی سے غسل کرنا اور بطور تبرک اس چشمے کے پانی کو پی کر مستفید ہونے نیز اسی حوض کے کنارے نماز پڑھنے کے بعد اللہ تعالٰی کے حضور اپنی اپنی مشکلات کے لئے دعا کرنے کا سلسلہ شروع کر دیا اور اللہ تعالٰی کے فضل و کرم سے مستفید ہونے لگے۔ لوگوں کی حاجتیں بھی وہاں دعا مانگ کر قبول ہوتی ہیں علاوہ ازیں وہاں غسل کرنے والوں کو مختلف بیماریوں سے بھی شفا حاصل ہو رہی ہے۔ آج بھی وہاں وہ چشمہ موجود ہے جو کہ "چشمہ کہلان" کے نام سے مشہور ہے اور اس زمانے سے لیکر جب وہاں امام رضاؑ نے غسل کر کے نماز پڑھی تھی اب تک لوگ آتے ہیں اور شفا سے مالامال ہونے کے علاوہ اپنی اپنی حاجات روائی کا سامان بھی کرتے ہیں۔ (بحار الانوار ج۴۹، عیون اخبار الرضا ج۲)

کچھ مورخین کے بقول جس حمام میں امامؑ نے غسل فرمایا تھا وہ موجودہ قدم گاہ ہے۔ کہا جاتا ہے کہ اگر چہ وہاں سے نیشاپور کافی فاصلے پر واقع ہے لیکن بعید نہیں کہ نیشاپور شہر وہاں تک پھیلا ہوا ہو۔ کیونکہ تواریخ میں مذکور ہے کہ نیشاپور شہر سو فرسخ تک پھیلا ہوا تھا۔ اور اس شہر میں بارہ ہزار چشمے واقع تھے۔ قدمگاہ میں پانی کا چشمہ آج بھی امام رضاؑ کے معجزے کی یاد دلاتا ہے۔ اگر چہ وہاں سیاہ رنگ کا ایک پتھر بھی ہے جس پر موجود پاؤں کا نشان آپؑ سے منسوب ہے۔

ابن آشوب نے لکھا ہے کہ اس چشمے کو رابعین کہلان اس لئے کہا جاتا ہے کہ اس کے کنارے ایک ہرن نے امامؑ سے پناہ لی تھی اور ابن حماد نے اپنے قصیدے میں اس حکایت کی طرف اشارہ کیا ہے۔

الذی لاذبه الظبیة و القوم جلوس

من ابوه المرتضی یزکوو یعلوو یروس

بعض دوسرے مورخین نے اس چشمے کی وجہ تسمیہ کے بارے میں لکھا ہے کہ ایک مرتبہ ایک شخص اس چشمے پر غسل کر رہا تھا، وہ غسل کرنے کے بعد اپنی رقم کی تھیلی وہاں بھول کر چلا گیا۔ اسی سال وہ حج کے لئے گیا اور واپس آیا تا کہ اس چشمے پر غسل کرے تو اس نے مشاہدہ کیا کہ دروازہ بند ہے۔ اس نے پوچھا کہ ایسا کیوں ہے؟ تو لوگوں نے بتایا کہ اس کے اندر ایک سانپ بیٹھا ہے جس کی وجہ سے لوگ اندر نہیں جاتے۔ اس شخص نے کسی خوف و ہراس کے بغیر دروازہ کھولا اور اندر جا کر غسل بھی کیا اور رقم کی تھیلی بھی باہر لے کر آ گیا۔ اس نے باہر آ کر لوگوں کو بتایا کہ امامؑ کی برکت سے یہ سانپ اس رقم کی حفاظت پر مامور تھا۔ جب لوگوں نے یہ سنا تو ایک دوسرے سے کہنے لگے۔ اے کابلان، یعنی اے سست لوگو! کیوں تم نے دروازہ کھول کر وہ تھیلی اُڑا نہ لی۔

اس دن سے اس جگہ کا نام کابلان مشہور ہوا اور بعد میں استعمال کی کثرت کی بنا پر کلان ہو گیا۔

صفوانی کے بقول: خراسان سے ایک قافلہ کرمان کی طرف جا رہا تھا، انہیں راستے میں ڈاکوؤں سے پالا پڑ گیا۔ ان میں سے جو امیر شخص تھا اور اس کے بارے میں ان کا خیال تھا کہ اس کے پاس مال و متاع ہے۔ اسے ڈاکوؤں نے مال چھپانے کی غرض سے شکنجہ دیا، یہاں تک کہ اسے برف میں دبایا اور اس کے منہ کو برف سے پُر کر دیا۔ ان ڈاکوؤں کی ایک عورت نے اس پر رحم کھا کر اسے آزاد کر دیا۔ اور اس طرح اس شخص نے وہاں سے راہ فرار اختیار کی۔ لیکن اُس کا منہ اور زبان دونوں گل سڑ گئے اس حد تک کہ وہ بات کرنے کی سکت بھی نہ رکھتا تھا۔ وہ خراسان آیا تو اس نے سنا کہ امام رضاؑ نیشاپور میں تشریف رکھتے ہیں، رات کو خواب میں اسے کسی نے بشارت دی کہ رسولخداؐ کا فرزند خراسان میں آ گیا ہے۔ لہذا جاؤ اور جا کر ان سے اس بیماری کی دوائی لو تا کہ تمہیں شفا نصیب ہو۔ کہنے لگا اچانک میں نے اپنے آپ کو امامؑ کے حضور میں پایا اور جو کچھ مجھے پیش آیا تھا بیان کر دیا فرمایا: زیرہ، صعتر (صعتر ایک جنگلی بوٹی ہے جس کا رنگ و ذائقہ تیز ہوتا ہے اور وہ خوشبودار ہوتی ہے۔ طب میں معدے کے بعض امراض کے معالجے میں استعمال ہوتی ہے۔ اسے عربی میں صعتر اور زعتر بھی کہا جاتا ہے۔ اس کی ایک قسم باغات میں پائی جاتی ہے۔

جسے فارسی میں مرزے کہا جاتا ہے اسے اوشہ، اوشن اور کالون بھی کہا گیا ہے) اور نمک کوٹ کر منہ میں رکھ لو، دو، تین دفعہ ایسا کرو، ٹھیک ہو جاؤ گے۔ اس شخص نے کہا: جب میں جاگا تو اٹھ کر سیدھا نیشا پور کی طرف چلا۔ جب نیشا پور کے دروازے پر پہنچا تو وہاں امامؑ کے بارے میں سوال کیا۔ مجھے بتایا گیا کہ امامؑ نیشا پور سے کوچ فرما کر رباط سعد کی طرف چلے گئے ہیں۔ جب رباط سعد پہنچا اور امامؑ کی خدمت میں حاضر ہوا تو اپنا حال بیان کیا۔ امامؑ نے اچانک فرمایا، کیا میں نے تمہیں اس کا علاج خواب میں بتا نہیں دیا۔ جو کچھ خواب میں بتایا ہے اس پر عمل کرو۔ اس شخص نے کہا میں نے درخواست کی کہ دوبارہ تعلیم فرمائیں۔ فرمایا: تھوڑا سا زیرہ، سعتر اور نمک لے کر اسے کوٹو اور دو تین مرتبہ منہ میں رکھو تا کہ صحت یاب ہو جاؤ۔ اس شخص نے کہا، میں نے ارشاد کے مطابق عمل کیا تو میرا منہ ٹھیک ہو گیا۔ (بحار الانوار ج ۴۹ و عیون اخبار الرضا ج ۲)

ضلع نیشا پور میں امامؑ کی حدیث:

آخر کار امامؑ نے نیشا پور سے خراسان کی طرف حرکت فرمائی۔ جب آپؑ نیشا پور پہنچے تو وہاں کی عوام نے امامؑ کو ہاتھوں ہاتھ لیا اور آپؑ کی پالکی کے گرد پروانہ وار لوٹنے لگے۔ بڑے بڑے عالم، محدث و فقیہ ایک دوسرے پر سبقت لے کر آپؑ کی پالکی کی مہار کو پکڑ کر اپنے اوپر ملتے تھے۔ ان کی صلوات کی آواز آسمان سے ٹکراتی تھی اور ہر طرف اشک شوق کا ایک سیلاب امڈ آیا تھا۔ امامؑ کی سواری لوگوں کے ہجوم کے درمیان جہاں جہاں سے گذر رہی تھی، لوگ دیوانہ وار اپنے امامؑ کی زیارت کو ٹوٹ پڑتے تھے۔ محمد بن اسلم طوسی اور ابو زرعہ نے آپؑ کی سواری کے کجاوے کو پکڑ کر عرض کیا، اے سید السادات، اے امام ابن آئمہ، اے پاک نژاد، اے سید بزرگوار اور اپنے پیشواؤں کی یادگار اور خاندان نبوت کے جلیل القدر فرزند آپؑ کو اپنے اسلاف کا واسطہ اپنے خوبصورت اور ملکوتی چہرے کی زیارت کروائیں اور ہمیں اپنے آباؤ اجداد کی کوئی حدیث ارشاد فرمائیں تا کہ وہ ہمارے پاس یادگار رہے۔

سواری رکی پردہ ایک طرف کو سرکا، لوگ جو پے در پے نہایت بلند آواز میں صلواۃ پڑھ

رہے تھے اور ہر طرف سے امامؑ کی سواری کی طرف ٹکٹکی باندھے ہوئے تھے جونہی ان کی نظریں آپؑ کے رُخ انور پر پڑیں اور دیکھا کہ پیغمبر اسلامؐ کی مانند آپؑ کے دو گیسو ہیں جو شانوں پر ڈھلک رہے ہیں اور آپؑ کا چہرہ گویا آفتاب عالمتاب اپنا نور پھیلا رہا ہے۔ لوگوں نے جب یہ کیفیت دیکھی تو نہ صرف یہ کہ دھاڑیں مار مار کر رونا شروع کر دیا بلکہ کئی نے تو بے اختیار اپنا لباس بھی پھاڑ دیا اور کئی زمین پر لوٹ پوٹ ہونے لگے۔ جو سواری کے نزدیک تھے۔ انہوں نے اپنے آپ کو سواری کے قدموں میں گرا دیا۔ یہ منظر دیدنی تھا نیشاپور کی تاریخ میں اس سے قبل کسی نے ایسا منظر نہ دیکھا تھا۔ آج لوگوں کے جذبات کو قابو میں کرنا کسی بھی طاقت کے بس میں نہ تھا۔

اسی عالم شوق میں دو پہر ہو چلی لیکن امام کے عاشقوں کے چہروں پر آنسوؤں کا سیلاب جاری رہا۔

آخر کاران کو کچھ بزرگوں نے سمجھا بجھا کر چپ کرایا اور کہا! چپ ہو جاؤ اور فرزند رسولؐ کو اس سے زیادہ تکلیف نہ دو۔ آپؑ کی پیشانی پر پسینہ یوں ڈھلک رہا تھا جیسے موتیوں کی لڑی پروئی گئی ہو۔ عمائدین نے لوگوں سے اپیل کی کہ وہ خاموش ہو کر حضرتؑ کی زبان فیض رسان سے مستفید ہوں۔ جب کچھ دیر بعد لوگ ذرا خاموش ہو گئے تو چوبیس ہزار قلمدان حرکت میں آ گئے تا کہ امامؑ کی حدیث کو حرف بہ حرف قلمبند کریں۔ امامؑ نے اپنے مخصوص وقار و متانت سے لوگوں کے لئے حدیث بیان فرمائی۔ آپؑ جو جملہ ارشاد فرماتے علما سے لوگوں تک پہنچاتے۔ آپؑ نے فرمایا:

''حدثنی ابی موسی بن جعفر عن ابیه جعفر بن محمد عن ابیه محمد بن علی عن ابیه علی بن الحسین عن ابیه سید شباب اهل الجنة عن امیر المومنین علیه السلام عن رسول الله صلی الله علیه و آله وسلم قال اخبرنی الروح الامین عن الله تقدست اسمائوه و جل وجهه: انی انا الله لا اله الا انا وحدی، عبادی فاعبدونی و لیعلم من لقینی (جاء خ ل) منکم بشهادة ان لا اله الا الله مخلصاً بها

انہ دخل حصنی و من دخل حصنی امن من عذابی"

ترجمہ: "میں نے اپنے والد بزرگوار اور انہوں نے اپنے والد بزرگوار، اس طرح حدیث کے سلسلہ سند کو امیر المومنینؑ اور رسول خداؐ، جبرائیلؑ اور خداوند تعالیٰ تک پہنچاتے ہوئے فرمایا: کلمہ لا الہ الا اللہ میرا قلعہ ہے جو اس قلعے میں داخل ہوگیا میرے عذاب سے بچ گیا" اس حدیث کو سلسلۃ الذہب کی حدیث کہا جاتا ہے۔ سامانی بادشاہوں نے اس حدیث کو سونے سے لکھ کر اپنے تاج و تخت کی زینت قرار دیا۔ ان میں سے ایک بادشاہ نے وصیت کی کہ اس کو ایک تختی پر لکھ کر اس کے ہمراہ دفن کریں۔ وہ مرنے کے بعد ایک نیک شخص کو خواب میں آیا۔ اس نے پوچھا کہ خدا نے تمہارے ساتھ کیا سلوک کیا۔ کہا، خداوند تعالیٰ نے مجھے لا الہ الا اللہ کا قائل ہونے کی وجہ سے اور محمدؐ رسول اللہ اور ان کے بارہ اوصیاء کی تصدیق کرنے اور اس حدیث کو قبر میں رکھنے کی بنا پر بخش دیا۔

بعض بزرگان دین کا قول ہے کہ اگر اس حدیث کو کسی بیمار کے سرہانے پڑھا جائے یا اس کے لئے لکھا جائے تو حدیث کے متن اور معصومینؑ کے مقدس ناموں کی برکت سے وہ بیمار شفا پائے گا۔

کتاب جواہر کا مصنف شیعہ فقیہ فرماتا ہے: میں اس حدیث کو سند کے ساتھ لکھتا اور خاک کربلا کو گھول کر مریض کو پلاتا تو مریض شفا پا جاتا تھا۔ ایک رات خواب میں حضرت علیؑ کو دیکھا کہ آپؑ نے اس کام کو پسند فرمایا اور اس پر دستخط فرمائے۔ اس حدیث شریف کو روائی کتب میں اختلاف کے ساتھ ذکر کیا گیا ہے۔

بعض کتب میں سند نقل کرنے کے بعد لکھا گیا ہے کہ کلمہ "**لا الــه الا الــلــه حصــنی و من دخل حصنی امن من عذابی**" اور بعض قدیم نسخوں میں عبارت اس طرح سے ہے۔ "**ولایــت علی ابن ابیطالبؑ حصنی و مــن دخــل حصــنی امن من عذابی**" بعید نہیں کہ امامؑ نے ہی یہ دونوں حدیثیں بیان فرمائی ہوں۔

امامؑ کی سواری قدرے آگے بڑھی تو امامؑ نے اپنا بیان جاری فرماتے ہوئے مزید

فرمایا: "**الا بشروطها و انا من شروطها**" لیکن شرائط کے ساتھ اور ان شرائط میں سے ایک میں بھی ہوں' یعنی خداوند تعالیٰ نے فرمایا:

"کلمہ لا الہ الا اللہ میرا قلعہ ہے جو کوئی اس قلعہ میں داخل ہوا میرے عذاب سے بچ گیا۔ لیکن اس کی کچھ شرائط بھی ہیں اور وہ ہے آئمہ علیہم السلام کی ولایت و امامت کا اقرار جن میں سے ایک میں بھی ہوں۔

حسن بن وشاء کے بقول: ایک دن میں مرو میں امامؑ کی خدمت میں بیٹھا تھا کہ آپؑ نے فرمایا: اے حسن علی بن ابی حمزہ، فلاں بطائنی شخص کو آج ہی کے دن دفن کیا گیا ہے اور قبر میں اس کے پاس دو فرشتے آئے ہیں انہوں نے آتے ہی اس سے سوال کیا ہے کہ تیرا رب کون ہے؟ اس نے جواب دیا، اللہ تعالیٰ، انہوں نے سوال کیا، تیرا پیغمبر کون ہے؟ جواب دیا محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، اس کے بعد آئمہ کے بارے میں پوچھا تو اس نے پہلے امام سے لے کر ساتویں امام تک سب کے نام لئے اور جب میری باری آئی تو اس کی زبان میں لکنت آ گئی۔ جس کی بنا پر وہ جواب نہ دے سکا۔ اسے فرشتوں نے سختی سے پوچھا اور کہا کہ بتاؤ، وہ جواب نہ دے سکا۔ اسے کہا کہ کیا موسیٰ بن جعفرؑ نے تمہیں حکم دیا ہے کہ اس طرح خاموشی اختیار کرو۔ اس کے بعد فرشتوں نے اسے آگ کا ایک گرز مارا، جس سے اس کی قبر قیامت تک جلتی رہے گی۔ راوی کا کہنا ہے کہ میں وہاں سے چلا آیا اور امامؑ نے جس دن یہ بات بتائی تھی وہ تاریخ نوٹ کر لی۔ چند دن نہ گذرے ہوں گے کہ اہل کوفہ کے خطوط ملے جن میں اس بطائنی شخص کی موت کے واقع ہونے کا اسی دن اور وقت کا ذکر تھا جس کے بارے میں امامؑ نے فرمایا تھا۔ (بحارالانوار)

حضرت امام رضاؑ کلمہ لا الہ الا اللہ کی شرط:

جو کوئی امام رضاؑ کی امامت پر ایمان لائے تو گویا اس نے آپؑ کے فرزندوں کی امامت کا اقرار بھی کیا اور وہ اثناعشری مسلک کا پیروکار ٹھہرا کیونکہ شیعوں میں تین امامی اور سات امامی تو ہیں لیکن آٹھ امامی کوئی نہیں بلکہ آپؑ کی امامت کے قائل اثناعشری کہلاتے ہیں۔ کیونکہ وہ

آپ کے بعد دوسرے اماموں کی امامت کے بھی قائل ہیں۔ ہنری ماسہ Henri Masse فرانسیسی مستشرق نے امامت کی تشریح اس طرح کی ہے۔ امامت روحانی ومذہبی حکومت ہے جو خدا اور رسول کی مرضی سے دینی امور چلانے کے لئے منتخب افراد کو عطا کی جاتی ہے۔ امامت کے اسرار ورموز ایک امام دوسرے امام کو منتقل کرتا ہے۔ امامت دین ودنیا کی بادشاہی ہے جو مخلوق کو دونوں جہان کی کامیابی پر فائز کرتی ہے۔ امام خدا کی وہ حجت بالغہ ہے جو انسانیت کے خدا سے رابطے کا وسیلہ اور انسانی فطرت کو بیدار کرنے والی ہے۔ امامت ہی ہے جو گنہگار انسانوں کے گناہ کو مٹاتی ہے اور انہیں عفت وتقوی سے ہم کنار کرتی ہے۔

سرخ نامی دیہات میں امامؑ کی تشریف آوری:

قریۃ الحمراء وہی سرخ نامی دیہات ہے جہاں امامؑ کو پہنچتے پہنچتے ظہر ہو چکی تھی۔ امامؑ کے اصحاب نے وہاں نماز پڑھنے کے بارے میں پوچھا تو امامؑ نے فرمایا! پانی لاؤ، کہا گیا، پانی تو نہیں ہے۔ امامؑ نے اپنے مبارک ہاتھوں سے وہاں زمین کو کھودنا شروع کیا وہ پانی اتنی مقدار میں تھا کہ جس سے امامؑ اور آپؑ کے ہمراہ افراد نے با آسانی وضو کرلیا۔ اس جگہ سے خارج ہونے والے پانی کے آثار ابھی تک باقی ہیں۔

اس کے بعد جب امام رضاؑ "سناباد" کے قریہ (گاؤں) میں داخل ہوئے تو وہاں ایک پہاڑ تھا جس کو تراش کر دیگیں (کھانا پکانے والے برتن) تیار کی جاتی تھیں۔ امام رضاؑ نے اس پہاڑ کا تکیہ لیا اور اللہ تعالیٰ کے حضور دعا فرمائی! بار الہا! اس پہاڑ کو نفع بخش قرار دے اور اس پہاڑ کو تراش کر جو برتن بنائے جاتے ہیں ان میں پکائی جانے والی غذاؤں کو مبارک قرار دے اس کے بعد امام رضاؑ نے حکم دیا کہ اس پہاڑ کے پتھر سے ایک دیگچی امامؑ کے لئے تراش کر تیار کی جائے اور اس ضمن میں امامؑ نے تاکید فرمائی کہ آئندہ امامؑ کے لئے جو بھی کھانا پکایا جائے وہ صرف اسی تیار شدہ دیگچی میں ہی پکایا جائے چنانچہ اس کے بعد لوگوں کی توجہ کا مرکز وہ پہاڑ قرار پایا اور لوگوں نے اس پہاڑ کے پتھروں سے برتن بنوائے اور اس طرح امام رضاؑ کی دعا کا اثر یہ ہوا کہ وہ پہاڑ لوگوں کے لئے نفع اور برکت قرار پایا۔

امامؑ کی حمید بن قحطبہ الطائی کے گھر تشریف آوری:

نماز ادا کرنے اور کوہ مجوتی سے گذرنے کے بعد امامؑ مشہد مقدس کے قریبی مضافات سناباد، پھر وہاں سے نوقان اور وہاں سے حمید بن قحطبہ کے گھر تشریف لائے اور اس کے بعد پاس ہی واقع ایک حجرے میں جو ہارون الرشید کی قبر کے قریب واقع تھا۔ مقیم ہو گئے، آپ ہارون الرشید کی قبر کے نزدیک گئے اور اپنے دست مبارک سے لکیر کھینچی اور فرمایا: **ھذہ تربتی و فیھا ادفن و سیجعل اللہ ھذا المکان مختلف شیعتی و اھل بیتی واللہ ما یزورنی منھم زائر ولا یسلم علی منھم مسلم الاوجب لہ غفران اللہ و رحمۃ بشفاعتنا اھل البیت"**

یہ میری (امام رضاؑ) کی تربت ہے اور یہاں میرے اور میری اہل بیت کے پیروکار ہمارا سلام اور زیارت کرنے آئیں گے۔ میں خدا کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ ہمارے شیعوں میں سے جو کوئی بھی میری تربت کی زیارت کا قصد کرے گا ابھی اس نے زیارت نہیں کی ہو گی اور ابھی اس نے مجھے آ کر سلام نہیں کیا ہو گا کہ ہماری شفاعت، اس کی مغفرت اور اللہ کی رحمت اس کے لئے واجب قرار دی جائے گی۔ اس کے بعد امام رضاؑ نے وہاں چند رکعت نماز پڑھی اور پھر دعا فرمائی جب دعا سے فارغ ہوئے تو سر سجدے میں رکھ دیا۔ محدث ہروی کے بقول: میں نے گنا کہ امام نے پانچ سو مرتبہ خداوند تعالیٰ کی تسبیح فرمائی اور پھر سر سجدے سے بلند کیا۔

امامؑ کی سرخس میں آمد:

سرخس، دریائے تجن کے ساحل پر واقع ہے اس کی آب و ہوا خوشگوار اور موسم گرما میں معتدل علاقوں کی نسبت گرم تر ہے۔ مذکورہ دریا سے پینے کے لئے پانی حاصل کیا جاتا ہے۔ سلطان محمد خدابندہ کے مزار کی طرز پر شہر سے تین کیلومیٹر شمال میں ایک گنبد واقع ہے جسے بعض محمد بن امام جعفر صادقؑ کا مدفن سمجھتے ہیں اور بعض لقمان بابا اور دوسرے مشائخ کا مدفن خیال کرتے ہیں۔

دریائے تجن کے مشرق میں فضل بن یحیٰی برمکی کا مزار ہے۔امامؑ نے شہر سرخس کی سیر کی اوراس کے بعد مرو یعنی عباسی خلیفہ کے دارالحکومت کی طرف روانہ ہوئے ۔یہاں بعض مورخین اور محدثین نے غلطی سے امامؑ کو سرخس میں قید لکھا اور عبدالسلام ہروی کا واقعہ ذکر کیا ہے۔اور یہاں وہ کلام کے نقائص کو نہیں سمجھ سکے اور وہ ان باتوں کو اس سلسلے میں ذکر کر رہے ہیں ۔اگر ایسی باتیں ہوئی ہوں اور ہمارے لئے حجت بھی قرار پائیں تو اس بات کی دلیل ہے کہ امامؑ ایک عرصے تک سرخس میں نظر بند رہے ہوں گے۔جس دوران آپؑ کو کسی سے ملنے سے منع کردیا گیا ہو۔لیکن شروع میں جب کہ آپؑ یہاں سے گذر رہے تھے تو آپؑ کا پرتپاک خیر مقدم کیا گیا اور نہایت ادب واحترام سے دارالحکومت "مرو" لے جایا گیا۔یہاں یہ بات بے معنی ہے کہ امامؑ کو یہاں سے گذرنے کے دوران نظر بند کیا گیا۔اور امامؑ تقریباً ایک سال سرخس میں مقیم عبادت وریاضت میں مشغول رہے ہوں ۔چنانچہ جیسا کہ ذکر کیا گیا ۔امامؑ ایک عرصے یعنی ایک سال تک سرخس میں نظر بند رہے۔ممکن ہے ایسا ولیعہد متعین کئے جانے سے قبل ہوا ہو کیونکہ ظاہر ہے جب آپؑ کو مرو میں ولی عہدی دے دی گئی تو آپؑ کا احترام بھی ملحوظ خاطر رکھا ہوگا۔

عبید جبلی نے اپنے والد سے روایت نقل کی ہے کہ اس نے اپنی دادی سے سنا کہ اس کے والد نے کہا: جب امامؑ نیشاپور تشریف لائے تو میں ان کی پالکی کا مہاری مقرر ہوا۔میں سرخس شہر کی حدود تک آپؑ کے ہمراہ رہا۔جب امامؑ کی پالکی نے سرخس سے مرو کی جانب رخ کیا تو میں نے چاہا کہ امامؑ کی ہمراہی کروں لیکن امامؑ نے سر مبارک پالکی سے باہر نکال کرارشاد فرمایا: یہاں سے واپس ہوجاؤ۔تم نے اپنا فریضہ نبھا دیا ہے۔آخر کہاں تک مجھے وداع کہنے آؤ گے؟ میں نے عرض کیا آپؑ کو اپنے آباؤ اجداد محمدؐ، فاطمہؑ وعلیؑ کا واسطہ کوئی ایسی حدیث ارشاد فرمائیں جس سے دل کو قرار آئے۔ فرمایا! "میرے والد بزرگوار نے میرے دادا اور انہوں نے اپنے والد بزرگوار اور پھر انہوں نے امیر المومنین علی بن ابی طالبؑ اور ان بزرگوار نے جناب رسولخداؐ اور جناب رسولخداؐ نے خداوند تعالیٰ سے سنا ہے کہ حق تعالیٰ نے فرمایا" لاالہ الا اللہ میرا قلعہ ہے اور جو خلوص نیت سے

اس قلعے میں داخل ہوا میرے عذاب سے بچ گیا"

امامؑ کا مروؔ میں ورودِ مسعود:

جب مرو میں یہ خبر پھیلی کہ امامؑ تشریف لا رہے ہیں تو ہر کوئی خوشی و مسرت سے جھوم اٹھا۔ عوام تمام شہر کو سجانے میں لگ گئے عمارات کی تزئین و آرائش میں کوئی کسر نہ چھوڑی گئی اور مقر چوک سے سرخس دروازے تک کو رنگ برنگے ساز و سامان سے دلہن کی طرح سجایا گیا۔

نصف ماہ محرم ۲۰۱ ہجری میں یہ خبر سارے شہر میں پھیل گئی کہ کل وہ عظیم الشان مہمان جس کا کئی دنوں سے انتظار ہو رہا تھا، عوام اس کی راہ میں آنکھیں بچھائے بیٹھے تھے، بس کل تشریف فرما ہونے والا ہے۔ اس خبر نے عوام میں تہلکہ مچا دیا لوگ خوشی سے پھولے نہیں سماتے تھے اور فرطِ جوش و انبساط میں ایک دوسرے کو مبارکبادیں دے رہے تھے۔

جونہی صبح کا ترکا نمودار ہوا، عوام امامؑ کے استقبال کے لئے جوق در جوق اس راستے کی طرف بڑھنے لگے جہاں سے آپؑ کی آمد متوقع تھی۔ ایک سیلاب تھا کہ اُمڈا چلا جاتا تھا۔ اس بے قابو ہجوم میں نہ صرف مرد و عورتیں تھیں بلکہ بچے و بوڑھے بھی فرزندِ رسول کی ایک جھلک دیکھنے کے لئے بے تاب تھے۔ ایسا استقبال مرو کی تاریخ میں بے نظیر تھا۔ ہر جگہ لوگ ایسی عظیم ہستی کی باتیں کر رہے تھے۔ جو اہلِ دل کے تعریف کا کعبہ اور عالمِ اسلام کا روشن مینار تھا، وہ ہستی جو خدا اور رسول کے برگزیدہ بندوں کا وارث اور ان کی آل سے تھا۔ یقیناً آپؑ ہی کی ہستی تمام شیعوں کی دلچسپی کا محور تھی۔ جوں جوں وقت گذرتا رہا، لوگوں کے شور و شوق میں اضافہ ہوتا رہا۔ عوام نے خوشی و مسرت سے آسمان سر پر اُٹھایا ہوا تھا، آپؑ ایسی پالکی میں سوار تھے۔ جو صندل کی لکڑی سے بنائی گئی تھی اور جس پر خوبصورت نقش و نگار کئے ہوئے تھے اور جس پر ایک پردہ لٹکا ہوا تھا۔ سواری کی مہار ایک بلند قامت شخص جو آپؑ کا قابلِ اعتماد تھا کے ہاتھ میں پکڑی ہوئی تھی۔ جو کچھ تھا پالکی کے اندر تھا، کیونکہ تمام نظریں اسی پر لگی تھیں اور عوام و خواص منتظر تھے کہ کسی طرح پردہ ہٹے اور وہ اس ہستی کی زیارت کریں۔ جس کے دیدار کے لئے وہ گھنٹوں سورج کی تمازت کو برداشت کرتے

رہے اس کا دیدار کریں اور اپنے دل کو روحانی اور آسمانی جلاء بخشیں۔لوگ فرط جوش میں ایک دوسرے کو مبارک باد کہہ رہے تھے اور ایک دوسرے کے بوسے لے رہے تھے۔ان کی زبانوں سے بار بار یہی صدا آ رہی تھی کہ اے موسٰی کاظمؑ کے بیٹے خوش آمدید،اے فرزند زہرا(س)!ہم آپ کی راہ میں آنکھیں بچھاتے ہیں۔قلب ماروشن دل ماشاد او نچی آواز سے درود پڑھ رہے تھے اور اہل النبی اھلا ومرحباً احلک اللہ فی الجنۃ احلک اللہ للخیر ۔۔۔۔۔کی صدائیں بلند کر رہے تھے۔

یہ شاندار اور خوبصورت پالکی عشق ومحبت سے سرشار ہزاروں افراد کے ہجوم سے گذرتی ہوئی مرو میں واقع قصر شاہی کے راستے کو عبور کرتی ہوئی کشتری کی سیڑھیوں تک جا پہنچی۔تمام سوار اپنی سواریوں سے اتر آئے اور ایک طرف کو چلے گئے سوائے مامون اور فضل کے جو پالکی کے پاس کھڑے رہے۔پالکی کا پردہ ایک طرف کو سرکا اور اس کے پیچھے سے پہلے ایک نہایت ہی خوبصورت چہرے کی جھلک دکھائی دی اور اس کے بعد ایک بلند قد وقامت شخصیت نمودار ہوئی، کھرا چودھویں کے چاند کی مانند جو عالم اسلام کو روشن وتاباں کرنے والی اور دنیائے شیعیت کی امامت کی علمبردار،چندے آفتاب وچندے مہتاب۔جونہی امامؑ نے پالکی کی سیڑھی پر قدم مبارک رکھا ہر طرف سے درود وسلام کی صدائیں بلند ہونے لگیں،چہروں پر اشک شوق بکھر رہے تھے اور دل خوشی سے پھولے نہ سماتے تھے۔یہ تھے آٹھویں امام اور علی مرتضٰی وفاطمہ زہرہؑ کے ساتویں فرزند۔آپؑ کے دو گیسو مبارک آپ کے جد امجد جناب رسولخداؐ کی مانند تھے اور پرکشش چہرے کے حامل تھے،آپؑ کی سیاہ رنگ آنکھیں،آپؑ کی ظاہری اور روحانی شخصیت کے حُسن کو دوبالا کر رہی تھیں،گھنی داڑھی،میانہ قد،نہایت پروقار اور پرشکوہ شخصیت،ایسی جاذب ہستی جو ایک ہی نظر میں انسانوں کو اپنا شیفتہ بنا لے اور اپنی روح کی عظمت کی فریفتہ کر لے۔آپؑ کا لباس انتہائی سادہ اور انگشتری پر "حسبی اللہ" کا نقش مبارک کندہ تھا۔

امامؑ کی آؤ بھگت:

مامون نے حکم دیا کہ امامؑ کو اس کی رہائش گاہ سے ملحقہ مکان میں رہائش دی جائے اس طرح ان دو رہائش گاہوں کا باہمی فاصلہ ایک دہلیز کا تھا۔ مامون نے امامؑ سے عرض کیا، یہ دروازہ ہمیشہ آپؑ کے لئے کھلا رہے گا اور کوئی آپؑ کا مانع نہیں ہوگا۔ امامؑ اپنے مخصوص مقام پر تشریف فرما ہو گئے اور لوگوں سے ملاقاتوں کا سلسلہ شروع ہو گیا۔

لکھتے ہیں: اس دن ۳۳ ہزار سے زائد عباسیوں نے جو دارالحکومت میں مقیم تھے، مامون کے حکم پر امامؑ کی بیعت کی اور امامؑ کے اعزاز میں شاندار محافل کا اہتمام کیا گیا۔ ایک عرصہ کے بعد مامون نے امامؑ کو جس مقصد کے لئے بلوایا تھا، اسے عملی جامہ پہنانے کی طرف توجہ دی۔ چنانچہ مامون نے فیصلہ کیا کہ علویوں کی تحریکوں کو ماند کرنے کے لئے امامؑ کو اپنا ولیعہد قرار دے۔

ولیعہدی کا ماجرا:

مامون ایک کہنہ مشق سیاستدان اور استبدادی خوبیوں کا مکمل مرقع بادشاہ تھا۔ جنہیں وہ نہایت مہارت سے ظاہری اور خفیہ طور سے عملی جامہ پہناتا تھا۔ آج اگر معتبر تاریخی اسناد ہمارے ہاتھ نہ لگتیں تو ہم بھی دوسروں کی طرح شک و شبے کا شکار ہو جاتے اور حقائق سے روگردانی کے مرتکب ہوتے۔ چند دن گذرنے کے بعد مامون امامؑ کی خدمت میں حاضر ہوا اور نہایت سنجیدہ صورت بنا کر پہلے چند علمی سوال پوچھے اور امام علی بن موسیٰ الرضاؑ سے گفتگو میں مشغول ہو گیا، اس نے جب محفل کو آمادہ دیکھا تو امامؑ کی طرف رخ کرتے ہوئے یوں مخاطب ہوا:

میں نے عباس اور علیؑ کی اولاد میں غور کیا ہے۔ میں یہ بات مطالعے کے بعد اور بلا مبالغہ کہہ رہا ہوں کہ اے فرزند رسولﷺ! علم و فضل، دانش، تقویٰ، اور عبادت میں ان سب میں سے کوئی بھی آپؑ سے بڑھا ہوا نہیں اور ان میں سے کوئی بھی آپؑ سے زیادہ اسلامی خلافت کا حقدار نہیں۔ میں نے ایک عرصے سے اپنے تئیں یہ فیصلہ کر رکھا ہے کہ خلافت سے الگ ہو جاؤں۔ لیکن میں فیصلہ نہیں کر پا رہا تھا کہ کسے امت اسلامی کی سربراہی سپرد کروں، آج یہ معمہ حل ہو چکا ہے۔ آپؑ سے زیادہ اس عہدے پر فائز ہونے کا کوئی سزاوار نہیں، لہٰذا میں یہ ذمہ داری آپؑ کے سپرد کرتا ہوں۔

امامؑ نے فرمایا: "**بالعبودية لله عزوجل افتخر و بالزهد فی الدنيا ارجو النجاة من شر الدنيا و بالورع عن المحارم ارجو الفوز بالمغانم و بالتواضع فی الدنيا ارجو الرفعة عند الله - عزوجل!**"

مجھے خداوند تبارک وتعالٰی کی بندگی پر فخر ہے اور زہد وتقویٰ کے ذریعے اس دنیا کے شر سے نجات کا امیدوار ہوں۔ نیز امید ہے کہ گناہوں سے اجتناب کرنے کے باعث اور ذات باری تعالٰی کے سامنے عجز وانکسار کی بنا پر اس کے ہاں بلند مرتبے پر فائز کیا جاؤں گا۔

مامون نے ایڑی چوٹی کا زور لگایا، اس نے اپنی درخواست کو دو مرتبہ تکرار کیا، کہا میرے چچازاد، میرا دل چاہتا ہے کہ خود خلافت سے الگ ہو جاؤں اور خلافت کو اصلی اور حقیقی راستہ پر گامزن کروں۔ اس سلسلے میں سب سے پہلے میں آپؑ کی بیعت کرتا ہوں۔

امام رضاؑ نے فرمایا: اگر خداوند تبارک وتعالٰی نے آپ کو اپنا خلیفہ مقرر کیا ہے تو آپ کے لئے جائز نہیں کہ آپ دوسرے کے سپرد کریں اور اگر خلافت آپ کا حق نہیں تو اس صورت میں بھی آپ کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ آپ کسی دوسرے کے سپرد کریں کیونکہ اس کا آپ سے سرے سے تعلق ہی نہیں۔

مامون مزید سنجیدہ ہو گیا۔ کہنے لگا! میرا نظریہ یہی تھا جو میں نے بیان کر دیا آپ کو ہر صورت میں یہ بات قبول کرنا ہو گی۔ امامؑ نے فرمایا: مجھے معاف کرو۔ میں یہ بات ہرگز قبول نہیں کروں گا۔ ادھر مامون کا اصرار جس قدر بڑھتا جاتا تھا، اسی قدر امامؑ کے انکار میں تختی آتی جاتی تھی۔ جب مامون نے یہ مشاہدہ کیا کہ امامؑ کسی صورت اس کے مطالبے کے آگے سر تسلیم خم کرنے کو تیار نہیں تو اس نے اپنے پہلے سے طے شدہ منصوبے کو عملی جامہ پہنانے کے لئے ایک اور پیشکش کی اور یہی اس کا اصلی مقصد تھا۔

اے فرزند رسولؐ! اگر آپؑ خلافت کو قبول نہیں فرماتے تو ولی عہد بننا قبول فرمائیں تا کہ میرے بعد خلافت صرف آپؑ سے منسوب ہو جائے۔ یہاں امامؑ نے حقائق پر پردہ ڈالتے ہوئے مامون کے بُرے ارادے کی طرف اشارہ فرمایا: خداوند بزرگ و برتر کی قسم میں نے اپنے والد گرامی اور انہوں نے آباؤاجداد، امیر المومنین علی ابن ابی طالبؑ اور جناب رسولِ خداؐ سے سنا ہے کہ میں انتہائی مظلومیت کی حالت میں زہر سے شہید کیا جاؤں گا اور زمین وآسمان کے فرشتے مجھ پر گریہ کرینگے اور مجھے تمہارے باپ ہارون الرشید کے پہلو میں دفن کیا جائے گا۔

مامون نے رونا دھونا شروع کردیا اور آپؑ سے یوں مخاطب ہوا: اے فرزند رسولؐ! میری موجودگی میں کون آپؑ کو شہید کرسکتا ہے؟ یا کسی میں یہ جرأت ہے کہ وہ آپؑ کی ذات اقدس کی بےادبی کا مرتکب ہو؟

امامؑ نے اپنی بات جاری رکھتے ہوئے فرمایا! میں اس شخص کو اچھی طرح جانتا ہوں جو مجھے قتل کرے گا۔

مامون نے یہاں امامؑ کے کلام کو قطع کرتے ہوئے کہا: کیا آپؑ خلافت اور ولیعہدی کو اس لئے قبول کرنے کو تیار نہیں کہ لوگ آپؑ کو زاہد و عابد کہیں؟

امامؑ: خدا کی قسم جب سے خداوند تعالٰی نے مجھے خلق کیا ہے کبھی جھوٹ کا ارتکاب نہیں کیا اور میں نے زہد و تقویٰ اس دنیا کے لئے اختیار نہیں کیا مزید یہ کہ میں تیرے ارادے سے اچھی طرح واقف ہوں۔

مامون نے قدرے تلخ لہجے میں پوچھا! میرا کیا ارادہ ہے؟

امامؑ: اگر امان ملے تو بتاتا ہوں۔

مامون: آپؑ کے لئے امان ہے۔

امامؑ: تم لوگوں کو مجھ سے بدظن کرنا چاہتے ہو تا کہ لوگ یہ کہیں کہ علی بن موسٰی الرضاؑ زاہد نہیں تھا بلکہ اس نے دنیا کے حصول کے لئے اور خلافت تک رسائی حاصل کرنے کے لئے ولی عہدی کو قبول کیا۔

مامون غضبناک ہوا: مجھے آپؑ ناراض کرنے پر تلے ہوئے ہیں۔ صاف صاف بتا دوں کہ خدا کی قسم اگر آپ ولیعہد بننا قبول نہیں کرینگے تو آپ کی گردن اُڑا دوں گا۔ "والاضربت عنقک" (عیون ج ۲ و بحار الانوار ج ۴۹) امامؑ فوراً بھانپ گئے کہ مامون اپنے ارادے سے باز آنے والا نہیں لہذا آپؑ نے مجبوراً مذکورہ عہدے کو قبول کرتے ہوئے ارشاد فرمایا!

اے میرے خالق! تو نے فرمایا ہے "**ولاتلقوا بايديكم الى التهلكة**" یعنی "اپنی جانوں کو اپنے تئیں ہلاکت میں مت ڈالو"

اسی بنا پر میں ولی عہدی قبول کرنے پر مجبور کیا گیا ہوں کیونکہ اگر میں ایسا نہ کروں تو مامون کی طرف سے مجھے اپنے قتل کا اندیشہ ہے۔ جیسے یوسف ودانیال نے اپنے زمانے کے باغی کے خوف سے ولایت کو قبول کیا تھا۔" **اللھم لا عھد الا عھدک ولا ولایۃ الا من قبلک نوفقنی لاقامۃ دینک واحیاء سنۃ نبیک فانک انت المولی و النصیر و نعم المولی انت و نعم النصیر** "یعنی" خدایا! تیرے وعدے جیسا کسی کا وعدہ نہیں، تیری جیسی کسی کی بادشاہی نہیں، مجھے اپنے دین کو قائم کرنے کی اور پیغمبر اسلام کی سنت کو زندہ کرنے کی توفیق عنایت فرما کیونکہ تو ہی میرا مولا و مددگار اور بہترین سرور و نصرت کرنے والا ہے۔ (بحار الانوار جلد ۴۹ وعیون اخبار الرضا باب ۳۹ حدیث ۳ و ۴)

فضل بن سہل نوبختی کا قول ہے: جس زمانے میں امامؑ کی ولیعہدی زیر بحث تھی میں نے سوچا کہ کیوں نہ مامون کا امتحان لوں، دیکھوں کہ وہ واقعاً ایسا ارادہ رکھتا ہے یا یہ کہ یہ اس کی سیاسی حکمت عملی کا حصہ ہے؟ لہذا میں نے ایک خط لکھا اور اس کے رازدان غلام کے سپرد کیا تاکہ وہ اسے مامون تک پہنچائے: ذوالریاستین ولیعہدی کا عقد پڑھنے کا ارادہ رکھتا ہے جبکہ ستارہ سرطان ہے اور مشتری سرطان میں داخل ہے اگرچہ مشتری برج شرف میں ہے لیکن سرطان کا معاملہ اس کے برعکس ہے۔ جو کام اس برج میں انجام دیا جاتا ہے تکمیل نہیں پاتا۔ مزید یہ کہ مریخ میزان کے سب سے نچلے درجے میں پایا جاتا ہے۔ اور یہ کام کسی نحوست پر دلالت کرتا ہے۔ میں نے مامون کو اس لئے اس مسئلے سے آگاہ کیا ہے تاکہ اگر کوئی اور آپ کو یہ بات بتائے تو آپ مجھ پر گلہ وشکوہ اور مجھے سرزنش نہ کریں کہ میں نے آپ کو اطلاع کیوں نہ دی!

مامون نے میرے جواب میں لکھا: ایسا خط ہرگز میرے مخصوص خادم کو نہ دو اور خبردار تمہاری ان باتوں کا کسی کو علم نہ ہونے پائے، اگر ذوالریاستین اپنا ارادہ ترک کر کے یہ کام کسی اور وقت پر ٹال دے تو میں اس گناہ کا سبب تمہیں گردانوں گا۔

نوبختی کا کہنا ہے: جونہی میں نے جواب پڑھا میرے پاؤں کے نیچے سے زمین نکل گئی اور میں اپنے اس اقدام پر کف افسوس ملنے لگا۔ اتنے میں مجھے اپنے ذرائع سے پتہ چلا کہ ذوالریاستین ایک ماہر نجومی ہونے کی بنا پر اس بات سے آگاہ ہے اور مامون کی پیشین گوئی کے مطابق اپنے ارادے سے

منحرف ہو گیا ہے۔اب میں ڈر گیا اور مجھے شدید خطرے کا احساس ہوا۔ذوالریاستین کے پاس گیا تا کہ اس مشکل کا کوئی حل ڈھونڈوں میں نے پہنچتے ہی اس سے سوال کیا، کیا آسمان میں مشتری سے زیادہ سعید ستارہ ہے؟ کہنے لگا نہیں، میں نے کہا، کیا تمہیں علم ہے کہ مشتری شرف میں ہے؟!اس نے میرے قول کی تصدیق کی، میں نے لو ہا گرم دیکھ کر کہا، پس دیکھتے کیا ہو، ولیعہدی کا عقد پڑھ ڈالو۔اس نے میری بات سن لی اور مذکورہ امر بجالایا لیکن پھر بھی میرا خوف وہراس برقرار رہا۔مامون الرشید کے غیض وغضب سے ڈر کی بنا پر مجھے کچھ علم نہیں تھا کہ اس جہان فانی کا باشندہ ہوں یا اسے وداع کہہ کر عالم برزخ میں سکونت پذیر ہو گیا ہوں (عیون اخبار الرضاج ۲)

قارئین محترم! اس واقعے کی روشنی میں یہ بات روز روشن کی طرح عیاں ہو جاتی ہے کہ مامون اپنے پلید ارادے کو تیزی سے انجام دینا چاہتا ہے۔یہاں تک اسے بتا دیا گیا تھا کہ ایام نحس ہیں لیکن اس نے اس کی پرواہ کئے بغیر اپنے سیاسی مقاصد کو عملی جامع پہنانے کی ٹھانی اور ساتھ ہی ساتھ نوبختی کو دھمکی دی کہ اگر اس نے اس کام میں رخنہ ڈالنے کی کوشش کی تو اس کی خیر نہیں ہوگی۔اس طرح اس ملعون نے اپنے ناپاک مقاصد کے لئے راستہ ہموار کیا۔

مورخین کے بقول مامون اور امامؑ کے درمیان تقریباً ایک ماہ تک مذاکرات کا دور چلتا رہا۔ امامؑ اسی پر زور دیتے رہے کہ انہیں یہ عہدہ قبول نہیں کیونکہ امامؑ عباسیوں کے شاہی نیٹ ورک کو اسلامی خلافت کا نام دے کر قبول نہیں کر سکتے تھے اور قرار پا جاتا کہ امامؑ مامون کے حکومتی ڈھانچے میں شامل ہو جاتے تو بھی امامؑ کی حکمت عملی یہی ہوتی کہ آپؑ اس بادشاہت کو سرے سے نابود کر کے اس کے کھنڈرات پر ایسی حکومت تشکیل دیتے جیسی امیر المومنین علی بن ابی طالبؑ نے تشکیل دی تھی۔لیکن چونکہ اس زمانے کی شرائط اور مامون کی اقتدار پر گرفت کے موجب ایسا ممکن نہیں تھا لہذا ہم دیکھیں گے کہ امامؑ نے ملکی امور میں عدم مداخلت کی شرط پر ولیعہد بننا قبول کیا اس طرح ان کی شہادت تک محض پروٹوکول تک محدود یہ عہدہ ان کے پاس رہا۔

فضل بن سہل نے اس بارے اپنے قریبی ساتھیوں سے کہا: مجھے ایسی خلافت سے تعجب ہے جو اس قدر بے قدر و قیمت اور حقیر ہے کہ ایک اسے اپنے آپ سے دور کر رہا ہے تو دوسرا پیش کرنے پر اصرار کر رہا ہے ادھر پیش کرنے پر اصرار ہے تو اُدھر انکار کرنے پر اصرار ہے۔

۹ رمضان المبارک ۲۰۱ ھ بروز سوموار مامون عباسی کے حکم پر اس کے محل میں ایک شاہی تقریب کا اہتمام کیا گیا۔ اس تقریب کے لوازمات پہلے سے ذوالریاستین نے فراہم کردیئے تھے۔ دارالعوام کے ہال کے فرش کو قیمتی قالینوں سے سجایا گیا تھا۔ اس ہال میں جگہ جگہ آئینے لگائے گئے اور چراغ و شمعیں رکھی گئیں، ہر سُو پھولوں کے گلدستے سجائے گئے۔ مہمانوں کے استقبال کے لئے سیاہ سرکاری لباس جو عباسیوں کا شیوہ تھا زیب تن کئے ہوئے خدام کھڑے کئے گئے جو ہر آنے والے کا استقبال نہایت گرمجوشی سے کرتے۔ اس تقریب میں جنہیں مدعو کیا گیا ان میں افواج کے کمانڈر، قبائل کے سردار، عمائدین، حکومتی کارندے اپنے اپنے مخصوص لباس میں ملبوس شامل تھے جب ہر ایک اپنی اپنی مسند پر بیٹھ گیا تو ان میں ہر دو افراد ایک دوسرے سے سرگوشیاں کرنے اور اس محفل کے انعقاد کے متعلق چہ میگوئیاں کرنے لگے۔ اسی اثناء میں خلیفہ کا خاص غلام پکارا: بادشاہ سلامت ''مامون''

تمام لوگ اٹھ کھڑے ہوئے گویا کوئی بڑی شخصیت ہال میں داخل ہونے والی ہے۔ سنہری پردے ایک طرف کو سرکے تو سر تعظیم کے لئے خم ہو گئے۔ امام علی بن موسیٰ الرضاؑ ، موسیٰ بن جعفر کے بیٹے اور ہارون رشید کا بیٹا عبداللہ مامون ہال میں داخل ہوئے۔ جبکہ فضل بن سہل ان کے پیچھے آتا ہوا دکھائی دے رہا تھا۔

امامؑ اور مامون محفل کے مرکزی مقام پر دو کرسیوں پر بیٹھے اور امامؑ نے حاضرین محفل کو بیٹھنے کی اجازت مرحمت فرمائی۔ مامون نے کالا عمامہ اور خلافت کا لباس زیب تن کیا ہوا تھا اور حکومتی چادر اپنے کاندھے پر ڈال رکھی تھی، جبکہ امامؑ نے سبز رنگ کا عمامہ اور لباس زیب تن کیا ہوا اور تلوار حمائل فرمائی ہوئی تھی۔ (بحارالانوار)

محفل میں محو کا عالم تھا۔ تمام نگاہیں حضرتؑ کی طرف اُٹھیں ہوئیں۔ مامون جو ایک بہترین مقرر تھا۔ اپنی جگہ سے اٹھا۔ اس نے خداوند تبارک وتعالٰی کی حمد وثنا بیان کرنے اور شکر بجالانے کے بعد نبی اکرمؐ پر درود وسلام بھیجا اور اس کے بعد حضرت امام علی بن موسیٰ الرضاؑ کی شخصیت اور آپؑ کے علمی مرتبے اور زہد وتقویٰ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا:

میں نے اپنے عظیم چچا زاد کو اپنا ولیعہد مقرر کیا ہے۔ اور میں نے یہ اقدام خدا کی رضا اور مسلمانوں کے امور کی حفاظت کے لئے اٹھایا ہے۔ اب آپ جانیں اور امام علی بن موسیٰ بن جعفرؑ بن محمدؑ

بن علیؑ بن الحسینؑ بن علی ابن ابی طالبؑ، خدا کی قسم اگر یہ نام گونگے اور بہرے افراد پر پڑھے جائیں تو وہ بحال ہو سکتے ہیں۔ (عیون اخبار الرضاج ۲)

پھر اپنے فرزند عباس کو حکم دیا کہ امامؑ کی بیعت کرے۔ امامؑ نے اپنے ہاتھ کی ہتھیلی کو لوگوں کے سامنے کھلا رکھا اور لوگوں کو دکھایا کہ جناب رسولخداؐ لوگوں سے اس طرح بیعت لیتے تھے۔ عباس نے امامؑ کے ہاتھ کا بوسہ لیا اور اس کے بعد محمد بن جعفر بن محمد جو امامؑ کے چچا تھے۔ امامؑ کے پاس آئے انہوں نے امامؑ کے ہاتھ کا بوسہ لیا۔ آپ نے مامون کے ہاتھ کا بوسہ لینے سے اجتناب کیا۔ اس کے بعد ابو عباد نے پہلے سے تیار شدہ انعامات علویوں اور عباسیوں کے درمیان تقسیم کئے۔ پھر مامون نے امامؑ سے درخواست کی کہ لوگوں سے خطاب کریں۔

امامؑ نے نہایت فصیح و بلیغ خطبہ ارشاد فرمایا: سب تعریفیں اس خداوند بزرگ و برتر کے لئے ہیں جو اپنے افعال کا مختار کل ہے، کوئی اس کے حکم کی سرپیچی نہیں کر سکتا اور نہ ہی اس کی قضا و قدر کی راہ میں رکاوٹ بن سکتا ہے۔ وہ آنکھوں کی خیانت اور دلوں کے راز جانتا ہے۔ اس کے پیغمبر محمدؐ اور ان کی پاک و پاکیزہ آل پر درود ہو، میں موسیٰ ابن جعفرؑ کا بیٹا علیؑ ہوں، میں یہ کہوں گا کہ بادشاہ "مامون" خدا نیک کاموں میں اس کی مدد کرے اور اسے صراط مستقیم پر چلنے کی توفیق عنائت فرمائے۔ اس نے ہمارے ایسے حق کو پہچانا جس سے دوسرے بے خبر تھے۔ اس نے قرابت داری کو جو کٹ گئی تھی، جوڑ دیا اور پژمردہ انسانوں کو آسودگی اور راحت کا سامان بہم پہنچایا بلکہ انہیں زندہ کر دیا۔ انہیں اس زمانے میں جب ضرورت مند تھے ضائع ہونے سے بچایا اور بے نیاز کر دیا، اس نے اس سلسلے میں صرف خداوند تعالیٰ کی خوشنودی کو مدنظر رکھا اور اس کے علاوہ کسی سے لالچ نہیں رکھی۔ خداوند تعالیٰ جلد شکر گزاروں کو اجر عنائت فرماتا اور نیک لوگوں کے اجر کو ضائع نہیں فرماتا۔ اس (مامون) نے مجھے ایک عہد و پیمان کا پابند کیا ہے، اگر میں اس کے بعد زندہ رہا تو مجھ پر بہت بڑی ذمہ داری عائد ہوتی ہے۔ جو کوئی اس گرہ کو کھول ڈالے جس کو برقرار رکھنے کا اللہ نے حکم دیا ہے۔ گویا اس نے خداوند تعالیٰ کی حدود کو توڑا اور اس کے حلال کو حرام قرار دیا ہے۔ کیونکہ اس طرح اس نے امامؑ کی نافرمانی کی اور اسلام کا احترام نہیں کیا۔

ہمارے اسلاف نے اپنے وعدوں کا ہمیشہ پاس کیا، صبر و استقامت سے کام لیا انہوں نے مشکلات کا ڈٹ کر مقابلہ کیا۔ انہوں نے مسلمانوں میں اتحاد و یگانگت اور دین کو تفرقہ سے بچانے کی

خاطر تمام مشکلات کو برداشت کیا۔ اگر وہ ایسا نہ کرتے تو جاہلیت کا دور پھر پلٹ آتا اور منافقین جو گھات لگائے ہوئے تھے۔ اس موقع سے ناجائز فائدہ اُٹھاتے۔ مجھے نہیں معلوم کہ آئندہ میرے ساتھ اور آپ کیساتھ کیا پیش آنے والا ہے۔ حکم صرف خداوند تبارک وتعالٰی کا چلتا ہے۔ وہ حق کو جدا کرنے والا ہے کیونکہ جدا کرنے والوں میں وہ سب سے بہترین جدا کرنے والا ہے۔ (بحار ج ۴۹ والصدر ج ۲)

جفر و جامعہ سے ثابت ہے کہ یہ امر اپنے انجام کو نہیں پہنچ سکے گا یعنی پایہ تکمیل تک نہیں پہنچ سکے گا۔ (کشکول شیخ بہائی)

امامؑ کا خطبہ تمام ہوا تو ہال میں ہر سو درود و سلام کی صدائیں گونجنے لگیں۔ امامؑ کی خدمت میں طرح طرح کے لباس اور دوسرے تحائف پیش کئے گئے۔ لوگ آتے تھے اور آپ کی بیعت کرتے تھے۔ (جرجی زیدان لکھتا ہے: بیعت وہ عہد و پیمان ہے جو حاکم اور محکوم کے درمیان باندھا جاتا ہے۔ اس میں دوسرا اپنی زندگی کے تمام اختیارات پہلے کے سپرد کر دیتا اور وعدہ کرتا ہے کہ وہ ہر صورت اس کا حکم بجالائے گا اگرچہ یہ حکم اس کے فائدے میں ہو یا نقصان میں اور ہرگز اس سے نہیں الجھے گا۔ لفظ بیعت 'باع' سے مشتق ہے جس کے معنی بیچنے کے ہیں۔ بیعت میں بیچنے والے اور خریدنے والے کی طرح ہاتھ میں ہاتھ دے کر قول و قرار کیا جاتا ہے۔ اسلام میں سب سے پہلی بیعت، بیعت عقبہ کے نام سے یاد کی جاتی ہے۔ جو پیغمبر اسلامؐ کے ہاتھ پر کی گئی تھی۔ تاریخ تمدن اسلام جلد ۱)

سب نے امامؑ کی بیعت کی ماسوائے تین اشخاص کے، عیسٰی جلودی، علی بن ابی عمران اور ابو یونس جو اس دن مامون کی جیل میں قید تھے۔ ان کے انجام کے بارے بعد کے صفحات میں ذکر آئے گا۔ حاضرین محفل کو انعامات سے نوازا گیا۔ خطباء و شعرائے کرام نے امامؑ کی شان میں قصائد پڑھے اور آپؑ کی فصاحت و بلاغت بیان کی داد دی۔ عبدالجبار جو ایک زبردست مقرر تھا۔ اس نے ایک مفصل خطبہ پڑھا اور اپنی تقریر کے آخر میں یوں کہا: "**أتدرون من ولی عهدکم**" کیا تمہیں علم ہے کہ تمہارا ولیعہد کون ہے؟ کہا گیا نہیں "**قال: هذا علی بن موسی بن جعفر بن محمد بن علی بن الحسین بن علی بن ابی طالب علیهم السلام ستة آباءهم، ماهم؟ هم خیر من یشرب صوب الغمام؟**"

یہ علی بن موسیٰ بن جعفر بن محمد بن علی بن الحسین بن علی بن ابی طالبؑ ہیں کہ ان کا آبائی سلسلہ

چھٹی پشت میں علیؑ سے جاملتا ہے۔یہ وہ ہستیاں ہیں جنہوں نے بارش کا پانی بادلوں سے پیا ہے۔یہ اشارہ ہے کہ وہ روئے زمین کے بہترین لوگ ہیں۔

عباس خطیب نے خطبہ دیا اور آخر میں یہ شعر پڑھا

لابد للناس من شمس و من قمر　　　فانت شمس وھذا ذلک القمر

لوگوں کے لئے ایک سورج ہے۔آپ کے سامنے وہ سورج ایسا ہے جیسا کہ چاند ہو۔اس کے علاوہ آپ کی شان میں ابو نواس نے کچھ اشعار کہے جو گذشتہ صفحات میں لکھے گئے ہیں۔

مامون کی طرف سے حکم جاری ہوا کہ تمام اسلامی شہروں میں آپؑ کی ولیعہدی کا خطبہ پڑھا جائے،منبروں کو آپؑ کے عظیم نام سے زینت دی جائے اور میناروں سے آپؑ کی عظمت کی صدائیں بلند کی جائیں۔درہم و دینار کو آپؑ کے نام مبارک اور لقب گرامی سے زینت بخشی گئی اور اس طرح رضوی سکہ جاری ہو گیا۔

بعض کا قول ہے کہ اسی روز مامون نے حکم دیا کہ لوگ بنی عباس کے کالے بدعتی لباس کی بجائے بنی ہاشم کے سبز لباس کو زیب تن کریں۔کیونکہ بنی ہاشم کا لباس سبز تھا۔اسی طرح اسے سرکاری لباس کا درجہ دیا گیا۔لیکن بعض مورخین نے اس قول کی نفی کرتے ہوئے کہا ہے کہ اس میں شک و شبے کی کوئی گنجائش نہیں کہ عباسیوں کی علامت کالا لباس اور کالا جھنڈا تھا۔اور اس زمانے میں ابراہیم ابو مسلم خراسانی کو خراسان فتح کرنے کے لئے خراسان بھیجا گیا تو وہاں اسی لباس اور جھنڈے کو رائج کیا گیا مزید یہ کہ رسول اکرمؐ نے خراسان سے برآمد ہونے والے سیاہ جھنڈوں کے بارے میں ارشاد فرمایا ہے۔مامون کے عہد میں اور ویسے بھی بنیادی طور پر آئمہ علیہم السلام سیاسی نعروں سے بے نیاز اور شاید بیزار بھی تھے۔علوی سادات نے ۷۷۳ھ میں آزادی سے لباس زیب تن کیا۔اس سال سے مصر کے بادشاہ ملک اشرف نے سبز لباس کو علویوں کے سید ہونے کی علامت قرار دیا اور ۱۰۰۴ھ میں مصر ہی کے سید محمد شریف نے حکم دیا کہ علوی سادات اپنی ٹوپی پر سبز رنگ کی پٹی باندھیں۔اس زمانے میں عباسیوں کے ہاں سیاہ رنگ اور یہودیوں کے ہاں زرد رنگ اور عیسائیوں کے ہاں گہرے نیلے رنگ کا لباس پہنا جاتا تھا۔اندلسی شاعر جابر بن عبداللہ نابینا نے جو اس زمانے میں نامی گرامی شاعر تھا۔ مندرجہ ذیل قطعہ علویوں کے سبز عمامے اور لباس کی مناسبت سے کہا۔

جعلوا لابناء الرسول علامة ان العلامة شأن من لم یشعر
نورالنبوة فی وسیم وجوههم یغنی الشریف عن الطراز الاخضر

رسولخداؐ کے بیٹوں کے لئے علامت رکھی گئی ہے حالانکہ علامت تو اس کے لئے ہوتی ہے جس کی کوئی پہچان نہ ہو جبکہ رسولخداؐ کی نسل کی پیشانی پر چمکنے والا نور نبوت بہترین نشانی ہے۔ لہٰذا ان شرفاٗ کو سبز عمامے کی کیا ضرورت ہے۔

مندرجہ بالا دلائل سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ بات صحیح نہیں ہے کہ مامون نے عباسیوں کی علامت سیاہ رنگ کو ترک کر کے سبز رنگ کو رواج دیا اور اس کی کوئی تاریخی حیثیت بھی نہیں۔ چونکہ جیسا کہ وضاحت کی گئی ہے حضرت امام علی بن موسیٰ الرضاؑ سیاسی نعروں پر یقین نہیں رکھتے تھے اور نہ ہی اپنے لئے کسی نمایاں مقام کے دلدادہ تھے۔ امامؑ نے اپنی زندگی میں سبز لباس زیب تن فرمایا اور جس کسی نے آپؑ کو خواب میں دیکھا تو سبز لباس ہی میں دیکھا۔

عہد نامہ

علی بن عیسیٰ اربلی (اربل عراق کے شہر موصل کے جنوب مشرقی علاقے میں ایک شہر کو کہا جاتا ہے) "ابن الفخر بہاء الدین ابوالحسن علی ابن ابی الفتح فخر الدین اربلی جو کہ ۶۲۵ھ میں پیدا ہوئے اور ۶۹۲ھ میں وفات پائی اور بغداد کے مغربی محلّہ میں دفن ہوئے بیان کرتے ہیں:

۶۷۰ھ میں امام علی بن موسیٰ الرضاؑ کے حرم مقدس میں فرائض انجام دینے والا ایک خادم میرے پاس آیا اور اپنے ساتھ مامون کے ہاتھ سے تحریر شدہ ایک عہد نامہ لایا اور اسی دن کی ظہر کو امامؑ کے ہاتھ سے تحریر شدہ کچھ دستاویزات لایا۔ میں نے امامؑ کے مقام قلم کا بوسہ لیا اور آپؑ کے کلام کے گلشن کی سیر کرنے لگا۔ اس طرح مجھے خداوند تبارک وتعالیٰ کے لطف وکرم سے آشنائی کا موقع ملا اور میں نے انہیں حرف بہ حرف نقل کیا ہے۔ مامون کے خط سے لکھی ہوئی دستاویز کا متن مندرجہ ذیل ہے۔

(بحار الانوار جلد ۴۹ ص ۱۴۸)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم!

یہ وہ تحریر ہے جسے ہارون الرشید کے فرزند عبداللہ مامون نے علی بن موسیٰ بن جعفرؑ کے نام سے لکھا تھا۔

امابعد: خداوند تعالیٰ نے دین اسلام کو چنا اور اپنے بندوں سے ایسے پیغمبروں کا انتخاب کیا کہ اس کی پاک ذات پر دلیل ہوں اور اس کی طرف راہنمائی کریں۔ پہلے آنے والے پیغمبروں نے پچھلوں کی خبر دی، حتی کہ پیغمبری کا سلسلہ محمدؐ پر آ کر اختتام پذیر ہوا اور خدائے لم یزل نے آپؐ پر وحی کے سلسلے کا خاتمہ کیا اور آپؐ کا نزول قیامت کے قریب رکھا۔ آپؐ کو تمام انبیاء کا سردار، حافظ دین اور شاہد قرار دیا۔ اپنی سب سے افضل کتاب کو آپؐ پر نازل کیا۔ جس کتاب میں کہا گیا ہے۔ "**لا یاتیه الباطل من بین یدیه و لا من خلفه تنزیل من حکیم حمید**" جسے اس نے حلال گردانا یا حرام فرمایا، بھلائی کا وعدہ دیا یا عذاب سے ڈرایا، منع کیا یا ڈرایا دھمکایا، کسی کام کا حکم دیا یا کسی کام سے روکا، یہ تمام کے تمام امور و احکامات برحق ہیں اور ان میں کسی قسم کے نقص کی کوئی گنجائش نہیں اور یہ مخلوق خدا پر حجت ہیں۔ "**لیهلک من هلک عن بینه و یحیی من حی عن بینه وان الله السمیع علیم**" (فصلت آیہ ۴۲)

رسول اکرمؐ نے رسالت کی ڈیوٹی انجام دی اور سب کو خداوند کریم کے دین کی طرف دعوت دی۔ آپؐ نے خداوند تبارک وتعالیٰ کے فرمان کے مطابق وعظ و نصیحت، بحث و مباحثے اور اخلاق حسنہ کے ذریعے اپنی رسالت کا کام انجام دیا۔ اس کے بعد آپؐ نے اسی سلسلے میں جنگیں بھی لڑیں، یہاں تک کہ آپ کو واپس بلا لیا گیا۔ آپ کو خصوصی نعمتوں سے نوازا گیا چونکہ دور نبوت ختم ہو چکا تھا اور خداوند تعالیٰ کی رسالت محمدؐ پر آ کر اختتام پذیر ہو گئی تھی۔ لہذا مسلمانوں کے امور کو چلانے اور ان کی رہنمائی کے لئے خلافت کے دور کا آغاز کیا گیا۔

خلافت کی شان و اہتمام اور حق پر قیام کا معیار اسلامی احکامات، حدود اور اسلام کے اس پروگرام کو قرار دیا گیا جس کے ذریعے دین خدا کی نشاۃ ثانیہ کا سامان ہوا اور خدا کے دشمنوں سے برسر پیکار رہا جائے۔ پس خداوند متعال کے خلفاء کو اس کی اطاعت کے ساتھ ساتھ اس کی حدود کی حفاظت اور دین وملت کی نگہبانی کرنا چاہیے۔ مسلمانوں کے لئے ضروری ہے کہ وہ اپنے خلفاء کی اطاعت کریں اور حق و انصاف کے قیام میں ان کی مدد کریں تا کہ راستے اور راستوں پر چلنے والے امن میں ہوں اور خونریزی سے بچاؤ کی تدابیر ہو سکیں۔ اصلاح ہو سکے اور بکھرے ہوئے یکجا ہو سکیں۔ قوموں میں پایا جانے والا

اختلال واختلاف، دین کی شکست وریخت، دشمنوں کی چیرہ دستیوں کا خاتمہ ہو سکے۔

پس ہر اس شخص کو جس پر اس جہان میں بار خلافت ہے خدا کی راہ میں جد و جہد کرنا چاہیئے اور جو کچھ پروردگار عالم نے اس کے لئے مقدر کردیا ہے اس پر راضی برضا ہو جائے اور اس ضمن میں اپنی تمام قوتیں بروئے کار لائے اور جو کچھ خدا اس سے چاہتا ہے اسے انجام دے۔ حق کے ساتھ حکم کرے اور اپنے امور میں عدل وانصاف سے کام لے۔

کیونکہ خداوند تبارک وتعالیٰ نے اپنے پیغمبر داؤدؑ سے فرمایا: **"یا داؤد انا جعلناک خلیفة فی الارض فاحکم بین الناس بالحق و لاتتبع الھویٰ فیضلک عن سبیل اللہ ان الذین یضلون عن سبیل اللہ لھم عذاب شدید بما نسوا یوم الحساب"** (سورہ ص آیہ ۲۶) اور فرمایا **"فوربک لنسئلنھم اجمعین عما کانو یعملون"** (سورہ ص آیہ ۹۲)

انسان کی اپنے بارے میں ذمہ داری کس قدر بھاری ہے چہ جائیکہ انسان پوری قوم کا ذمہ دار بن جائے۔ اس سے دعا گو ہوں کہ مجھے راہ حق پر ثابت قدم رکھے اور اپنی جحت کی طرف میری راہنمائی فرمائے۔

انسان کی کامیابی اسی میں ہے کہ خداوند تبارک وتعالیٰ کی رضا ورغبت حاصل ہو جائے۔ ساری امت میں سب سے زیادہ بصیرت والا شخص وہ ہے جو خدا کے دین میں سب سے زیادہ نصیحت کرے۔ اپنی زندگی میں خداوند تعالیٰ کی کتاب، اس کے احکامات اور اس کے نبی اکرمؐ کی سنت کی پیروی کرے اور اپنی تمام قوت، نقطہ نظر اور رائے کی بنا پر اپنے جانشین کا انتخاب کرے تا کہ اس کا جانشین مسلمانوں کے تمام امور کی ذمہ داری نبھا سکے وہ حقیقی معنوں میں امت کی پناہ گاہ اور ہدایت کا نشان ہو تا کہ امت کی شیرازہ بندی کرے۔ پریشان حال لوگوں کو تسلی وتشفی دے۔ ان کے جان ومال کی حفاظت کرے اور خداوند تبارک وتعالیٰ کے حکم کے مطابق امت کو امن وامان دے اور امت سے اختلاف اور تباہی کو دور کرے۔ نیز معاشرے کو فساد اور شیطانی وسوسوں سے بچائے رکھے۔ خداوند تعالیٰ نے اسی لئے ولیعہدی کی خلافت کو اسلام کی تکمیل، کمال اور عزت کے وسائل سے مالا مال کیا ہے اور اس عظیم کام کی اہمیت کے پیش نظر خلفا کو الہام کیا ہے۔ ایسے شخص کا انتخاب کرنا چاہیئے جس کی وجہ سے نعمتوں میں اضافہ

ہو اور عافیت حاصل ہو۔ اور خداوند تعالیٰ ایسے ولی عہد کے ذریعے شقی القلب لوگوں اور منافقین کا قلع قمع کرتا ہے، وہ فتنہ پردازوں کی سیاست کا توڑ کرتا ہے۔

جب خلافت امیر المومنین کو ملی تو انہوں نے اس کی بھاری ذمہ داریوں، سختی اور تلخی کو محسوس کیا اور سمجھ گئے کہ ان کے فرائض کس قدر مشکل ہیں، خلافت کے حوالے سے ان پر خداوند تبارک وتعالیٰ کی طرف سے عائد ڈیوٹی کس قدر سخت ہے؟ خلیفہ نے اس راہ میں اپنی جان کی بازی لگائی اور آنکھ کھلی رکھی، ایک طویل عرصے کے دوران وہ ان موضوعات کے متعلق سوچتا رہا، کیسے دین کی عزت برقرار رہ سکتی ہے؟ مشرکین نابود ہو سکتے ہیں؟ امت کی مصلحت کس میں ہے؟ کیسے ستا انصاف مہیا ہو سکتا ہے؟ خدا کی کتاب اور پیغمبر اسلامؐ کی سنت پر کیسے کاربند رہا جا سکتا ہے؟ دین کو کیسے زبوں حالی سے نکالا جا سکتا ہے؟ کونسی چیز مسلمانوں کی خوشگوار زندگی کا موجب بن سکتی ہے؟ خلیفہ علمبردار ہے۔ خداوند تبارک وتعالیٰ اس سے ان امور کے بارے میں بازپرس کرے گا۔ خلیفہ اس حالت میں خداوند تعالیٰ سے ملاقات کرنا چاہتا ہے کہ دین اور خدا کے بندوں کا خیرخواہ ہو۔ ایسے شخص کو ولیعہد مقرر کرے جو باقی تمام بندگان خدا سے علم وتقویٰ میں افضل ہو۔ اس سلسلے میں مجھے اسی سے امید ہوگی جو احکامات خداوندی رائج کرے گا۔ میں نے اس سلسلے میں شب وروز پروردگار سے دعا کرتے ہوئے یہی التماس کی ہے کہ مجھے توفیق دے اور الہام کرے کہ میں کسی ایسے شخص کا انتخاب کرنے میں کامیاب ہوسکوں جس کے انتخاب میں اس کی اطاعت وخوشنودی ہو۔

خلیفہ نے عبداللہ بن عباس اور علی ابن ابی طالبؑ کے خاندان اور اولاد میں کافی تحقیق وجستجو کی کہ کونسی ہستی ان میں ایسی ہے جو علم وتقویٰ کے لحاظ سے سب سے برتر اور افضل ہو اور جس پر سب متفق ہوں۔ لہذا کافی غور وخوض کے بعد میں اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ اس ذمہ داری سے شایان عہدہ برا ہونے والی شخصیت صرف امام علیؑ بن موسیٰؑ بن محمدؑ بن علیؑ بن الحسینؑ بن علیؑ بن ابی طالب علیہم السلام کی ہو سکتی ہے۔ چونکہ خلیفہ نے دیکھا کہ اس کا علم وزہد سب سے زیادہ ہے۔ وہ عوام میں مقبول اور ہر دلعزیز اور دنیاوی آلائشوں سے مبرا ومنزہ ہے۔ خلافت کے حوالے سے اس کی لیاقت وبرتری سب پر عیاں ہے۔ آپؑ کی ذات والا صفات بچپن ہی سے علم وفضل اور تقویٰ میں تمام دوسرے لوگوں سے بڑھی ہوئی ہے۔ اس طرح آپؑ کی نوجوانی وجوانی بھی جملہ خصوصیات کی حامل رہی ہے اور اس بات پر سب متفق ہیں۔

خلیفہ نے ولی عہد کے انتخاب میں اور ولیعہدی کا عہد باندھنے کے سلسلے میں خداوند تبارک و تعالٰی کی طرف سے نیکی و خیر پر بھروسہ کیا ہے۔ کیونکہ خدا جانتا ہے کہ خلیفہ نے اس کے دین ورضا، حق کے قیام اور مسلمانوں پر مہربانی کی خاطر یہ قدم اٹھایا ہے۔ تا کہ جس دن لوگ پروردگار کے دربار میں کھڑے ہوں اسے نجات مل سکے۔

(خود ساختہ) امیر المومنین (مامون) نے اپنے تمام خاندان والوں، اولاد، خاص لوگوں، عمائدین، کمانڈروں، خدام اور مزدوروں کو حکم دیا کہ امام کی بیعت کی جائے۔ ان سب نے نہایت تیزی اور خوشی خوشی سے بیعت کی چونکہ وہ سمجھ رہے تھے کہ خلیفہ نے نہایت خلوص سے اپنی نفسانی خواہشات کو خداوند تعالٰی کی اطاعت پر قربان کیا ہے کیونکہ اس کے اپنے خاندان میں ایسے لوگ موجود تھے جنہیں ولی عہد بنایا جا سکتا تھا۔ حضرت کو رضاؑ کے لقب سے یاد کیا جانے لگا، چونکہ آپؑ سے نہ صرف خلیفہ بلکہ دارالحکومت میں موجود تمام کمانڈر، لشکری اور عوام خدا کی اس تقدیر پر کھلے دل اور خندہ پیشانی کے ساتھ راضی ہوئے۔ انہیں ان مقاصد کا علم ہے جو اس ولیعہدی سے خلیفہ کے پیش نظر ہیں۔ وہ جانتے ہیں کہ اس نے خداوند تبارک و تعالٰی کی اطاعت کو اپنے اور آپ کے مفاد پر ترجیح دی ہے۔ آپؑ کو اس خداوند تعالٰی کا شکر گزار ہونا چاہیئے جس نے خلیفہ کو اس عظیم کام کی طرف رہنمائی کی۔ اس طرح خلیفہ نے خدا کا حق بھی ادا کیا اور آپ کے حقوق کا بھی خیال رکھا اور یہ توفیق آپ کی مصلحت اور رہنمائی کے لئے میرے دل میں موجزن شدید جذبات کی روکا ثمر ہے۔

آپ کو اس عہد و پیمان سے توقع ہونا چاہیئے کہ اس کے ذریعے آپ کے درمیان اتحاد و مروت کی فضا برقرار رہے گی، تفرقہ بازی سے اجتناب، دینی قوتوں کی سرپرستی، سرحدوں کی نگہبانی، دشمنوں کی نابودی اور تمہارے دیگر امور میں استقامت میں مدد ملے گی۔

خداوند تبارک و تعالٰی اور خلیفہ کی اطاعت کی طرف لپکو کہ خداوند تعالٰی کی اطاعت امن و امان کا وسیلہ ہے۔ اگر آپ اس کی طرف رخ کرنے میں جلدی کریں اور خداوند تعالٰی کی حمد و شکر بجالائیں تو انشاء اللہ ایک نہ ایک دن اس کے حصول میں کامیاب ہو جائیں گے۔

خلیفہ عبداللہ مامون نے اپنے ہاتھوں سے اس معاہدے کو بروز سوموار ے رمضان المبارک ۲۰۱ھ کے دن تحریر کیا۔ (بحارالانوار ج ۴۹) عہد نامے کے سامنے اور پیچھے کے صفحے پر امام علی بن موسٰی

الرضاؑ نے اپنے دست مبارک سے یہ عبارت لکھی۔(بحارالانوار ج ۴۹)

تعریف صرف اس خداوند تعالیٰ کی ہے جو جو کچھ چاہتا ہے کر ڈالتا ہے۔کوئی چیز اس کے حکم و فرمان کو ٹال نہیں سکتی اور نہ ہی اس کی تقدیر کی راہ میں رکاوٹ بن سکتی ہے۔وہ آنکھوں کی خیانت اور دلوں کے رازوں سے آگاہ ہے۔خداوند تبارک وتعالیٰ کا درود وسلام ہو اس کے پیغمبر محمدؐ اور ان کی آل پاکؑ پر جو خدا کے آخری پیغمبرؐ ہیں۔میں علیؑ بن موسٰی الرضاؑ کہتا ہوں۔خداوند تعالیٰ مسلمانوں کے حاکم کو دینی امور کے سلسلے میں مدد کرے اور سیدھے راستے پر چلنے کی توفیق عنائت فرمائے۔انہوں نے ہمارے ساتھ صلہ رحمی کی اور جس پیوند کو دوسروں نے توڑا اسے انہوں نے جوڑا اور ہمارے جس حق کو دوسروں نے نہیں پہچانا،انہوں نے اس کا خیال رکھا۔جنہیں خوف وہراس کا نشانہ بنایا گیا تھا انہیں انہوں نے امن وسکون سے نوازا۔نقصانات کا ازالہ کیا اور کسی لالچ کے بغیر صرف رضائے پروردگار کی خاطر لوگوں کی ضروریات کا خیال رکھا اور خداوند تبارک وتعالیٰ نیکوکاروں کے اجر کو ضائع نہیں فرماتا۔اسی لئے انہوں نے مجھے اپنا ولیعہد قرار دیا۔پس جو کوئی اس گرہ کو جسے خداوند تبارک وتعالیٰ نے باندھنے کا حکم دیا،کھول دے تو گویا اس نے خدائی حدود کی حرمت کا خیال نہیں رکھا اور اس کے حلال کو حرام کردیا کیونکہ اس نے امامؑ اور اسلام کے احترام کی پرواہ نہیں کی۔ہمارے اسلاف کی روش یہی تھی کہ وہ مشکلات پر صبر کرتے اور لوگوں کی خطائیں معاف فرمادیتے اور انتقام نہیں لیتے تھے میری مراد امام علی بن ابی طالبؑ،امام حسنؑ اور امام زین العابدینؑ،امام محمد باقرؑ اور امام جعفر صادقؑ سے ہے۔کیونکہ وہ دین میں تفرقے اور مسلمانوں کے درمیان نفاق سے ڈرتے تھے کیونکہ ابھی زمانہ جاہلیت کو گذرے زیادہ عرصہ نہیں گذرا تھا اور ڈرتے تھے کہ خدانخواستہ دشمنان اسلام ایسی صورتحال سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اسلام کو نقصان پہنچائیں۔میں اب خداوند تعالیٰ کو اپنی ذات پر گواہ بنا کر کہتا ہوں کہ اگر مسلمانوں کے امور کی نگہبانی اور اپنی خلافت میرے سپرد کرے تو میں تمام لوگوں خصوصاً بنی عباس کے بارے میں خدا و رسولؐ کی اطاعت کروں گا۔اور کسی کا خون حرام نہیں بہاؤں گا اور نہ ہی کسی کی ناموس کو بٹا لگاؤں گا۔کسی کے مال و دولت کو حلال نہیں سمجھوں گا بجز یہ کہ الہی احکام اور حدود کے اندر رہتے ہوئے جو کچھ میرے لئے حلال کیا گیا ہو،اسی طرح میرے خدائی فرائض کے پیش نظر جو مال میرے لئے حلال ہوگا صرف اس سے استفادہ کروں گا۔اور خداوند تبارک وتعالیٰ کو گواہ بنا کر کہتا ہوں کہ اپنے امور میں لائق وفعال افراد کا

انتخاب کروں گا۔اوران کے ساتھ سلوک کے سلسلے میں اپنے آپ کوخداوند تعالیٰ کے سامنے جوابدہ سمجھوں گا۔کیونکہ خداوند تعالیٰ ارشادفرماتا ہے۔"**اوفو بالعهد ان العهد کان مسئولا**"(سورہ اسراء آیہ ۳۴)۔اپنے عہدوں کاپاس کروکیونکہ ہرعہد کے بارے میں سوال ہوگا" اوراگر میں اس سلسلے میں زیادتی کروں یا کوئی تبدیلی لاؤں تو میں نے گویا بدعت کی۔میں اس کی سرزنش کا حق دار اوراس کے غضب وعذاب کا مستحق ٹھہروں گا جبکہ میں اس سے اس کی پناہ مانگتا ہوں اورنیز اس سے اس کی اطاعت کی توفیق کا سوالی ہوں اوراسی سے درخواست کرتا ہوں کہ میرے اورگناہ کے درمیان حائل ہوجائے اور میرے اورتمام مسلمانوں کے لئے عافیت مقدر کردے لیکن جامعہ اورجفر اس کی نفی کرتی ہے۔(ابن خلدون لکھتا ہے:جفر وہ ہے کہ ہارون بن سعید عجلی، زیدیوں کے سربراہ نے امام صادقؑ سے روایت کرتے ہوئے ایک کتاب لکھی جس میں عام اہل بیت اورخاندان رسالت سے مربوط بعض افراد کے ساتھ پیش آنے والے واقعات کا تذکرہ کیا ہے۔یہ گائے کے چمڑے پر لکھی گئی تھی۔اس میں قرآن کریم کی تفسیر اورقرآنی غرائب کے معانی لکھے گئے تھے۔اگر امام صادقؑ سے اس کا روایت ہونا صحیح ہو تو یہ ایک مستند کتاب ہے۔امام صادقؑ کی بہت سی کرامات مشہور ہیں۔آپؑ نے یحیٰی بن زید کوخروج سے منع کیا تھا،یحیٰی نے آپؑ کی بات نہیں مانی اورگرگان میں قتل کردیئے گئے۔قال ابن طلحہ: **الجفر والجامعة كتابان جليلان احدهما ذكره الامام و هو يخطب بالكوفة على المنبر والآخر اسر اليه به الرسول و امر بتدوينه. دائرة المعارف بستانى فى كلمتى الجفر والجامعة فى الارشاد للمفيد والاحتجاج للطبرسى عن الصادق. واما الجامعة فهو كتاب طوله سبعون ذراعاً املاء رسول الله و خط على ابن ابى طالب بيده فيه والله جميع مايحتاج اليه الناس الى يوم القيامة حتى انه فيه ارش خدش الجلدة و نصف الجلدة. والجفر هو وعاء احمر او اديم احمر فيه علوم النبيين والوصيين كما فى رواية عبد الملك و ابى بصير و على بن سعيد و ابى عبيده و سليمان الخالد و عبد الله بن سنان و ابى القاسم الكوفى و على بن الحسين و على بن حمزه. اخرج كلها** العلامہ المجلسی فی البحار ج ۷ فی باب جہات علوم اہل بیت مکاتب الرسول ج ۲ ص ۸۹ طبع آستان قدس)

اور میں نہیں جانتا کہ میرے اورآپ کے ساتھ کیا ہوگا۔فرمان اورحکم اسی کا ہے اوربس۔اس

کا حکم حق پر مبنی ہے۔ وہی حق و باطل کو جدا کرنے والا ہے۔ میں نے خلیفہ کے حکم کی اتباع کرتے ہوئے اس فریضے کو قبول کیا اور ان کی رضا کا احترام کیا۔ خداوند تبارک وتعالٰی مجھے اور ان کو اپنی حفظ و امان میں رکھے۔ اس تحریر پر خداوند تبارک وتعالٰی کو گواہ بناتا ہوں۔ "وکفی باللہ شھیدا" میں نے اسے اپنے ہاتھ سے خلیفہ "مامون" کے حضور میں لکھا۔ خدا ان کی عمر دراز کرے اور اسی طرح یہ تحریر فضل بن سہل اور سہل بن فضل، یحیٰی بن اکثم، عبداللہ بن طاہر، ثمامہ بن اشرس، بشر بن معتمر اور حماد بن نعمان کی موجودگی میں تحریر کی گئی۔ رمضان المبارک ۲۰۱ھ

دائیں طرف کے گواہ:

یحیٰی بن اکثم نے اس تحریر کے سامنے اور پشت پر لکھے گئے مضمون کی گواہی دی اور خداوند تبارک وتعالٰی سے دعا گو ہے کہ خلیفہ اور تمام مسلمان اس عہد و پیمان کی برکت کی معرفت حاصل کریں۔ اس نے عہد کو، عہدنامے میں درج تاریخ کو اپنے ہاتھ سے لکھا۔

عبداللہ بن طاہر بن الحسین نے اسی تاریخ کو اس پر اپنی گواہی درج کی۔

حماد بن نعمان نے اس کاغذ کے سامنے اور پیچھے لکھے گئے مضمون کی گواہی دی اور اسی تاریخ کو اپنے ہاتھ سے دستخط کیا۔

اسی طرح بشر بن معتمر نے بھی گواہی دی۔

بائیں طرف کے گواہ:

خداوند تبارک وتعالٰی بادشاہ مامون کو طول عمر عطا فرمائے اور ہمیشہ اس صحیفے کو پڑھتے رہنے کی توفیق عنائت فرمائے اور امید ہے کہ ہم اس عہد و پیمان کے صحیفے کے ساتھ پل صراط سے آسانی سے گذر جائیں گے۔ ہم نے اس صحیفے کے سامنے اور پشت کے حصے کو اپنے سردار جناب رسولخداؐ کے حرم میں روضے اور منبر کے درمیان لوگوں کے سامنے پڑھا اور کچھ بنی ہاشم اور ہمارے دوسرے دوستوں اور قریبی افراد نے اسے سنا۔ اس طرح مامون نے جو کچھ ضروری سمجھا وہ انجام دیا۔ اور لوگوں پر حجت قائم کی اور ان افراد کی نفی کی جو نادانی سے اس امر (ولی عہدی) کی مخالفت پر کمربستہ تھے۔ خداوند تعالٰی مومنین کو کبھی ان کے حال پر نہیں چھوڑتا اور فضل بن سہل نے مذکورہ تاریخ کو مامون کے حکم سے یہ تحریر لکھی۔

قارئین کرام! ہم نے عہدنامے کے مکمل متن کو تمام خصوصیات کے ساتھ آپ کی خدمت میں پیش کر دیا ہے۔ یہی متن بحارالانوار جلد ۴۹ میں اور "کشف الغمہ" میں کچھ فرق کے ساتھ درج ہے۔ اسی طرح دوسری کتب مثلاً نامۂ آستان قدس رضوی اور محمد علی خلیلی کی خاندان پیامبر میں بھی یہ عبارت درج ہے۔

در این دیر موحش در این دار فانی	نماند و نماند کسی جاودانی
بغیر از فنا نیست حاصل چه واجب	خدا هست باقی و باقیست فانی
عمارت چه سازی بجا نیست یکسان	بخاک اندر است کاخ نوشیروانی
نه جمشید ماند و نه شیرین نه خسرو	نه پرویز ماند و نه محفل خسروانی
نه فرعون ماند و نه گنج و نه قارون	نه در دست موسیٰ عصای شبانی
جهان چون عروس اندر آغوشت آید	چه داروی را بجز یار جانی
به یک تب به یک دردسر می نیرزد	قبای قبادی و تاج کیانی
تو ای ناصرالدین زمانی بخود شو	که روزی سر آید تو را زندگانی
تو این تاج و این تخت بگذاری آخر	زمیت زند گردش آسمانی

جس دن امامؑ ولی عہد بنے۔ مامون نے حکم دیا کہ تمام سلطنت میں فوجیوں کو ایک سال کی تنخواہ کے برابر بونس دیا جائے۔ امامؑ کے نام سے سکے جاری ہوئے اور رعایا کو حکم دیا گیا کہ کالا لباس پہننا ترک کردیں۔ مامون نے ولی عہدی کے پروگرام کی مزید تائید کے لئے اس محفل میں اپنی ایک بیٹی ام حبیب کو جناب امام علی بن موسیٰ الرضاؑ کے عقد میں دے دیا۔ اور دوسری بیٹی ام الفضل کو امامؑ کے فرزند جوادالائمہ کے عقد میں دیا اور اپنی چچازاد کی شادی امام رضاؑ کے بھائی اسحاق سے کر دی۔ اس نے امامؑ کے بھائی ابراہیم کو رئیس الحجاج قرار دیا۔ مامون اس دن جتنا احسان آل علیؑ پر کر سکتا تھا کیا۔ جب اس کے خلاف احتجاج کیا گیا کہ اس طرح تو نے ثابت کیا ہے کہ تو اولاد علیؑ کو اولاد عباس سے افضل گردانتا ہے۔ تو اس نے کہا میں نے ایسا اس لئے کیا ہے تا کہ امیرالمومنین علیؑ نے ہمارے جد امجد جناب عبداللہ بن عباس پر جو احسانات کئے تھے ان کا ازالہ کروں، انہوں نے ہمارے جد عبداللہ بن عباس کو بصرہ کی حکومت حوالے کی اور عبیداللہ بن عباس کو والی یمن قرار دیا۔ اور سعید بن عباس کو مکہ کی ولایت سپرد فرمائی اور قثم بن عباس کو بحرین کی حکومت بخشی اور اس طرح انہوں نے اپنے چچا کی تمام اولاد کو حکومت سے

نوازا جبکہ ان سے قبل تین خلفاء نے کسی بھی بنی ہاشم کو کوئی ولایت یا منصب عنایت نہیں کی۔لہذا حق بنتا تھا کہ میں اس تمام احسان کو اتارتا۔

یہاں یہ بتانا ضروری ہے کہ جس طرح لوگوں نے مامون پر اعتراض کیا اسی طرح امامؑ کو بھی لوگوں کی باتیں سننا پڑیں۔امامؑ جواب عنائت فرماتے رہے۔ایک دفعہ امامؑ کا ایک عقیدت مند آپ کے پاس آ کر اس بارے بڑی خوشی کا اظہار کرنے لگا تو آپؑ نے اسے علیحدگی میں بتایا کہ وہ اس امر سے خوش نہ ہو کیونکہ یہ امر تکمیل نہیں ہو پائے گا۔(رجال مدائنی)

ریان کہتا ہے:امامؑ کے حضور میں شرف یاب ہوا۔عرض کیا لوگوں کا کہنا ہے کہ آخر کار آپؑ نے ولی عہدی کو قبول کر ہی لیا جبکہ آپؑ زاہد و متقی تھے۔امامؑ نے فرمایا:خدا جانتا ہے کہ میں نے کس قدر مجبوری کی بنا پر اس امر کو اختیار کیا ہے چونکہ اگر ولیعہدی کو قبول نہ کرتا تو مجھے قتل ہونا پڑتا۔لوگوں پر نہایت افسوس ہے کہ کیا وہ نہیں جانتے کہ یوسفؑ خدا کے پیغمبر اور رسول تھے لیکن جب ضرورت پڑی تو وہ عزیز کے خزانچی بن گئے اور انہوں نے پیش کش کرتے ہوئے کہا **"اجعلنی علی خزائن الارض انی حفیظ علیم"** (سورہ یوسف آیہ ۵۵)

اسی طرح مجھے بھی یہ عہدہ قبول کرنے پر مجبور کیا گیا جب میں نے دیکھا کہ دوسری صورت میں میری ہلاکت کا اندیشہ ہے،علاوہ ازیں اس امر کا حصول میرے خروج کی مانند ہے تو ان باتوں کے پیش نظر میں نے ولی عہدی اختیار کر لی۔ **"فالی اللہ المشتکی و ھوالمستعان"** (بحارالانوار ج ۴۹ و عیون ج ۲)

محمد بن زید رازی کہتا ہے:امامؑ کے حضور میں شرف ہوا۔اس وقت آپ کو ولیعہدی کے مقام پر فائز کر دیا گیا تھا،اسی دوران ایک خارجی جس نے اپنی چھری کو زہر میں بجھا کر آستین میں چھپایا ہوا تھا اور اپنے ساتھیوں سے کہہ کر آیا تھا کہ میں اس شخص کے پاس جا رہا ہوں جو اپنے آپ کو فرزند رسولؐ کہتا ہے اور اس نے اپنے آپ کو مامون کے ساتھ اس کے امور میں شریک کر لیا ہے۔اگر اس کے پاس مامون کی ولیعہدی کو قبول کرنے کی کوئی دلیل نہ ہوئی تو میں اسے اس چھری سے قتل کر دوں گا۔یہ شخص امامؑ کے قریب آیا۔اس سے قبل کہ وہ گفتگو کرتا اور اپنا سوال پیش کرتا۔امامؑ نے فرمایا:میں اس صورت میں تمہارے سوال کا جواب دوں گا کہ تم میری بات مانو گے۔اس شخص نے جواب دیا:آپ کی شرط کیا ہے؟

امامؑ نے ارشاد فرمایا: اگر میں تمہارے سوال کا جواب دوں تو جو کچھ تم نے آستین میں چھپا رکھا ہے اسے توڑ کر دور پھینک دو گے۔ وہ شخص امامؑ کی گفتار سے حیرت زدہ ہو گیا اور جلدی سے آستین سے چھری نکال کر توڑی اور دور پھینک دی۔ اور آپؑ کے سامنے مودبانہ انداز میں بیٹھ گیا۔ عرض کی میرا سوال یہ ہے کہ آپؑ کیوں مامون کے امور میں اس کے ساتھ شریک ہوئے جبکہ وہ کافر ہے اور آپ فرزند رسولؐ ہیں اس کی اصل وجہ کیا ہے؟

امامؑ نے فرمایا! اس گروہ کا کفر برا ہے یا عزیز مصر اور اس کی رعایا کا کفر بُرا تھا۔ یہ گروہ خداوند تبارک وتعالٰی کی وحدانیت کا اقرار کرتا ہے جبکہ مصری قوم اور عزیز مصر کو خدا کی شناخت نہ تھی۔ یوسفؑ خود بھی پیغمبر تھے اور پیغمبرؑ کی اولاد بھی، اس کے باوجود انہوں نے عزیز مصر سے کہا: مجھے زمینی خزانوں پر مقرر کر دیجئے۔ میں محافظ بھی ہوں اور علم (حساب کتاب) سے آگاہ بھی ہوں۔ اس طرح حضرت یوسفؑ نے دربار میں فرعونوں کے ساتھ بیٹھنا شروع کر دیا تھا۔ میں آلِ رسولؐ ہوں۔ جب مجھے ولیعہدی کے اختیار کرنے پر مجبور کیا گیا ہے تو مجھ پر اعتراض کیوں کرتے ہو۔ وہ شخص شرمندہ ہو گیا اور کہا کہ اب مجھے آپ پر کوئی اعتراض نہیں اور گواہی دیتا ہوں کہ آپ فرزند رسولؐ اور سچے ہیں۔ (تحفۃ الرضویہ)

امامؑ نے تمام لوگوں کے اعتراضات کے جواب دیئے وہ ہر ایک کو اس کی استعداد کے مطابق جواب عنایت فرماتے تھے۔

جب محمد بن عرفہ نے اعتراض کیا اور کہا: کون سی مجبوری تھی کہ آپؑ نے ولیعہد بننا قبول کیا؟

فرمایا! جس مجبوری کی وجہ سے میرے جد امجد علی ابن ابی طالبؑ شوریٰ میں حاضر ہوئے۔

قارئین محترم! شاید آپ یہ کہیں کہ امامؑ نے تو خود عہدنامے میں اپنی رضایت کا اعلان کیا ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ جس مجبوری کی بنا پر امامؑ نے ولیعہدی کو قبول فرمایا وہی مجبوری اس عہدنامے کے تحریر کرنے میں کارفرما تھی بلکہ اس کے لکھنے میں اس سے بھی زیادہ مجبور تھے کیونکہ زمانے کی مصلحت اور مامون اور اس کے ساتھیوں کی حمایت کے حصول کا تقاضا یہی تھا کہ آپؑ ولیعہدی کو قبول فرمائیں۔ علاوہ ازیں امامؑ نے عہدنامے میں بیانگ دھل فرمایا ہے کہ یہ امر پایہ تکمیل کو نہیں پہنچ سکے گا۔ جہاں آپؑ فرماتے ہیں: اگر میں اس کے بعد زندہ رہا اور پھر فرمایا: جامعہ وجفر دونوں میں اس کے خلاف لکھا ہے۔

آپؑ نے اپنی تحریر میں نہ صرف مامون بلکہ اس کے بعد آنے والے بادشاہوں کو بھی وعظ و

نصیحت کی ہے کہ وہ حکومت کیسے چلائیں؟ رعایا پروری، سرحدوں کی حفاظت اور حکومت چلانے کے طریقہ کار، خدائی پروگرام اور آسمانی کتاب کے مطابق عمل کی اہمیت اور دوسرے مطالب جن کی تحقیق کا یہ موقع نہیں، کی طرف امامؑ نے اشارہ فرمادیا ہے۔ خصوصاً امامؑ نے اپنے سارے خط میں خداوند تبارک و تعالٰی کے مبارک نام سے خط کو زینت بخشی اور یاد فرمایا ہے۔ اور یہ چیز ہر قسم کے حالات میں امامؑ کی توجہ کو مبداء فیاض اور خالق متعال کی جانب مبذول کرتی ہے کیونکہ عموماً اس طرح کے خوشی کے موقعوں پر لوگ خداوند تبارک وتعالٰی کو فراموش کردیتے ہیں۔ علاوہ ازیں امامؑ نے بیان کے دوران جن رموز، اشاروں اور کنایوں کے ذریعہ اپنے اصلی مطلب کا تکرار فرمایا ہے۔ وہ کسی بھی دانا وصاحب بصیرت شخص سے پوشیدہ نہیں۔ آپ نے نہایت صراحت سے فریضہ امامت انجام دیتے ہوئے توجیہ کی بات کی ہے۔

تحف العقول ص۴۱۵ پر امامؑ کے علائم کے بارے میں جو حدیث نقل کی گئی ہے وہ امامت کی نشانیاں ہیں۔ ابی سعید خراسانی کے بقول خراسان کے دو افراد حضرت امام علی بن موسٰی الرضاؑ کی خدمت میں شرف یاب ہوئے انہوں نے نماز کے بارے سوال کیا۔ امامؑ نے ایک سے فرمایا تمہاری واجب نماز قصر ہے کیونکہ تم نے یہ سفر مجھ سے ملاقات کی غرض سے کیا ہے اور دوسرے سے فرمایا: تم اپنی واجب نماز کو مکمل پڑھو گے کیونکہ تمہارے سفر کی نیت مامون سے ملاقات کی تھی۔ چونکہ تو نے گناہ کا ارادہ کیا تھا۔ اس لئے تمہاری واجب نماز قصر نہیں ہوگی۔ اس طرح امامؑ ولی عہد ہونے کے باوجود حقائق سے پردہ اٹھاتے اور امامت کا دفاع فرماتے تھے۔

عید فطر کی صبح:

جیسا کہ ذکر کیا گیا ہے کہ مامون نے ماہ رمضان ۲۰۱ میں امامؑ کو ولیعہدی کے مقام پر فائز کیا، ماہ رمضان، روزے رکھنے اور خصوصی عبادات کا مہینہ ہے۔ یہ ایسا مہینہ ہے جس میں مسلمان معین شرائط کے مطابق کھانے پینے سے اجتناب کرنے کے علاوہ دوسرے امور مثلاً سر کو پانی میں ڈبونے، عورتوں کی قربت، خدا اور رسولؐ پر جھوٹ و افترا باندھنے، استمناء اور منی کو اپنے آپ خارج کرنا، جان بوجھ کر قے کرنا، گندے غبار کو حلق میں پہنچانا، صبح صادق تک غسل نہ کرنا اور کوئی اسلامی قانون کی خلاف ورزی کرے اس کو شدید سزائیں دی جائیں مثلاً کوڑے لگائے جائیں بلکہ اگر حاکم شرع چاہے تو بعض

صورتوں میں اسے سنگسار بھی کیا جا سکتا ہے۔صحت وتندرستی کیلئے روزہ رکھنا بہت اچھا ہے۔

امامؑ نے اس کے حکم کی وجہ کے ضمن میں اس کا بیان کیا ہے، کہ جب رمضان المبارک گذر چکے اور شوال کا چاند دکھائی دے تو دوسرے دن عید فطر، اور ماہ شوال کی پہلی تاریخ کہلاتی ہے۔فطر یعنی روزہ کھولنا اور فطرہ وہ مخصوص صدقہ ہے جو اس دن صحت وسلامتی کی غرض سے مستحق لوگوں کو دیا جاتا ہے۔اس دن مالداروں کو چاہیئے کہ ایک صاع یعنی تین کلوگرام اپنی روزمرہ کی خوراک سے نکال کر غربا میں تقسیم کر دیں تا کہ اس دن انہیں بھی خوشی حاصل ہو سکے۔اور اس طرح وہ اپنے مسلمان اور دینی بھائیوں کی مانند اس دن کو منا سکیں اور چونکہ یہ بڑی عید ہے لہذا سب کو اسے مل کر منانا چاہیئے اور اپنے روزوں کی قبولیت کے لئے خداوند بزرگ وبرتر کی بارگاہ میں دعا کرنا چاہیئے۔اور اعمال انجام دینا چاہئیں جن میں سب سے پہلا عمل غربا کو فطرہ کی ادائیگی، دوسرا عید کے دن مخصوص غسل کا بجالانا اور تیسرا مسلمانوں کے ساتھ مل کر خصوصی طرز پر دو رکعت نماز کی ادائیگی اور اللہ اکبر کا نعرہ بلند کرتے ہوئے عبادتگاہ کی جانب بڑھنا۔سب سے پہلے امام نمازیوں کے سامنے خطبہ دیتا اور اس کے بعد مخصوص آداب وشرائط کے ساتھ نماز کی ادائیگی کرواتا ہے۔(نماز عید فطر اور عید قربان دو رکعت ہے جس کی پہلی رکعت میں حمد وسورہ کے بعد پانچ قنوتوں اور دوسری رکعت میں چار قنوتوں میں **اللھم اھل الکبریاء والعظمۃ** تا آخر پڑھنا اور دوسری دعائیں بھی پڑھنا جائز ہیں باقی نماز کو نماز صبح کی طرح رکوع، سجود اور تشہد کے ساتھ انجام دے)۔

مامون کا سلوک:

جونہی ماہ رمضان المبارک اختتام پذیر ہوا اور رات کو ماہ شوال ۲۰۱ ھ کا چاند دکھائی دیا۔ مامون نے فوراً امامؑ کو پیغام بھیجا کہ میری خواہش ہے کہ آپؑ کل صبح لوگوں کو نماز عید پڑھانے کے لئے عیدگاہ کی جانب روانہ ہوں اس سے یہ ہوگا کہ ایک تو لوگ اس طرح آپؑ کے علم وفضل کی معرفت حاصل کرلیں گے۔اور دوسرا دل سے اپنی توجہ جدید حکومت کی جانب مبذول کرلیں گے۔

حضرت امام رضاؑ نے مامون کے جواب میں اس کے مخصوص ایجنٹ سے فرمایا: جاؤ اپنے خلیفہ سے کہو کہ جو معاہدہ ہمارے درمیان ہوا ہے اس پر عمل کرو تم بہتر جانتے ہو کہ میں نے ولیعہدی کو کچھ شرائط کے ساتھ قبول کیا ہے جن میں ایک شرط یہ بھی ہے کہ میں سلطنتی امور سے دور رہوں گا اور کوئی مداخلت

نہیں کروں گا۔یاد رہے کہ یہ وہ زمانہ تھا جب ولیعہدی پر فائز ہوئے صرف چند دن گذرے تھے۔ مامون نے دو مرتبہ پیغام دیا کہ میرا اصلی مقصد یہ ہے کہ اس طرح میں آپ کے مقام و منصب کا لوگوں کے درمیان بہتر طور پر تعارف کروا سکوں۔ سپاہیوں اور عمائدین قوم بلکہ تمام لوگوں کے درمیان آپ اپنا مقام بنا سکیں۔اور انہیں اس فضیلت اور کرامت سے آگاہ کر سکیں جو خداوند تبارک و تعالیٰ نے آپ کو عطا فرمائی ہے۔اس طرح لوگ اپنی بیعت پر مزید مطمئن ہو جائیں گے۔

اس طرح کے پیغامات اور جوابات کا امامؑ اور مامون کے درمیان تبادلہ ہوتا رہا۔امامؑ اصرار فرماتے رہے کہ میں نے نماز نہیں پڑھانی جبکہ مامون آپ کی معذرت کو مسترد کرتا رہا اور آخر کار اس نے پیغام بھیج دیا کہ آپؑ کو ضرور پڑھانا پڑے گی۔

جب امامؑ نے ملاحظہ فرمایا کہ انہیں مجبور کر دیا گیا ہے تو آپؑ نے حامی بھر لی اور کہا میں اس طرح نماز کے لئے جاؤں گا جس طرح میرے آباؤ اجداد و جناب رسولخداؐ اور جناب علی مرتضیٰ نماز کے لئے جاتے تھے۔مامون نے کہا مجھے منظور ہے اس نے تمام افسروں، حکام بالا اور مختلف محکموں کے حکومتی عہدے داروں کو حکم دیا کہ وہ نماز کی ادائیگی کے لئے عیدگاہ کی طرف روانہ ہوں۔

صبح کا ظہور رونما ہوا، تاریک افق کے گوشے سے روشنی کی کرنیں پھوٹنے لگیں، اس کے بعد سورج نے آہستہ آہستہ مشرق کی جانب سے انگڑائی لی۔اب مرو کے عوام جن میں عورتیں مرد، بوڑھے جوان، چھوٹے بڑے، امیر و غریب، غرضیکہ تمام طبقات کے لوگ شامل تھے۔امام علی بن موسیٰ الرضاؑ کے گھر کی جانب چل پڑے۔حکومت کے اعلیٰ عہدیدار اور دوسرے لوگ دو رویہ صفوں میں پیادوں اور سواروں کی صورت میں کھڑے ہو گئے۔امامؑ نے وضو کیا ہوا اور صاف ستھرا معطر کیا ہوا لباس زیب تن کیا ہوا تھا۔انکے چہرے پر ایسی رونق آ گئی تھی جو اس سے قبل نہیں دیکھی گئی کیوں نہ ہوتی انہیں آج ایسی نعمت ہاتھ آ گئی تھی جو انہیں یا ان کے آباؤ اجداد میں کسی کو آج تک میسر نہیں آئی تھی۔دو صدیوں سے زیادہ کا عرصہ بیت گیا تھا کہ خاندان آلِ عصمت و طہارت کے بجائے غاصب نماز پڑھاتے چلے آ رہے تھے۔ امامؑ سے قبل آپؑ کے آباؤ اجداد کا زمانہ بہت سختی کا تھا۔جس کی وجہ سے انہوں نے گوشہ نشینی میں زندگی بسر کی تھی اور حتیٰ کہ اسلام کی بنیاد کی حفاظت کی خاطر اپنے حقوق سے دست بردار بھی ہو گئے تھے۔لوگ نماز عید کو بالترتیب ابو بکر، عمر، عثمان، معاویہ، یزید اور اس طرح دوسرے حاکموں کی اقتداء میں پڑھتے

آرہے تھے۔اور آئمہ علیہم السلام کوانہوں نے اس مسلمہ حق سے محروم کررکھا تھا۔لیکن آج کے دن جدید تاریخ رقم ہونے والی ہے کیونکہ لوگ رسولخداؐ کے زمانے کی مانندان کے فرزند،علی مرتضیٰ کے پوتے،موسیٰ بن جعفرؑ کے بیٹے جناب امام علی بن موسیٰ الرضاؑ کی اقتداء میں نماز پڑھنے کے خواہشمند ہیں۔(آج الحمدللہ ایران کی اسلامی حکومت نے عیدین اور جمعہ کی نمازوں کا احیاء کیا ہوا ہے اور آئمہ جمعہ کو ولی امر کی طرف سے مقرر کیا جاتا ہے۔)

چہرے پر آنسوؤں کی جھڑی لگی اور ہونٹ ذکر خدا کے لئے اور یادخدا میں حرکت کررہے ہیں اور دلوں کی دھڑکنیں لحہ بہ لحہ تیز ہوتی جارہی ہیں ،لوگ بے تابی سے امامؑ کی آمد کے منتظر ہیں۔امامؑ نماز پڑھانے کے لئے تیاری فرمارہے تھے۔غسل کرنے کے بعد اون سے بنے ہوئے سفید رنگ کے کپڑے کا عمامہ اپنے سرمبارک پر باندھا اوراس (عمامہ) کا ایک سرا آپ کے سینہ مبارک کی طرف لٹک رہا تھا جبکہ دوسرا سرا آپ کے دونوں کندھوں کے درمیان (پچھلی طرف) گرا ہوا تھا۔اس کے بعد آپؑ نے اپنی مخصوص پوشاک زیب تن فرمائی اپنے غلاموں کو بھی اسی انداز سے تیار ہونے کا حکم دیا اس کے بعد امام رضاؑ نے اپنا عصائے مبارک اپنے ہاتھ میں پکڑا اوراس حالت میں اپنے حجرہ مبارک سے باہر تشریف لائے (بیت الشرف کے صحن میں) کہ آپ کا پاجامہ نصف ساق تک اوپر تھا اور آپؑ برہنہ پا تھے۔جب امامؑ کھڑے ہوئے (صحن مبارک میں) تو ہم (غلام) آپؑ کے آگے آگے (امامؑ ہی کے انداز میں) چلے ،یکدم امامؑ نے اپنا سرمبارک بلند کرکے آسمان کی طرف نگاہ فرمائی اوراس کے ساتھ ہی چار مرتبہ اللہ اکبر کہا (آواز تکبیر بلند فرمائی) ہمیں یوں محسوس ہوا کہ امامؑ تنہا نہیں بلکہ ہوا کے ساتھ ساتھ درودیوار سے بھی تکبیر کی آوازیں بلند ہوئی ہیں۔گھر کے باہر روسائے مملکت،امراءاور سپہ سالاران لشکر امامؑ کے گھر کے دروازے کے سامنے اپنے تمام تر اسلحے سے لیس اورنہایت زرق و برق لباس فاخرہ زیب تن کئے تھے جبکہ عامۃ الناس بھی نئے لباس سے بن سج کرکھڑے تھے۔جب ہم سب اس انداز کے ساتھ (یعنی نصف ساق تک اٹھائے ہوئے پاجامہ اور برہنہ پا) گھر کے دروازے سے باہر آئے تو ہمارے بعد امام رضاؑ نے باہر قدم رکھتے ہی دروازے پر رک کر فرمایا"**اللہ اکبر اللہ اکبر اللہ اکبر علی ما ھدینا، اللہ اکبر علی ما رزقنا من بھیمۃ الانعام والحمدللہ علی ما ابلانا**"امامؑ کے ساتھ ساتھ ہم سب نے بھی یہ تسبیح پڑھی۔ہماری بلند

ہونے والی آواز پر پورے شہر "مرو" میں گریہ وپکار کی آوازیں بلند ہونے لگیں۔

امام رضاؑ نے تین باران تکبیرات مذکورہ کو اپنی زبان مبارک پر جاری فرمایا ابھی یہ تکبیرات جاری تھیں کہ لشکر کے سپاہیوں اوران کے سپہ سالاروں نے اچانک اپنی سواریوں کو چھوڑ دیا اور وہ نیچے اتر آئے پھر جب انہوں نے دیکھا کہ امام رضاؑ برہنہ پا ہیں تو انہوں نے اپنے اپنے جوتوں اور موزوں (جرابوں) تک کو اتار دیا اور شہر "مرو" میں ہر طرف سے شدید گریہ کی صدائیں سنائی دینے لگیں۔امام رضاؑ روانہ ہوئے اور ہر دس قدم کے فاصلے کے بعد قدرے توقف فرماتے اور چار بار اس طرح صدائے تکبیر بلند فرماتے کہ لوگ یوں محسوس کرتے گویا زمین وآسمان اور علاقے کے در ودیوار بھی امامؑ کے ہمراہ صدائے تکبیر بلند کر رہے ہیں۔

اسی اثناء میں مامون کو اطلاع ملی جس نے اس ساری صورتحال سے آگاہ کر دیا اس کا ہرگز یہ خیال نہ تھا کہ نوبت یہاں تک پہنچ جائے گی،وہ بہت پریشان ہوگیا۔اس نے اس سلسلے میں جب اپنے قابل اعتماد ساتھیوں مثلاً فضل بن سہل کے ساتھ مشورہ کیا کہ اب کیا کیا جائے تو انہوں نے اسے اور بھی خوف میں مبتلا کر دیا۔

فضل نے اظہار خیال کیا:امامؑ جس حالت میں عیدگاہ کی طرف روانہ ہیں اگر یہ صورتحال جاری رہی تو لوگوں میں انقلاب بپا ہو جائیگا اور خصوصاً اس صورتحال سے باغی گروہوں کو موقع ہاتھ آ جائیگا اور پھر خلیفہ کی حکومت کی خیر نہ ہوگی۔لہذا بہتر یہی ہے کہ خلیفہ کسی کو ابھی ابھی بھیج کر امامؑ کو عیدگاہ جانے سے روکے اور انہیں گھر جانے کے لئے مائل کرے۔مامون نے جو نماز پڑھانے پر اس قدر اصرار کر رہا تھا،فوراً اپنے ایجنٹ کو امامؑ کی طرف بھیج دیا۔اس نے جا کر امامؑ کی خدمت میں عرض کیا کہ ہم اس قدر زحمت اٹھانے کے معذرت خواہ ہیں آپ براہ کرم واپس گھر تشریف لے چلیں اور جس شخص نے گذشتہ سال نماز پڑھائی تھی وہی اس دفعہ نماز پڑھائے گا۔ امامؑ ابھی گھر سے زیادہ دور نہیں گئے تھے کہ انہیں اس پیغام کا سامنا کرنا پڑا۔امامؑ نے فوراً اپنے نعلین مبارک طلب کئے،سوار ہوئے اور لوگوں کو ورطۂ حیرت اور غم واندوہ میں چھوڑ کر گھر کی طرف روانہ ہوگئے۔(بحار،عیون،ارشاد،منتخب التواریخ،فصل الخطاب اور عام محدثین نے اس واقع کو مختصر اختلاف کے ساتھ ذکر کیا ہے)۔

مادہ پرست اور طالب دنیا مامون نے امامؑ کی شخصیت پر یہ پہلی کاری ضرب لگائی اس کے بعد

آئندہ دو سال ایسے ہی گذرے یہاں تک کہ اس بدبخت نے آپؑ کو زہر سے شہید کر دیا۔

امامؑ کے خادم یاسر کے بقول: جب ہر جمعہ کے دن حضرت جامع مسجد سے واپس آتے تو آپ کی یہ حالت ہوتی کہ آپؑ پسینے میں شرابور اور غبار سے آلودہ ہوتے، ہاتھوں کو آسمان کی جانب بلند کر کے خداوند تبارک وتعالیٰ سے التجا کرتے کہ اگر میری آسائش میری موت میں ہے تو اسی لمحے میری موت میں تعجیل فرما۔ امامؑ اس دوران اس قدر مامون کے سیاسی دباؤ کا شکار رہے کہ آپؑ خدا سے موت طلب کرتے رہے۔ (عیون اخبار الرضا)

مامون آخر خاندان عصمت وطہارت کے دشمن نمبر ایک ہارون کے دامن میں پلا بڑھا تھا۔ یہ کیسے ہو سکتا تھا کہ وہ امامؑ سے مخاصمت نہ برتتا۔ یہ مامون ہی تھا جس نے دنیا کی محبت میں اپنے بھائی کو قتل کیا۔ یہ کیسے ہو سکتا تھا کہ وہ امامؑ کو اذیت نہ پہنچاتا۔ اس کے سینے میں امامؑ کے خلاف حسد کا ایک طوفان بپا تھا کیونکہ وہ مشاہدہ کر رہا تھا کہ لوگوں میں ہر روز امامؑ کی محبت میں خاطر خواہ اضافہ ہو رہا تھا اور امامؑ کی شان وشوکت بڑھ رہی تھی۔ ایسا کیوں نہ ہوتا۔ امامؑ تمام اچھی صفات مجملہ خوش گفتاری، خوش بیانی، تقویٰ وپرہیزگاری کے حامل ہونے کے علاوہ علم وفضل میں اپنی مثال آپ تھے۔ آپ کے اندر پروردگار عالم نے وہ تمام خوبیاں جمع کی تھیں جو آئمہؑ کا خاصہ تھیں۔ جبکہ مامون روحانیت سے قطعی محروم، مادہ پرستی میں غرق اور اخلاقی پستی میں مبتلا تھا۔ اس کے اور امامؑ کے درمیان زمین وآسمان کا فرق تھا۔

ہر دو یک گل خوردہ اند زنبور وخل	لیک شد زان نیش وزان دیگر عسل
ہر دو گون آھو گیاہ خوردند وآب	زین یکی شد پشک وآن یک مشک ناب
ہر دو نی خوردند از یک آبخور	این یکی خالی وآن پر از شکر
این خورد زاید ہمہ بخل وحسد	وآن خورد آید ہمہ نور احد
صالح وطالح بصورت مشتبہ	دیدہ بگشا تو کہ گردی منتبہ
صد ہزاران این چنین اشباہ بین	فرقشان ہفتاد سالہ راہ بین

احمد بن علی نے کہا ہے کہ میں نے ابا صلت ہروی سے سوال کیا کہ کیسے مامون، امامؑ کو قتل کرنے پر آمادہ ہوا جب کہ وہ آپؑ سے بے حد محبت واحترام کا اظہار کرتا تھا اور اس نے امامؑ کو اپنا ولی عہد بھی مقرر کیا تھا۔ لیکن اس نے آپ کو ولیعہد اس لئے بنایا تھا کہ لوگ آپ کو طالب دنیا خیال کر کے آپ سے نفرت

کرنے لگیں لیکن اس نے دیکھا کہ یہ امر عوام الناس کی آپ سے محبت میں اضافے کا باعث بنا۔اس طرح اس نے مختلف اقوام اور ادیان مثلاً یہود و نصاریٰ، مجوسیوں، صائبین، براہمیوں، مشرکوں، ملحدوں اور دھریوں سے آپ کے مناظرے کروائے تا کہ شاید وہ آپ پر غالب آ جائیں اور آپؑ کی کمزوری ظاہر ہو جائے۔اس طرح آپؑ کے پیروکاروں کے اذہان میں آپ کے بارے میں فتور پیدا ہو۔لیکن یہ تدبیر بھی کارگر ثابت نہ ہوئی بلکہ اس کا الٹا اثر ہوا اور تمام دانشور نہ صرف یہ کہ مغلوب ہو گئے بلکہ انہوں نے آپؑ کی فضیلت اور بڑائی کا اقرار بھی کر لیا۔(عیون جلد۲)

ہشام بن ابراہیم جو امامؑ کے قریبی افراد میں سے تھا ایک دانشمند ادیب اور دانا شخص تھا۔قبل اس کے کہ امامؑ مرو تشریف لاتے امام کے متعلق سارا ساز و سامان اس کی تحویل میں دے دیا گیا اور وہی آپ کے امور کا نگران ٹھہرا۔جب امامؑ مرو تشریف لائے تو یہ شخص ذوالریاستین وزیر سے ملا اور دربار کے مقربین میں سے ہو گیا۔وہ امامؑ کی خبریں ذوالریاستین اور مامون کو پہنچاتا تھا۔ اس کا درجہ ان دونوں کے نزدیک روز بروز بلند ہوتا گیا۔یہاں تک کہ مامون نے اسے امامؑ کا پردہ بردار قرار دیا۔اس نے ایسے حالات پیدا کر دیئے تھے کہ سوائے اس کے دوستوں کے کوئی بھی امامؑ کی خدمت میں شرف یاب نہیں ہو سکتا۔اس نے امامؑ پر سختی کی ہوئی تھی۔اور آپ کے دوستوں اور پیروکاروں کو آپؑ کے حضور شرفیاب ہونے سے روکتا تھا۔امامؑ اگر کوئی بات کرتے تو یہ خائن جاسوس اسے مامون تک پہنچا دیتا تھا۔مامون نے اپنے بیٹے کی تربیت کی ذمہ داری بھی اسی ہشام کے سپرد کر رکھی تھی۔لہذا مامون کے بیٹے کو ہشام عباسی کہا جاتا تھا۔(بحار الانوار ج۴۹)

اس طرح مامون نے جو کہنہ مشق سیاستدان تھا، آپ پر عرصہ حیات تنگ کر رکھا تھا اور امامؑ کی جاسوسی کے لئے مختلف افراد مقرر کر رکھے تھے۔

امامؑ کی ولی عہدی کی خبر تمام اسلامی شہروں کے طول و عرض میں پھیل گئی، لوگ سن کر بہت مسرور و خوشحال ہوئے لیکن بنی عباس وہ بھی خصوصاً عراق میں قیام پذیر بنی عباس میں تشویش کی لہر دوڑ گئی وہ ناکٹھے ہوئے انہوں نے سوچا کہ اس طرح خاندان عباسی سے خلافت چلی جائیگی لہذا انہوں نے لوگوں کو مامون کے خلاف ابھارنا شروع کر دیا اور مامون کے چچا ابراہیم بن مہدی کی قیادت میں علم بغاوت بلند کیا۔اس طرح انہوں نے اپنی دانست میں مامون کو خلافت سے ہٹا دیا لہذا اس طرح امام علی

بن موسیٰ الرضاؑ کی ولیعہدی خودبخود ختم ہو گئی۔ انہوں نے ابراہیم بن مہدی کو مبارک کا لقب دیا۔ اس کے پیروکاروں کی تعداد روز بروز بڑھتی چلی گئی۔ پہلی مرتبہ یہ خبر فضل بن سہل ذوالریاستین کے کانوں تک پہنچی۔ اس کی سیاست کا تقاضا یہ تھا کہ کسی طرح اس خبر کی بھنک مامون کو نہ لگ جائے۔ مامون کے ارد گرد کے لوگوں کو ان خبروں سے آگاہی تھی۔ لیکن کسی میں جرات نہ تھی کہ وہ اس موضوع کے بارے میں خلیفہ سے بات کرے۔ دوسری طرف فضل نے مطلع اشخاص کو بادشاہ تک سیاسی خبروں کے پہنچانے سے روکا ہوا تھا۔ اس طرح عراق کی بغاوت کی خبریں مامون تک نہیں پہنچ پا رہی تھیں۔

آخرکار ایک دن امامؑ نے عراق میں بغاوت اور ابراہیم بن مہدی کے معاملے کو مامون سے ذکر کر ہی دیا تو مامون نے پوچھا کیا دوسرے لوگوں کو اس کے بارے علم ہے تو فرمایا، تمام لوگ سوائے تمہارے اس امر سے آگاہ ہیں۔ اب مامون جس سے سوال کرتا اسے یہی جواب ملتا۔ آخرکار اس نے فضل بن سہل سے بازپرس کی تو اس نے جواب دیا کہ میں نہیں چاہتا تھا کہ آپ کو رنج و ملال پہنچے اور آج کے بعد اس مسئلے کا حل نکالنے کی کوشش کروں گا۔

حضرت امام علی بن موسیٰ الرضاؑ نے مامون کے کانوں میں یہ بات ڈالی کہ چونکہ لوگ میری ولیعہدی اور فضل بن سہل کی وزارت پر ناراض ہیں لہٰذا اگر تم فتنہ و فساد کو ختم کرنا چاہتے ہو تو ان دونوں کو اپنے آپ سے دور کر دو تو اسی لئے خلیفہ فضل سے بدگمان ہو گیا اور اس نے فضل کی تمام خدمات کو نظرانداز کرتے ہوئے اسے سرخس کے حمام میں قتل کروا دیا۔

فضل بن سہل نے پہلے تو امامؑ کی بیعت کے لئے بڑی کوشش کی اور اس سلسلے میں لوگوں کو ترغیب و تحریص بھی دی۔ لیکن جیسا کہ ہم نے ذکر کیا ہے آخرکار آپ کے اور اس کے درمیان کدورت پیدا ہو گئی۔ فضل نے ہی ہشام بن ابراہیم کو امامؑ کی جاسوسی پر مائل کیا۔ اس طرح وہ امامؑ کی پرائیویٹ باتیں مامون تک پہنچاتا تھا۔

بیان کیا جاتا ہے کہ ذوی الریاستین نے حضرت امام رضاؑ کے ساتھ اپنی شدید دشمنی کو بالکل واضح اور آشکار کر دیا اور یہ اس وجہ سے تھا کہ مامون نے حضرت امام رضاؑ سے اس (فضل بن سہل) کی نسبت زیادہ احترام و اکرام کے سلوک اور رویے کو اپنایا ہوا تھا چنانچہ ذوی الریاستین کے دل میں مامون کا یہ رویہ بغض و حسد کی آگ بھڑکانے کا باعث بن گیا۔ اس حسد میں شدت اس وقت پیدا ہوئی جب مامون کی وہ

چچازاد بہن جو مامون کو (پہلے) پسند کرتی تھی اور خود مامون بھی اسے پسند کرتا تھا اور اسی پسند اور چاہت کی بناء پر مامون نے اپنی اس چچازاد بہن کے گھر کا دروازہ جو دربار کی سمت تھا کھلا رہنے دیا تھا۔ مامون کی یہ چچازاد بہن جب حضرت امام رضاؑ کی طرف مائل ہوئی تو اس نے مامون کے پاس آ کر ذوی الریاستین کو برا بھلا کہنا شروع کر دیا جس کی اطلاع ذوی الریاستین کو ملی اور اس نے مامون کی خدمت میں آ کر کہا! اے امیر! یہ بات اچھی نہیں معلوم ہوتی کہ خواتین کے حجروں میں سے کسی حجرے کا دروازہ دربار کی طرف کھلا رہے۔ لہذا مامون نے اس دروازے کو بند کر دینے کا فرمان جاری کر دیا۔ ان دونوں کا طریقہ کار یہ تھا کہ ایک دن مامون حضرت امام رضاؑ سے ملنے جاتا تھا اور ایک دن حضرت امام رضاؑ دربار میں مامون سے ملنے تشریف لایا کرتے تھے ایک دن جب امام رضاؑ دربار میں تشریف لائے اور آپؑ نے دیکھا کہ وہ دروازہ بند کر دیا گیا ہے تو امامؑ نے اس کی وجہ معلوم فرمائی۔ مامون نے بتایا کہ فضل بن سہل کو یہ بات پسند نہیں تھی کہ خواتین کے کسی حجرے کا دروازہ دربار کی طرف کھلا رہے۔ امام رضاؑ نے جب اس کا جواب سنا تو امامؑ کی زبان مبارک پر کلمہ استرجاع جاری ہوا یعنی آپؑ نے فرمایا "اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن" فضل کو کیا حق پہنچتا ہے کہ وہ تمہارے گھریلو معاملات میں دخل اندازی کرے؟!

مامون نے امامؑ سے سوال کیا! اس بارے میں آپؑ کی رائے کیا ہے؟

امامؑ نے فرمایا! میری رائے یہی ہے کہ دروازہ کھلا رہنے دو اور اپنے چچا کی بیٹی کے ساتھ اپنی آمد و رفت کا سلسلہ جاری رکھو اور فضل اگر کسی حلال کو حرام قرار دینا چاہتا ہے تو اس کے ایسے قول کی کوئی پرواہ نہ کرو۔ چنانچہ مامون نے حکم دیا کہ دروازہ دوبارہ کھول دیا جائے۔ دروازہ کھولنے کے بعد مامون اپنے چچا کی بیٹی کی دلجوئی کے لئے اس کے پاس گیا اور یہ خبر جب فضل بن سہل ذوی الریاستین کو پہنچی تو وہ بیحد غمگین ہوا اور یہ بات اسے نہایت ناگوار گذری۔ (عیون اخبار الرضا ج ۲)

محترم قاری! ہمارے آئمہؑ اچھی طرح سیاست جانتے تھے۔ لیکن ان کی سیاست "سیاستہ العباد" ہوتی تھی۔ چنانچہ جب علی ابن ابی طالبؑ سے کہا گیا کہ معاویہ سیاست میں آپ سے زیادہ ماہر ہے تو آپ نے فرمایا: واللہ ما معاویہ باَسوس منی ولکن السیاسۃ تمیل الی الغدر ولاأ میل الیہ"

خدا کی قسم معاویہ مجھ سے زیادہ سیاست نہیں جانتا لیکن اس کی سیاست مکر و فریب والی ہے جبکہ میں مکار نہیں ہوں اور نہ ہی مکر و فریب کو پسند کرتا ہوں۔ لیکن جب بھی آپؑ نے کوئی سیاسی ارادہ

فرمایا۔اسے بخوبی انجام دیا۔ چنانچہ مذکورہ معاملے میں امامؑ نے مشہور سیاستدان فضل کے کردار کو نقش بر آب کردیا۔

اگر سیاست کے معنی خیر خواہی، خدمت، راہنمائی اور بدعنوانی کے خلاف جہاد اور حکام اور عوام کو نصیحت کرنے اور انہیں استعمار و غلامی کی زنجیر سے بچانا اور قوموں اور ملکوں کو استعماری چالوں سے محفوظ رکھنا ہے تو اس صورت میں ہمیں سر سے لیکر پاؤں تک سیاست میں ڈوبا ہوا ہونا چاہیئے اور یہ بات دینی واجبات میں سے ہے اور اگر انسان اس سلسلے میں مداخلت نہیں کرے گا۔ تو خداوند تبارک وتعالٰی کی بارگاہ اور اپنے ضمیر کے ہاں جوابدہ ہوگا۔ کیونکہ اس طرح کی مداخلت ہمارے اسلاف، معاشرے کے تمام افراد اور اسلامی برادری کے فرائض میں شامل ہے اور یہ مقصد اعلٰی وارفع خدائی مقاصد کا حصہ ہے۔اس قسم کی سیاست کی جو ہر طرح کی ہوس، لالچ اور آلودگی سے پاک ہو نہ صرف اسلام میں اجازت دی گئی ہے بلکہ وہ اسلامی پروگراموں کا حصہ ہے لیکن اگر سیاست کے معنی فتنہ وفساد و بغاوت بپا کر کے لوگوں کو حکومت تک رسائی دلانا اور زمام تختوں پر بٹھانا ،قوم کے ساتھ وحشیانہ و بہیمانہ سلوک روا رکھنا، اپنے ذاتی مفادات کی خاطر اپنی طاقت اور اثرورسوخ سے ناجائز فائدہ اٹھانا۔اسی طرح دوسروں کی سیاست کے لئے دلالی کرنا اگر چہ اس میں لوگوں کا خون ہی کیوں نہ بہے تا کہ وہ افراد ملک وملت پر مسلط ہو جائیں اسلام اس قسم کی سیاست سے دور اور یہ نظریہ اسلام کے پروگرام سے جدا ہے۔اور اس طرح کی سیاست، معاویہ کی سیاست اور اس کے بعد ہارون، مامون اور دوسرے خلفاء کی سیاست ہے۔ اسلام نے ایسی سیاست کی ہمیشہ مخالفت کی ہے۔

آپ کے خادم یاسر کے بقول: جب کبھی امام رضاؑ اکیلے ہوتے تو اپنے تمام گھر والوں وخدام کو اپنے اردگرد اکٹھا کر لیتے اور ان سے باتیں کرنے لگتے۔ان کا دل بہلاتے۔ جب کبھی آپ دسترخوان پر تشریف فرما ہوتے تو چھوٹے بڑے سب کو دسترخوان پر اکٹھا کر لیتے یہاں تک کہ حجاموں وغیرہ کو بھی،ایک دن ہم امامؑ کے اردگرد اکٹھے تھے کہ مامون کے گھر کی طرف کھلنے والے دروازے کا تالا کھلا اور مامون آدھمکا۔امامؑ نے ہمیں وہاں سے چلے جانے کا کہا۔مامون کے ہاتھ میں ایک تفصیلی خط تھا۔اس نے امامؑ کا بوسہ لیا اور آپ کے پاس بیٹھ گیا۔اس نے آپؑ کو خط کا مضمون پڑھ کر سنایا۔اس خط میں اس کی فوج کی کابل فتح کرنے کی خبر تھی۔جب وہ خط پڑھ چکا تو امامؑ نے فرمایا: میں یہ سن کر خوش ہوا

ہوں کہ تیرے سپاہیوں نے مشرکوں کا ایک علاقہ فتح کرلیا ہے۔ مامون نے استفہامیہ انداز میں پوچھا کیا یہ خبر آپ کے لئے خوشی و مسرت کا پیغام نہیں لائی؟

امامؑ نے فرمایا! خدا سے اس امت کے بارے ڈرو کیونکہ اس کی ذمہ داری تمہارے کندھوں پر ڈالی گئی ہے اور آج تم اس کے سربراہ ہو۔ لوگوں کے درمیان خدا کے علاوہ کسی اور کا قانون نافذ ہوا اور تم یہاں بیٹھے ہو۔ تم نے ہجرت و وحی کے نزول کے مقام سے لاپرواہی برتی اور مدینہ میں انصار و مہاجرین کی اولاد پر ظلم و ستم کے پہاڑ ڈھائے گئے، لیکن کہیں ان کی شنوائی نہ ہوئی اور قرابت داری کا کسی کو پاس نہیں۔ مظلوموں پر ہر دن رات بھاری ہیں۔ خدا کے بندے مشکلات کا شکار ہیں۔ شہر کے حکام تمہیں اصل حقیقت سے باخبر نہیں ہونے دیتے اور لوگوں پر ہونے والے ظلم و ستم کا ازالہ نہیں کرتے۔ پس خدا سے ڈرو اور مسلمانوں کے امور کی طرف توجہ کرو۔ ایک بار پھر رسول خداؐ کے شہر مدینے سے جو مہاجرین و انصار کا مرکز ہے۔ رجوع کرو۔ کیا تمہیں علم نہیں کہ خلیفہ یا مسلمانوں کا والی اسے کہا جاتا ہے۔ جو لوگوں کے درمیان ایسے ہو جیسے خیمے کے درمیان اس کی درمیانی لکڑی، جو کوئی اس تک رسائی حاصل کرنا چاہے، رسائی حاصل کرسکتا ہے۔ مامون نے کہا: پس آپؑ کی رائے کیا ہے؟ تم پر لازم ہے کہ اسلامی حکومت کو اس کے اصلی مقام جو تمہارے آباؤ اجداد کا مقام ہے، پلٹادو۔ مظلوم مسلمانوں کے حالات کی خبر گیری کرو۔ ان کے امور کو دوسروں کے حوالے مت کرو۔ ایسی صورت میں تم خدا کی بارگاہ میں جوابدہ ہو اور تم سے پوچھا جائیگا۔

مامون نے اپنی جگہ سے حرکت کی اور عرض کیا۔ آپ کا نظریہ مبارک صحیح ہے۔ یہ کہہ کر باہر چلا گیا اور حکم دیا کہ لشکر تیار ہو جائے۔ جب یہ خبر فضل بن سہل کو ملی تو وہ بہت ناراض ہوا کیونکہ وہ تمام امور کا نگران تھا اور مامون اس کے کاموں میں مداخلت کرنے کی جرأت نہ کرتا تھا۔ لیکن چونکہ اب یہ امامؑ کا نظریہ تھا جسے مامون کی تائید حاصل تھی۔ لہذا بے بس نظر آنے لگا۔ پھر بھی مامون کے پاس آکر کہنے لگا، یہ آپ نے کیسا فیصلہ صادر کیا ہے۔ مامون نے کہا، میں تو اپنے آقا و مولا حضرت ابوالحسن علی الرضاؑ کے نقطۂ نظر کی پیروی کررہا ہوں کیونکہ آپکا مشورہ نیک ہے۔ فضل نے کہا میرا خیال ہے ایسا نہیں، آپکی رائے درست معلوم نہیں ہوتی۔ کیا آپ بھول گئے ہیں کہ کل آپ نے خلافت و اقتدار کے حصول کی غرض سے اپنے بھائی کو قتل کر کے تمام بنی عباس اور اپنے بھائیوں کو اپنی دشمنی پر کمر بستہ کرلیا تھا، بلکہ اس کے علاوہ

تمام اہل عراق، خاندان عباس اور عرب آپ کے خون کے پیاسے ہیں۔اس کی وجہ یہ ہے کہ آپ نے حضرت ابوالحسن علی الرضاؑ کو اپنا ولی عہد قرار دے دیا ہے، جس کا نتیجہ یہ نکلا ہے کہ ایک عام عرب سے لیکر علماء، فقہاء اور آل عباس تک سب کے سب دل سے آپ سے متنفر اور منحرف ہیں ۔جہاں تک میرا خیال ہے آپ کو خراسان میں ہی ٹھہرنا چاہیئے جب تک حالات معمول پر نہیں آ جاتے ،لوگ تمہارے بھائی کے قتل کو فراموش نہیں کر دیتے ۔اس شہر میں ایسے جہاندیدہ لوگ موجود ہیں جو آپ کے والد کے نمک خوار ہیں ۔میری صلاح یہی ہے کہ ان سے مشورہ کیا جائے ۔مجھے یقین ہے وہ ضرور راہنمائی کریں گے۔

مامون نے کہا، کیا تم ان کے نام بتا سکتے ہو؟ مثال کے طور پر کون کون؟

فضل نے کہا: مثلاً علی بن ابی عمران، ابن مونس اور جلودی ۔یہ ایسے لوگ ہیں جنہوں نے ابھی ابوالحسن الرضاؑ کی ولیعہدی کو قبول و تسلیم نہیں کیا اور یہی وجہ ہے کہ وہ آپ کے حکم پر جیل کی ہوا کھا رہے ہیں۔

مامون کہنے لگا، ہاں، بالکل! وہ میرے حکم پر سلاخوں کے پیچھے قید کیے گئے ہیں ۔کل انہیں میرے سامنے حاضر کر دیا جائیگا۔

پھر جب صبح ہوئی تو امام رضاؑ مامون کے پاس تشریف لائے اور امامؑ نے پوچھا! مامون! تم نے کیا فیصلہ کیا؟

مامون نے امامؑ کو بتایا کہ ذوی الریاستین نے مجھے یہ رائے دی ہے؟!

اس کے بعد مامون نے حکم دیا کہ ان مذکورہ بالا افراد کو قید خانے سے نکال کر اس کے سامنے پیش کیا جائے۔

چنانچہ سب سے پہلا شخص جو مامون کے سامنے پیش کیا گیا وہ علی بن عمران تھا ۔اس نے جب حضرت علی بن موسیٰ الرضاؑ کو مامون کے پہلو میں بیٹھے دیکھا تو اس نے کہا! اے امیر! میں آپ کو خدا کا واسطہ دیکر درخواست کرتا ہوں کہ یہ خلافت کا منصب جو اللہ تعالیٰ نے آپ کے خاندان کو سونپا ہے اور اسے آپ کے خاندان کے لئے مخصوص کیا ہے اسے اپنوں میں سے نکال کر اپنے ان دشمنوں کے ہاتھ میں ہرگز مت دیں جنہوں نے آپ کے آباؤ اجداد کو قتل کرانے کا حکم دیا تھا اور جنہوں نے انہیں ان کے شہر اور علاقوں سے باہر نکلوایا تھا۔

مامون نے اسے مخاطب کر کے کہا! اے نجاست کی اولاد! ابھی تک تیری سوچ وہی ہے؟!
پھر مامون نے جلاد کو حکم دیا کہ اس کی گردن اُڑا دو چنانچہ جلاد آگے بڑھا اور اس کا سر قلم کر دیا۔
اس کے بعد ابو یونس کو لایا گیا اس نے بھی جب امام رضاؑ کو مامون کے ہمراہ تشریف فرما دیکھا تو کہا اے امیر! یہ شخص (اس کا اشارہ امامؑ کی طرف تھا) وہ "بت" ہے جس کی لوگ پرستش کرتے ہیں۔ لیکن خدا کی حمد و ثنا بیان نہیں کرتے۔
مامون نے اسے بھی مخاطب کر کے کہا! اے ناپاک زادہ! تیری سوچ میں بھی ابھی تک کوئی تبدیلی نہیں آئی۔ اے جلاد! اس کی گردن بھی تن سے علیحدہ کر دو۔ جلاد نے اسے بھی قتل کر ڈالا!
اس کے بعد جلودی کو حاضر کیا گیا۔ یہ جلودی وہ شخص تھا کہ ہارون الرشید کے دور خلافت میں جب محمد ابن جعفر ابن محمد نے مدینہ میں خروج کیا تو ہارون الرشید نے اسے (جلودی کو) وہاں بھجوایا تھا اور اسے یہ حکم دیا تھا کہ جب وہ محمد بن جعفر پر غلبہ و ظفر حاصل کر لے تو اس کی گردن اڑانے کے بعد آل ابو طالبؑ کے گھروں کو خرابوں میں بدل ڈالے اور ان کے گھروں میں گھس کر ان کی تمام مستورات کے تمام کپڑے اتروا لے اور کسی بھی خاتون کے جسم پر سوائے ایک کپڑے کے کچھ باقی نہ رہے۔
چنانچہ جلودی نے ایسا ہی کیا یہ وہ زمانہ تھا جب امام موسیٰ بن جعفرؑ شہید کئے جا چکے تھے۔
جلودی جب حضرت امام رضاؑ کے بیت الشرف میں داخل ہوا اور اس کے پیچھے اس کا پورا لشکر بھی وہاں گھس آیا۔
امام رضاؑ کی نظر جب اس پر پڑی تو آپؑ نے اپنی تمام مستورات کو ایک گھر میں بھجوا دیا اور خود اس کے دروازے پر کھڑے ہو گئے۔
جلودی نے امام رضاؑ سے کہا! میں مجبور ہوں مجھے اس گھر میں داخل ہو کر ان عورتوں کے کپڑے اتروانے ہیں اس لئے کہ مجھے میرے امیر نے یہی حکم دیا ہے۔
حضرت امام رضاؑ نے اسے مخاطب کر کے کہا! میں ان مستورات کے تمام کپڑے اتروا کر تمہیں لا کر دے دیتا ہوں اور قسم کھا کر کہتا ہوں کہ میں ان کا کوئی کپڑا نہیں چھوڑ کر آؤں گا بلکہ ان کے پاس جتنے لباس ہیں وہ سب لا کر تمہیں دے دوں گا۔ جب امام رضاؑ نے متعدد بار گڑگڑا کر اور خدا اور رسولؐ کی قسمیں کھا کر اس سے اس امر کا وعدہ کیا تو وہ خاموش ہو گیا۔ جس کے بعد امام رضاؑ نے گھر کے اندر

جا کر مظلوم مستورات کے پاس جو کچھ بھی تھا یہاں تک کہ ان کے گوشوارے اور پازیب تک اتروائے اور ان سب چیزوں کو جلودی کے حوالے کردیا تھا۔ مختصر یہ کہ جب اس دن جلودی کو مامون کے دربار میں پیش کیا گیا تو امام رضاؑ کی نظر اس پر پڑی تو امام رضاؑ نے مامون کو مخاطب کر کے کہا! اے امیر! اس بوڑھے مرد کو تم مجھے بخش دو۔

مامون نے عرض کی! اے میرے سید و آقا! یہ وہی ملعون ہے جس نے رسولخداؐ کی بیٹیوں کے ساتھ وہ سلوک کیا تھا جو بیان کرتے ہوئے بھی شرم آتی ہے۔ جلودی کافی دیر تک دیکھتا رہا کہ امام رضاؑ مامون سے بھی سوال دہرا رہے ہیں کہ وہ اسے امامؑ کو بخش دے۔ جبکہ جلودی نے عترت رسولخداؐ کے ساتھ جو گھناؤنا سلوک کیا تھا اس کی بناء پر اسے توقع تھی کہ امامؑ مامون کو اس کے قتل پر اکسائیں گے لہذا کافی دیر کے بعد جلودی نے مامون کو مخاطب کر کے کہا۔ اے امیر! تمہیں خدا کا واسطہ اور اس خدمت کا واسطہ دیکر جو میں نے ہارون الرشید کی تھی میں آپ سے بھی درخواست کروں گا کہ آپ اس شخص کی کوئی بات میرے حق میں قبول نہ کریں۔

یہ سن کر مامون نے امام رضاؑ سے کہا! یا اباالحسن! جلودی نے آپؑ کی درخواست رد کرنے کا تقاضا کیا ہے اور اس ضمن میں ہمیں قسم دی ہے اس لئے ہم اس کی درخواست رد نہیں کرتے۔

اس کے بعد مامون نے جلودی سے کہا! خدا کی قسم ہم ان کے قول کو قبول نہیں کریں گے اور تمہیں بھی تمہارے دونوں ساتھیوں کے پاس بھجوادیں گے چنانچہ جلادنے آگے بڑھ کر اس کی گردن بھی اڑادی۔

جب مامون ان تینوں کو قتل کر چکا تو "ذوی الریاستین" کو معلوم ہو گیا کہ مامون نے سفر کرنے کا قطعی عزم کرلیا ہے۔ اسی لئے جب امام رضاؑ نے مامون سے پوچھا کہ اے امیر! تم نے فیتہ دار سپاہیوں کو حاضر کرنے کے سلسلے میں کیا سوچا ہے تو مامون نے عرض کی! اے میرے سید و آقا! براہ کرم آپ ہی انہیں اس کام کا حکم دیں۔ لہذا حضرت امام رضاؑ باہر تشریف لائے اور باآواز بلند اعلان فرمایا! لوگو شاہی دستے کو آگے آنے دو:

راوی کہتا ہے کہ اس آواز سے گویا لوگوں کے درمیان ایک قسم کی آگ بھڑک اٹھی اور فیتہ دار سپاہیوں نے آگے بڑھ کر برق رفتاری کے ساتھ سواریوں کے لئے "مرکب" پیش کرنے شروع

کردیئے۔ذوی الریاستین اپنے گھر میں بیٹھا ہوا تھا اور گھر سے باہر نہیں نکل رہا تھا۔مامون نے آدمی بھیج کر اسے طلب کیا۔اس نے مامون کے سامنے حاضر ہو کر کہا!اے امیر! تیرے خاندان والوں اور لوگوں کے نزدیک میرا گناہ بہت بڑا ہے وہ مجھے ملامت کر رہے ہیں کہ میں نے تمہارے بھائی امین کو قتل کیا ہے اور چونکہ میں نے ہی علی بن موسٰی الرضاؑ کو ولیعہد بنوایا ہے اس لئے وہ میری سرزنش کے درپے ہیں۔مجھ سے حسد کرنے والے اور میرے بدخواہ مجھے تمہارے ساتھ امن وسلامتی سے نہیں رہنے دیں گے۔اس لئے میں چاہتا ہوں کہ مجھے خراسان میں ہی رہنے دیا جائے تا کہ میں یہاں کے امور کو صحیح طور پر چلا سکوں۔مامون نے جواب دیا! کیونکہ ہم تم سے بے نیاز نہیں ہوئے اور چونکہ تم ہمارے آزمائے ہوئے قابل اعتماد اور مخلص ساتھی ہو اس لئے تم جو کچھ بھی چاہتے ہو اسے اپنے ہاتھوں سے امان نامہ کے طور پر تحریر کرو ہم اس کی تائید کر دیں گے۔یہ سن کر فضل بن سہل گیا اور اپنے لئے امان نامہ لکھا جس پر تمام علمائے کرام کے دستخط کرائے اور اسے مامون کے پاس لے آیا جسے پڑھنے کے بعد مامون نے اس پر دستخط کر دیئے اور لکھا۔جو کچھ اس امان نامہ میں ہے وہ بالکل درست اور صحیح ہے ہم اس سے قبل تمہیں "کتاب حبا" بھی عطا کر چکے ہیں اور ہم نے تمہیں فلاں فلاں مال و جواہرات اور اراضی کے علاوہ دنیا سے متعلق جن چیزوں کی تمہیں آرزو تھی وہ بھی عطا کی ہوئی ہیں۔

اس موقع پر ذوی الریاستین نے کہا!اے امیر! ضروری معلوم ہوتا ہے کہ اس امان نامہ پر ابوالحسن علی بن موسٰی الرضاؑ بھی کچھ تحریر فرماتے۔جس طرح آپ نے اسے قبول کیا ہے وہ بھی اسے قبول قرار دیتے کیونکہ وہ آپ کے بعد ولیعہد ہیں مامون نے جواب دیا!اے فضل!تمہیں معلوم ہے کہ انہوں نے ہمارے ساتھ معاہدہ کرتے ہوئے یہ شرط رکھی تھی کہ وہ کسی بھی معاملے میں مداخلت نہیں کریں گے۔لہذا ہم ان سے کسی ایسی چیز کا تقاضا نہیں کریں گے جو انہیں ناپسند ہو۔ہاں البتہ اگر تم خود امامؑ سے براہ راست بات کرنا چاہو تو تمہیں اختیار ہے۔اس جواب کے بعد ذوی الریاستین امام رضاؑ کی خدمت میں حاضر ہوا۔یاسر خادم کہتا ہے کہ اس وقت ہم امامؑ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے۔

امامؑ نے فضل کو آتے دیکھ کر ہمیں فرمایا!تم لوگ یہاں سے اٹھ کر چلے جاؤ فضل آگے بڑھا اور امامؑ کے سامنے جا کر کھڑا ہو گیا قدرے توقف کے بعد امامؑ نے اپنا سر مبارک بلند فرمایا اور فضل سے کہا!ہاں!بتاؤ!تمہاری حاجت کیا ہے؟

فضل نے کہا! مولا! امیر مامون نے یہ امان نامہ مجھے دیا ہے اور چونکہ آپؑ بھی ولیعہد ہیں اس لئے میں چاہتا ہوں کہ اس (امان نامہ) پر آپؑ کی تائید بھی موجود ہو۔

امامؑ نے فرمایا! امان نامہ مجھے پڑھ کر سناؤ! فضل بن سہل نے وہیں کھڑے کھڑے وہ طویل امان نامہ پڑھا جو ایک ضخیم جلد پر مشتمل تھا جب وہ "امان نامہ" پڑھ چکا تو امام رضاؑ نے فرمایا! اے فضل! جب تک تو اللہ تعالٰی کی (یعنی اس کے احکامات کی) پرواہ کرے گا اس امان نامہ میں جو کچھ لکھا ہے اس کی ضمانت میرے ذمہ ہے۔

یاسر کہتا ہے کہ امام رضاؑ نے محض ایک جملے کی قید لگا کر ذوی الریاستین کو (بمعہ اس کے اختیارات کے) محدود کر دیا۔ یہ جواب سننے کے بعد فضل بن سہل واپس چلا گیا۔ (بحارالانوار ج ۴۹، عیون اخبار الرضا ج ۲)

ذوی الریاستین کا بھائی حسن بن سہل ایک خط لیکر ہمارے پاس پہنچا۔ اس خط میں فضل نے مامون کو لکھا تھا کہ میں نے نجوم پر نظر ڈالی ہے اور اس سال سے متعلق علم نجوم کے مطابق جو حساب لگایا ہے اس کے مطابق اس سال کے فلاں مہینے میں چہارشنبہ (بدھ) کے دن تمہیں لوہے اور آگ کی حرارت چکھتے پایا ہے۔ لہذا اے امیر! آپ کے لئے اور ابوالحسن علی بن موسٰی الرضاؑ کے لئے میری رائے یہ ہے کہ آپ دونوں اس دن حمام جائیں اور حجامت (فصد) کے ذریعہ اپنے اپنے جسم کا خون نکلوائیں تاکہ وہ نحوست جسے میں نے علم نجوم کی روشنی میں دیکھا ہے۔ آپ دونوں سے دور ہو جائے چنانچہ مامون نے خط کے ذریعے حضرت امام رضاؑ کو دوسرے دن حمام جانے کے بارے میں تاکید کی۔ مگر امام رضاؑ نے جواب میں مامون کو لکھا کہ میرے خیال میں نہ تو مجھے حمام جانا چاہیئے اور نہ ہی تمہارا حمام جانا مناسب ہے۔ بلکہ میرے خیال میں فضل بن سہل کے لئے مصلحت کا تقاضا یہی ہے کہ وہ بھی کل حمام جانے سے گریز کرے۔ مامون نے اس سلسلے میں دوبارہ امامؑ کو خط بھجوایا اور دوسری بار امامؑ نے پہلے جواب کے علاوہ یہ بھی تحریر فرمایا کہ میں نے کل رات جناب رسولخداؐ کو خواب میں دیکھا اور آنحضرتؐ نے مجھے مخاطب کر کے فرمایا ہے کہ اے علی! کل حمام مت جانا۔ اسی لئے تمہیں بھی اے مامون! میرا مشورہ یہی ہے کہ کل تم بھی حمام جانے سے گریز کرو نیز فضل بن سہل کے لئے بھی میرا مشورہ یہی ہے۔ اس خط کے موصول ہونے کے بعد مامون نے امام رضاؑ کو جواب میں لکھا: مولا آپؑ نے اور جناب رسولخداؐ نے

جو فرمایا ہے وہی صحیح ہے اس لئے اب میں بھی حمام نہیں جاؤں گا۔ رہ گیا فضل کا معاملہ تو وہ اپنے بارے میں خود بہتر فیصلہ کر سکتا ہے۔

یاسر کہتا ہے کہ جب اس دن شام کو سورج غروب ہوا تو امام رضاؑ نے ہمیں حکم دیا کہ ہم سب "نعوذ باللہ من شر ما ینزل فی ھذہ اللیلۃ" کا ورد شروع کریں۔ چنانچہ ہم نے اس ورد کو مسلسل پڑھنا شروع کر دیا۔ جو صبح کی نماز (فجر) تک جاری رہا نماز فجر ادا کرنے کے بعد امامؑ نے فرمایا اب "نعوذ باللہ من شر ما ینزل فی ھذا الیوم" کا ورد شروع کر دو۔ پھر جب سورج پوری طرح طلوع ہو گیا تو یاسر کہتا ہے کہ مجھے امام رضاؑ نے مخاطب کر کے فرمایا! (یاسر!) چھت پر جاؤ اور کان لگا کر سنو دیکھو کوئی آواز تو نہیں آ رہی؟! لہذا جب میں چھت پر گیا تو مجھے گریہ و بکا کی آوازیں سنائی دیں جو بتدریج شدت اختیار کر رہی تھیں۔ اسی دوران میں نے دیکھا کہ مامون اپنے محل کے دروازے سے نکلا جہاں سے وہ امام رضاؑ سے ملنے کے لئے آیا کرتا تھا۔ مامون نے امام رضاؑ کی خدمت میں حاضر ہونے کے بعد کہا! اے میرے مولا و آقا! اللہ تعالیٰ آپؑ کو فضل کی مصیبت (موت) کے سلسلے میں اجر جزیل عطا فرمائے۔ وہ جونہی حمام میں داخل ہوا ایک گروہ نے جن کے ہاتھوں میں تلواریں تھیں اچانک برآمد ہو کر اس پر حملہ کر کے اس کو قتل کر ڈالا ہے۔ ان لوگوں کے بارے میں پتہ چلا ہے کہ وہ تین افراد تھے (یاد رہے بعض کتب تواریخ میں ان کی تعداد چار بھی بیان کی گئی ہے اور ان افراد کے نام غالب، قسطنطین، فرج اور موفق بتائے گئے ہیں جو کہ علی بن ابی سعید کے تحت فرمان اس اقدام پر مامور کیے گئے تھے۔ مترجم) اور کہا جاتا ہے کہ ان میں ایک فرد فضل کی خالہ کا بیٹا ذوالقلمین (یا ذوالعلمین) تھا۔

یاسر کہتا ہے کہ شاہی لشکر کے تمام سربراہ، جرنیل اور سپاہی ذوالریاستین کے فرمان کے مطابق مامون کے قصر میں جمع ہو گئے ان سب کا یہ کہنا تھا کہ مامون نے ہی دھوکا دیکر فضل کو قتل کرایا ہے اور اسی سبب کی بناء پر اسی سے اس کے خون کا مطالبہ کریں گے۔ اس صورتحال کی بناء پر مامون نے حضرت امام رضاؑ سے پناہ طلب کی اور درخواست کی کہ مولا! اگر آپؑ مناسب سمجھیں تو آپؑ خود ہی باہر تشریف لے جا کر ان لوگوں کو وہاں سے منتشر کرنے کے لئے اقدام فرمائیں۔ چنانچہ امامؑ جب خود سوار ہو گئے تو یاسر کہتا ہے کہ لوگوں نے چاروں طرف جمع ہونے کے بعد ہاتھ میں آگ جلانے کا سامان لیا ہوا ہے اور وہ چاروں طرف آگ لگانے کی تیاریاں کر رہے ہیں۔ امامؑ نے با آواز بلند فرمایا! ایھا الناس! سب اپنے

اپنے گھروں کو واپس چلے جاؤ۔اس آواز کا بلند ہونا تھا کہ یاسر کہتا ہے کہ خدا کی قسم میں نے دیکھا کہ لوگوں نے اس طرح وہاں سے راہ فرار اختیار کیا کہ وہ بھاگتے ہوئے ایک دوسرے سے (بدحواسی کے عالم میں) ٹکرا رہے تھے اور اس امر کے دھیان دیئے بغیر کہ کوئی ان کے پاؤں کے نیچے کچلا نہ جائے وہ لوگ وہاں سے بھاگنے لگے۔یہاں تک کہ سب وہاں سے چلے گئے اور ایک فرد بھی وہاں باقی نہ بچا۔

امامؑ ہمیشہ مامون اور اس کے قریبی افراد کے حسد کا نشانہ بنتے رہے یہی وجہ ہے کہ امامؑ کی زندگی کا یہ عہد واقعات سے بھرپور اور عجیب و غریب ہے۔امامؑ کی ولی عہدی کا زمانہ بحرانی دور ہے۔اس دوران آپؑ سے ایسے کمالات ظاہر ہوئے جو آپ کے آباؤاجداد اور اولاد کے ہاں نہیں ملتے۔

امام رضاؑ کی دعا سے باران رحمت:

مجلسی نے بحارالانوار، ابن شہر آشوب نے مناقب اور صدوق نے عیون میں اور بعض مورخین مثلاً روضۃ الصفا اور حبیب السیر کے مصنف لکھتے ہیں کہ امامؑ کی ولیعہدی کے بعد خراسان میں خشک سالی کا دور آیا۔اس دوران لوگ سخت گھبرا گئے۔مخالفین نے اس موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اسے امام کے انتصاب سے نسبت دیتے ہوئے سلطنت کے لئے بدشگونی قرار دیا۔آخرکار انہوں نے برملا کہنا شروع کر دیا کہ جب سے امام علی بن موسیٰ الرضاؑ کی ولیعہدی کا اعلان ہوا ہے پروردگار عالم نے بارش کا نزول ختم کر دیا ہے۔جب یہ خبر مامون تک پہنچی تو اسے نہایت سخت صدمہ ہوا۔ اس نے حضرت امام رضاؑ کو طلب کرنے کے بعد امامؑ سے درخواست کی کہ آپؑ نماز استسقاء(طلب باران کے لئے) پڑھائیں اور اللہ تعالیٰ کے حضور دعا فرمائیں کہ وہ باران رحمت نازل فرمائے۔امام رضاؑ نے مامون کی درخواست کو قبول کرتے ہوئے فرمایا! ٹھیک ہے میں نماز پڑھا دوں گا! مامون نے عرض کی:مولا! آپؑ یہ کام کس دن انجام دینا چاہیں گے!جس دن یہ تقاضا کیا گیا وہ جمعہ کا دن تھا۔

امامؑ نے فرمایا! کہ میں انشاءاللہ دوشنبہ (پیر) کے دن نماز پڑھاؤں گا اس لئے کہ کل رات کو میں نے خواب میں جناب رسول خداؐ اور آپؐ کے ہمراہ اپنے جد نامدار حضرت امیرالمومنین علی بن ابی طالبؑ کو دیکھا تھا اس موقع پر آنحضورؐ نے مجھے فرمایا بیٹا! صبر سے کام لو اور دوشنبہ کے دن کا انتظار کرو اس دن لوگوں کے ہمراہ صحرا میں جا کر طلب باران کی دعا کرنا یقیناً حق تعالیٰ اسی دن لوگوں کے لئے بارش

برسائے گا۔ لوگوں کو آگاہ کرو کہ اللہ تعالٰی نے تمہیں (یعنی امامؑ کو) وہ کچھ دکھایا ہوا ہے۔ جس کا انہیں علم تک نہیں تا کہ اس طرح لوگوں کو پتا چل سکے کہ اللہ کے نزدیک تمہارا مقام و مرتبہ کیا ہے۔ جبکہ وہ لوگ جو تمہارے بارے میں قدرے علم رکھتے ہیں ان کے علم میں مزید اضافہ ہو سکے۔

بہر حال جب "پیر" کا دن آیا تو حضرت امام رضاؑ صحرا کی طرف روانہ ہوئے اور لوگوں کی بہت بڑی تعداد بھی صحرا میں جمع ہو گئی سب کی نظریں امامؑ پر مرکوز تھیں۔ اس موقع پر امام رضاؑ نے منبر پر جلوہ فروز ہونے کے بعد حمد و ثنائے پروردگار بیان فرمائی اور اس کے بعد فرمایا۔

"بار الہا! یہ تیری ذات ہی ہے۔ جس نے ہم اہل بیتؑ کے حق کو عظیم قرار دیا تا کہ لوگ تیرے حکم کے مطابق ہمارے دامن سے وابستہ ہوں اور ہم سے مدد و یاری طلب کریں، تیرے لطف و کرم کی توقع رکھیں، تیری رحمت کے طلبگار ہوں تیرے احسانات پر نظر رکھیں اور تیری مغفرت و بخشش کا تقاضا کریں۔

بار الہا! ان لوگوں کو جو تیرے حضور ہمارے وسیلے سے طلب رحمت کے خواہاں ہیں ایسی بارش سے سیراب فرما جو ان سب کے لئے فائدہ مند ہو۔ جس سے ان کی مایوسیاں ختم ہو جائیں۔ جو ان لوگوں کے لئے نقصان کا باعث نہ بنے۔ جو مسلسل ہو بغیر کسی وقفے کے اور جس کی ابتداء اس وقت ہو جب یہ سب لوگ اپنے اپنے گھروں میں پہنچ جائیں۔

راوی کہتا ہے کہ قسم ہے اس ذات کی جس نے حضرت محمد مصطفیٰؐ کو برحق نبوت و رسالت کے ہمراہ مبعوث فرمایا۔ ابھی امامؑ کے دعائیہ کلمات ختم ہی ہوئے تھے کہ اچانک تیز ہوائیں چلنے لگیں اور چند ہی لمحوں میں آسمان پر بادل چھا گئے اور بجلی کڑکڑانے لگی (یعنی بادل گرجنے لگے)۔ یہ صورتحال دیکھ کر لوگ حرکت میں آ گئے گویا وہ خود کو بارش سے محفوظ رکھنے کے خواہاں تھے۔

امامؑ نے لوگوں کو مخاطب کر کے فرمایا! ایھا الناس! گھبراؤ مت، پرسکون رہو۔ اپنی صفوں کو مت توڑو! یہ بادل تم لوگوں کے لئے نہیں بلکہ یہ بادل فلاں ملک کی طرف جا رہے ہیں۔ چنانچہ کچھ ہی دیر کے بعد وہ بادل آسمان سے غائب ہو گئے اور پھر کچھ دیر کے بعد آسمان دوبارہ بادلوں سے بھر گیا اور بادلوں کے گرجنے کی آوازیں سنائی دینے لگیں۔ اب پھر لوگوں نے اپنی جگہ سے اٹھنے کا ارادہ کیا مگر امامؑ نے انہیں ایک بار پھر یہ فرما کر روک دیا کہ لوگو! یہ بادل بھی تمہارے لئے نہیں بلکہ یہ بادل فلاں علاقے

کے لوگوں کے لئے ہیں۔ پہلے بادلوں کی مانند یہ بادل بھی آگے بڑھ گئے یہاں تک کہ مسلسل دس بار آسمان بادلوں سے بھرتا رہا اور پھر بادل وہاں سے گزر کر جاتے رہے اور ہر بار امامؑ یہی فرماتے کہ ایھا الناس! یہ بادل بھی تمہارے لئے نہیں بلکہ یہ فلاں ملک کے لوگوں کے لئے ہیں۔ اس لئے آپ لوگ اپنی جگہ پر سکون کے ساتھ بیٹھے رہیں اس کے بعد جب گیارہویں بار مطلع ابر آلود ہوا تو امام رضاؑ نے لوگوں کو مخاطب کر کے فرمایا!

ایھا الناس! یہ وہ بادل ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے تم لوگوں کے لئے بھیجا ہے اور یہ اس وقت تک نہیں برسیں گے جب تک تم سب اپنے اپنے گھروں اور ٹھکانوں تک نہیں پہنچ جاتے۔ ان بادلوں سے تمہارے لئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے "خیر" و "برکت" برسے گی۔ بے شک اللہ تعالیٰ کی ذات ہی کے لئے تمام لطف و کمال ہے۔ یہ کہنے کے بعد امامؑ منبر سے نیچے تشریف لے آئے۔ اور لوگوں نے اپنے اپنے گھروں کی طرف واپس جانا شروع کر دیا۔ آسمان بادلوں سے ڈھکا ہوا تھا مگر بادل برس نہیں رہے تھے۔ مگر جونہی لوگ اپنے اپنے گھروں میں پہنچے شدید بارش شروع ہوئی اور دیکھتے ہی دیکھتے دریا، تالاب اور حوض وغیرہ سب پانی سے بھر گئے یہاں تک کہ صحراؤں میں بھی گڑھوں کی طرح پانی بھر گیا۔ اس کے بعد ہر طرف سے یہی صدائیں سنائی دینے لگیں کہ واقعاً یہ فرزند رسولؐ کے لئے ہی اللہ تعالیٰ کی کرامات ہیں جن سے ہمیں بھی فیض حاصل ہوا۔

راوی کہتا ہے کہ جب لوگوں کو امام رضاؑ کی دعا کے نتیجہ میں باران رحمت سے اللہ تعالیٰ نے سیراب کر دیا تو اس کے بعد امام رضاؑ جب لوگوں کے درمیان تشریف لائے اور لوگوں کی بہت بڑی تعداد امامؑ کے ارد گرد جمع ہو گئی تو امامؑ نے انہیں مخاطب کر کے فرمایا!

ایھا الناس! اللہ سے ڈرو! اللہ تعالیٰ نے تمہیں جن نعمتوں سے نوازا ہے ان نعمات کو اپنی کوتاہیوں اور گناہوں کی آلودگی کے ذریعے خود سے متنفر اور دور نہ کرو۔ بلکہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور شکر بجا لا کر انہیں دائمی اور مستقل بنانے کی سعی کرو۔ یاد رکھو! اللہ تعالیٰ پر ایمان لانے اور اس کے محبوں یعنی آلِ رسولؐ سے دوستی اور انؑ کے حق کا اعتراف کرنے کے بعد تم کسی بھی چیز کے ذریعے اس (اللہ) کا شکر ادا نہیں کر سکتے مگر یہ کہ تم امور دنیا میں اہل ایمان کی نصرت و مدد کرتے رہو۔ اور اس بات کو ہمیشہ پیش نظر رکھو کہ یہ دنیا مومنین کے لئے ان کے پروردگار کی بہشت کی طرف لے جانے والی گذرگاہ ہے۔ لہذا

اپنے دینی بھائیوں کی ان کے امور و معاملات میں مدد کرو اگر انہیں تمہاری امداد کی ضرورت ہو تو ان کی معاونت کرنا اپنا اولین فرض خیال کرو۔ جو بے یار و مددگار ہیں ان کا سہارا بنو۔ یقیناً اگر تم نے ایسا کیا تو تم بھی اللہ تبارک و تعالٰی کے مقربین خاص کی صف میں شامل ہو جاؤ گے۔

اس ضمن میں جناب رسولخداؐ کا ارشاد گرامی خود سند ہے اور صاحب عقل (سلیم) کے لئے یہ امر سزاوار نہیں کہ وہ اللہ تعالٰی کے فضل و رحمت سے غفلت برتے یا اسے اہمیت نہ دے۔ جب آنحضورؐ سے یہ کہا گیا کہ یا رسول اللہؐ فلاں شخص نے اپنے گناہوں اور ایسی ایسی باتوں کی وجہ سے خود کو معرض ہلاکت میں ڈال رکھا ہے! تو جناب رسولخداؐ نے فرمایا تھا! نہیں! لوگو! ایسا نہیں اس شخص نے نجات حاصل کر لی ہے اور اللہ تعالٰی اس کا خاتمہ خیر پر فرمائے گا۔ جلد ہی اس کے تمام گناہ بخش دیئے جائیں گے اور اس کے گناہوں (کوتاہیوں) کو نیکیوں میں بدل دیا جائے گا اس لئے کہ وہ ایک دفعہ راستے سے گذر رہا تھا کہ اچانک اس کی نظر ایک ایسے مرد مومن پر پڑی جس کی شرمگاہ ننگی تھی مگر وہ (مومن) اس سے بے خبر تھا۔ چنانچہ اس نے اس مومن کو اس امر کی طرف متوجہ کئے بغیر اس کی شرمگاہ کو ڈھانپ دیا محض اس خیال سے کہ اگر کہیں وہ مومن اس کی طرف متوجہ ہوا تو وہ شرم محسوس کرے گا۔ پھر وہ مومن بھی اسی کے ہمراہ چل دیا راستے میں ایک درے سے گذرتے ہوئے اس مومن کو پتا چل گیا کہ اس شخص نے اس کے ساتھ کیا نیکی کی تھی؟ اس لئے اس نے اسے مخاطب کر کے کہا! اللہ تعالٰی تمہیں اس نیکی کا اجر جزیل عطا فرمائے اور اللہ تیری عاقبت بخیر کرے نیز اللہ تعالٰی تیرے حساب میں نرمی بھی فرمائے۔ اللہ تعالٰی نے اس مومن کی دعا کو اس شخص کے حق میں درجہ قبولیت عطا فرمایا۔ اس طرح یہ شخص صرف اور صرف اس مومن کی دعا کے نتیجہ میں خیر و برکت کی عاقبت (انجام) کا مستحق قرار پا گیا ہے۔ کہتے ہیں کہ جب یہ خبر (جو زبان رسالتؐ سے بیان ہوئی تھی۔) اس شخص تک پہنچی (جس کے بارے میں کہا گیا تھا کہ اس نے خود کو معرض ہلاکت میں مبتلا کر رکھا ہے) تو اس شخص نے سات دن تک مسلسل اللہ تعالٰی کے حضور اپنے گناہوں کی توبہ کی اور غلط کاموں کو چھوڑ کر تہ دل سے اطاعت الٰہی میں مصروف رہا پھر ابھی سات دن ہی گذرے تھے کہ اطراف مدینہ میں ڈاکوؤں کے ایک گروہ نے شب خون مارا اور لوگوں کا مال لوٹ کر لے گئے چنانچہ جناب رسولخداؐ نے ایک گروہ کو ان کے تعاقب میں روانہ کیا جس میں یہ شخص بھی شامل تھا اور اسی تعاقب کے دوران یہ شخص قتل کر دیا گیا۔

حضرت امام محمدؑ بن علیؑ بن موسیٰ الرضاؑ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے جب حضرت امام رضاؑ کی دعا کی برکت سے اس ملک (خراسان) کے لوگوں پر اپنی رحمت نازل فرمائی۔ انہی دنوں مامون الرشید سے وابستہ افراد میں سے ایک (فرد) ایسا بھی تھا جو عرصہ دراز سے یہ توقع لئے بیٹھا تھا کہ اسے ولیعہدی کے منصب کے لئے منتخب کیا جائے گا۔ اسے یہ توقع ہرگز نہیں تھی کہ اس منصب کے لئے حضرت امام رضاؑ کو منتخب کیا جائے گا۔ اسی طرح اور بھی کئی لوگ تھے جو مامون کے درباری تھے مگر امام رضاؑ سے انہیں سخت حسد اور بغض تھا۔ انہی لوگوں میں سے ایک شخص نے ایک دن مامون سے کہا! اے مسلمانوں کے امیر! میں تمہیں خدا کا واسطہ دیکر درخواست کرتا ہوں کہ خدارا! ایسا کوئی کام مت کرنا جس سے خلافت بنوعباس کا خاتمہ ہو اور تم آخری عباسی خلیفہ قرار پاؤ اور تاریخ میں یہ کام تمہاری ذات سے منسوب ہو جائے۔ اس لئے کہ بنوعباس کے لئے یہ خلافت (کا منصب) ایک عظیم افتخار (اعزاز) ہے، یہی ان کی عظمت و سربلندی کا باعث ہے اور تم اس خلافت کو خاندان بنوعباس سے نکال کر خاندان علیؑ میں منتقل کرنے کا موجب بن رہے ہو۔ گویا اس طرح تم اپنی ذات اور اپنے پورے خاندان پر ظلم کے مرتکب ہو رہے ہو۔ تم ایک شخص کی خاطر یہ سب کچھ کر رہے ہو جو خود بھی "جادوگر" ہے اور ساحر زادہ بھی (یعنی جادوگروں کی اولاد بھی) جو بالکل گمنام تھا تم نے اسے (نعوذ باللہ) نام دیا۔ جس کی اپنی کوئی حیثیت نہ تھی مگر تم نے اسے ہر دلعزیز بنا دیا۔ جسے لوگ بھول چکے تھے تم نے اسے شہرت دلائی۔ جس کی آواز کو کوئی سننے والا نہ تھا تم نے اس کی آواز کو پوری دنیا میں پھیلا دیا۔ اس بارش کے ذریعے جو اس کی دعا کے نتیجہ میں ہوئی ہے۔ اسی لئے مجھے اس شخص سے بہت خوف محسوس ہوتا ہے۔ مجھے ڈر ہے کہ کہیں اولاد عباس (بنوعباس) سے خلافت کو چھین کر اسے فرزندان علیؑ کے حوالے نہ کر دے۔ مجھے تو اس "جادوگر" سے اس امر کا خطرہ بھی محسوس ہو رہا ہے کہ وہ اپنے جادو کے بل بوتے پر تم سے اس نعمت خلافت کو چھیننے کے لئے کہیں لوگوں کے درمیان تمہارے خلاف بغاوت پیدا نہ کر دے؟! آیا اگر ایسی صورتحال پیدا ہو گئی تو تب تمہیں احساس ہو گا کہ تم نے ایک بہت بڑے جرم کا ارتکاب کیا ہے؟

اس شخص کی باتیں سننے کے بعد مامون نے کہا! ہاں! واقعاً میں محسوس کر رہا ہوں کہ یہ شخص (یعنی امام رضاؑ) خفیہ طریقے سے لوگوں کو اپنی امارت کی دعوت دے رہا ہے۔ ہم تو یہ چاہتے تھے کہ جب ہم اسے اپنا ولیعہد بنائیں گے تو وہ ہمارے لئے کام کرے گا۔ لوگوں کو ہماری اطاعت و فرمانبرداری

کی دعوت دیگا۔ نیز ہماری ولیعہدی کو قبول کرنے کے ذریعے ہماری خلافت کا اعتراف کرے گا اور ملک و بادشاہت کو ہمارے حق کے طور پر تسلیم کرے گا۔ جبکہ وہ لوگ جو دھوکے میں آ کر اس کے معتقد ہو گئے ہیں وہ اس کی طرف سے ولیعہدی کے منصب کو قبول کر لینے کی بناء پر اس کے بارے میں شک و شبہات میں مبتلا ہو کر بتدریج اپنی اس عقیدت اور لگاؤ کو جو انہیں اس شخص سے ہے ختم کر دیں گے۔ کیونکہ وہ یہ جان لیں گے کہ جس امر کا وہ (یعنی امام رضاؑ) مدعی تھا وہ درحقیقت درست نہیں علاوہ ازیں ہمیں یقین تھا کہ اس کے ضمنی دستخط ہمارے لئے اس خلافت کے مخصوص ہونے کا ثبوت بن جائیں گے۔

اسلئے کہ ہمیں ڈر تھا کہ اگر ہم نے اسے اس کے حال پر چھوڑ دیا اور وہ لوگوں کی اسی طرح حمایت و طرفداری کے حصول میں سرگرم رہا تو ہو سکتا ہے کہ ہماری خلافت کی راہ میں ایسی رکاوٹ کھڑی کر دے جسے ہم ہٹانے کی قدرت و طاقت ہی نہیں رکھتے نیز ہمارا یہ خیال تھا کہ اگر اسے ہم اپنے ساتھ شامل کر لیں تو ہم خود کو اکثر بلاؤں سے محفوظ کر لیں گے لیکن اب جبکہ ہم نے اسے ولیعہد مقرر کر دیا ہے ہمیں محسوس ہونے لگا ہے کہ ہم نے بہت بڑی غلطی کا ارتکاب کیا ہے ہم نے اسے بلند کر کے اپنے آپ کو ہلاکت کے کنارے لا کھڑا کر دیا ہے اس لئے اب ہمارے لئے جائز نہیں کہ ہم اس معاملے میں کسی بھی قسم کی سستی سے کام لیں بلکہ ہمیں یہ کوشش کرنی ہوگی کہ لوگوں کے درمیان بتدریج یہ تاثر قائم کریں کہ وہ درحقیقت اس منصب کا اہل ہی نہیں۔ پھر اس امر کے بارے میں سوچیں کہ کس طرح ہم اس بلاء کو اپنے سروں سے ٹال کر خود کو ہمیشہ کے لئے محفوظ بنا سکتے ہیں؟!

مامون کی یہ باتیں سن کر اس شخص نے کہا! اے مسلمانوں کے امیر! اس معاملے کو آپ مجھ پر چھوڑ دیں۔ میں اسے اور اس کے طرفداروں کو اس طرح خاموش کر دوں گا کہ وہ اس طرح لاجواب ہو جائیں گے جیسے ان کی زبانیں ہی نہیں ہیں (گویا وہ گونگے ہیں) اے امیر! اگر مجھے آپؑ کی معیت اور رعب و دبدبے کا خوف نہ ہوتا تو میں اسے کب کا اس کے اصل مقام تک پہنچا چکا ہوتا۔ اب بھی وقت ہے میں اس کی قدر و عظمت کو اس حد تک گھٹا دوں گا کہ ولیعہدی کے منصب تک رسائی اس کے لئے ناممکن ہو جائے گی۔

مامون نے کہا! ہمارے لئے اس سے بہتر اور کونسی چیز ہو سکتی ہے۔

اس شخص نے کہا! اس علاقے کے بزرگوں کی ایک جماعت کو آپ دربار میں بلائیں۔ نیز

تمام سپہ سالاروں، قاضیوں اور برگزیدہ فقہا کو بھی آپ اپنے دربار میں اکٹھا کریں تا کہ میں ان سب کی موجودگی میں یہ ثابت کرسکوں کہ وہ اس منصب کا حقدار ہی نہیں جو آپ نے اسے سونپا ہے۔

راوی کہتا ہے کہ اس کے بعد مامون نے اپنے دربار میں بزرگ اور نامور شخصیات کی ایک بہت بڑی تعداد کو بلایا اور سب کے سامنے حضرت امام رضاؑ کو اپنے قریب اس خاص نشست پر بٹھایا جو اس کے ولیعہد کے لئے مخصوص تھی۔ جب سب لوگ جمع ہو گئے تو وہ شخص (حاجب) جس نے مامون سے وعدہ کیا تھا کہ وہ امامؑ کو ان کے مقام سے ہٹا دے گا اس نے حضرت امام رضاؑ کو مخاطب کر کے کہا!

آپؑ کے بارے میں ایسی ایسی باتیں کہی جارہی ہیں کہ اگر آپؑ کو ان کے بارے میں اطلاع مل جائے تو یقیناً آپؑ خود بھی ان سے بیزاری کا اظہار فرمائیں گے۔ اس ضمن میں سب سے پہلی بات تو نماز استسقاء سے متعلق ہے اور وہ یہ ہے کہ آپؑ نے دعا کی اور اس کے نتیجہ میں بارش ہوئی۔ حالانکہ آپؑ کی دعا کے بغیر بھی ہر سال معمول کے مطابق بارشیں ہوتی رہی ہیں۔ اور یہ معمول کی بات ہے کہ بارشیں اپنے مقررہ وقت پر ہی ہوتی ہیں۔ مگر لوگوں نے اس معاملے کو بڑھا چڑھا کر بیان کیا اور بارش کو آپؑ کے معجزے سے تعبیر کر دیا ہے تو اس معجزے کے ذریعے یہ ثابت کیا جارہا ہے کہ آپؑ دنیا میں وہ واحد شخصیت ہیں جس کی کوئی نظیر پیش نہیں کرسکتا۔ حالانکہ یہ ہم مسلمانوں کے امیر (مامون) ہیں اللہ تعالٰی ان کا سایہ قائم و دائم رکھے۔ جن کے مقابلے میں کوئی بھی اپنی فضیلت کے اظہار کی جرات نہیں کرسکتا اور انہوں نے ہی آپؑ کو ولیعہدی کا منصب عطا کیا ہے اور آپؑ کو اس مقام تک پہنچایا ہے جسے آپؑ خود بھی اچھی طرح جانتے اور پہچانتے ہیں لہذا آپؑ کے لئے یہ بات ہرگز ہرگز سزاوار نہیں کہ آپؑ کے بارے میں لوگ جو جھوٹا پروپیگنڈہ کر رہے ہیں اسے جائز سمجھیں اور اس کا بوجھ مسلمانوں کے امیر (مامون) پر ڈال دیں۔

حضرت امام رضاؑ نے فرمایا! اگر چہ مجھے یہ بات ہرگز پسند نہیں کہ لوگ میری توصیف بیان کرتے رہیں تاہم میں لوگوں کو ان نعمات کے ذکر سے بھی منع نہیں کرسکتا جن سے اللہ تعالٰی نے مجھے اپنے فضل و کرم سے نوازا ہے۔ رہ گئی یہ بات کہ بقول تمہارے امیر (یعنی مامون) نے مجھے اس منصب پر مقرر کیا ہے تو اس ضمن میں تمہیں یاد دہانی کرانا چاہتا ہوں کہ مجھے مامون نے کوئی مقام اور منصب نہیں دیا۔ اس لئے کہ تو اچھی طرح سے جانتا ہے کہ مامون کی طرف سے مجھے جس عہدے کی پیشکش کی گئی ہے وہ بالکل اسی طرح ہے جیسے بادشاہ مصر نے حضرت یوسفؑ کو جو اللہ کے سچے نبی تھے عہدہ سونپا تھا۔

امام رضاؑ کے اس جواب کو سن کر وہ شخص اپنے غصے کو قابو میں نہ رکھ سکا اور اس نے کہا! اے فرزند موسیٰ! آپؑ اپنی حد سے آگے قدم رکھ رہے ہیں اور اپنی شان اور حیثیت سے تجاوز فرما رہے ہیں! اللہ تعالیٰ نے بارش کے لئے ایک خاص وقت مقدر (مقرر) فرما رکھا ہے اور اس وقت مقررہ میں نہ تو تقدیم ہو سکتی ہے نہ تاخیر۔ مگر آپؑ اسے اپنے معجزے کی علامت قرار دیکر اس پر فخر کر رہے ہیں اور اس کے ذریعے اپنی برتری اور فضیلت کا اظہار کرنا چاہتے ہیں۔ گویا کہ آپؑ یہ بتانا چاہتے ہیں کہ آپؑ نے بھی ابراہیم خلیل الرحمٰن کی طرح کا کوئی کارنامہ انجام دیا ہے یعنی جس طرح انہوں نے پرندوں کے سروں کو اپنے ہاتھ میں رکھا جبکہ ان کے باقی جسم کے حصوں کو کوٹ کر ان کا قیمہ بنانے اور سب کے گوشت کو ملا کر اس کا تھوڑا تھوڑا حصہ پہاڑوں کی چوٹیوں پر رکھنے کے بعد اللہ تعالیٰ کے اذن سے انہیں پکارا اور وہ سب پرواز کرتے ہوئے (زندہ ہو کر) ان کے پاس چلے آئے اور ان کا یہ عمل معجزہ قرار پایا۔

لہذا اگر واقعاً آپ کی سوچ یہی ہے کہ آپؑ کی کرامات سے ہی بطور معجزہ بارش ہوئی تو پھر آپ ان دونوں (شیروں) کو مجھ پر مسلط کر دیں۔ اس کے بعد اس نے مامون کی مسند پر بنے ہوئے دو شیروں کے نقش کی طرف اشارہ کیا۔ اگر ان دونوں نے واقعی آ کر میرا کام تمام کر دیا تو اس صورت میں آپؑ کا کہنا بجا ہوگا کہ آپؑ واقعاً معجزنما ہیں۔ اس لئے کہ معمول کے مطابق برسنے والی بارش کے سلسلے میں آپؑ اس امر کے سزاوار نہیں ہیں کہ یہ تسلیم کر لیا جائے کہ دوسروں کے مقابلے میں صرف آپؑ ہی کی دعا کے اثر سے بارش ہوئی تھی کیونکہ دعا میں دوسرے افراد بھی شریک تھے۔

اس شخص کی اس گفتگو کو سننے کے بعد امام رضاؑ کو بھی جلال آ گیا اور آپؑ نے تخت مامون پر بچھے ہوئے قالین پر بنے ہوئے دو شیروں کے مجسمہ نقش کی طرف دیکھا اور قہر آمیز آواز کے ساتھ فرمایا! آگے بڑھو اور اس فاجر کو اس طرح چیر پھاڑ کر ختم کر دو کہ اس کا اور اس کے خون تک کا کوئی نام و نشان نظر نہ آئے۔ ابھی امامؑ کی زبان مبارک سے نکلنے والے الفاظ مکمل نہیں ہوئے تھے وہ دونوں شیر جاندار شیروں کی طرح اس شخص پر حملہ آور ہو گئے اس کے جسم کا سارا خون پی جانے کے علاوہ اس کے گوشت اور ہڈیوں تک کو بھی چبا کر نگل گئے جبکہ دربار میں موجود تمام لوگ حیرت زدہ نگاہوں کے ساتھ یہ تمام ماجرا دیکھتے رہے۔ دونوں شیر جب تعمیل حکم کر چکے تو انہوں نے حضرت امام رضاؑ کو مخاطب کر کے کہا!

اے روئے زمین پر مقرر کردہ اللہ کے ولی! اب ہمارے لئے کیا حکم ہے اگر آپؑ اجازت

دیں تو ہم اسے بھی (اشارہ مامون کی طرف تھا) چیر پھاڑ کر اسی جگہ پہنچادیں جہاں اس کا ایک ساتھی پہنچ چکا ہے؟!

مامون نے جب ان کی یہ بات سنی تو غش کھا کر اپنے تخت پر جا گرا۔ امامؑ نے دونوں شیروں کو حکم دیا کہ تم اپنی جگہ پر کھڑے رہو! اس کے بعد امامؑ نے فرمایا! مامون پر عرق گلاب چھڑکا جائے۔ چنانچہ مامون کے غلام عرق گلاب لیکر آئے اور اسکا مامون پر چھڑکاؤ کیا جس سے مامون ہوش میں آ گیا۔

دونوں شیروں نے ایک بار پھر امامؑ سے اسے بھی ختم کرنے کی اجازت مانگی! مگر امام رضاؑ نے فرمایا! نہیں! خدائے عزوجل نے اس کے بارے میں جو تدبیر مقرر کی ہے اسے اللہ تعالیٰ خود انجام دے گا۔ چنانچہ دونوں شیروں نے عرض کی! مولا! اب ہمارے لئے کیا حکم ہے؟

امامؑ نے فرمایا! تم جس طرح پہلے تھے اپنی اسی حالت میں واپس چلے جاؤ۔ یہ سننا تھا کہ دونوں شیر پھر اپنی پہلی صورت (تصویر) میں تبدیل ہو گئے۔

مامون نے کہا! خدا کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ اس نے مجھے حمید بن مہران کے شر سے محفوظ رکھا۔ (مامون کی مراد وہی شخص تھا جسے دونوں شیروں نے نیست و نابود کر دیا تھا) اس کے بعد مامون نے حضرت امام رضاؑ کو مخاطب کر کے کہا! اے فرزند رسولؐ! یہ خلافت اور حکومت صرف اور صرف آپؑ کے جد اعلیٰ جناب رسولخداؐ ہی کی آن سے ہے اور آنحضورؐ کے بعد آپؑ ہی اس کے حقیقی وارث اور اہل ہیں۔ اگر آپؑ چاہیں تو میں آپؑ کی خاطر اس منصب سے کنارہ کش ہونے کو تیار ہوں اور اس منصب کو بھی آپؑ کے حوالے کرتا ہوں!

امام رضاؑ نے فرمایا! اگر ہمیں اس طرح کی چیزوں کی خواہش ہوتی تو میں نہ تو تمہیں یہ بات کہنے کی مہلت دیتا اور نہ ہی تم سے اس بارے میں کوئی خواہش ظاہر کرتا بلکہ میں براہ راست اللہ سے اسے طلب کرتا۔ اس لئے کہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے ساری مخلوقات کو ہماری اطاعت فرمانبرداری پر مامور کیا ہوا ہے۔ ابھی تم ان دو شیروں کو دیکھ چکے ہو کہ انہوں نے کس طرح حق اطاعت ادا کیا یہ تو اولاد آدم میں پائی جانے والی جاہل اور پس ماندہ جماعت ہے کہ جو ہمارے حکم کے مقابلے میں سرکشی کا اظہار کرتی ہے اور اس طرح اپنے لئے فائدہ حاصل کرنے کی بجائے نقصان کو ترجیح دیتے ہیں یہ تو اللہ تعالیٰ کی مصلحت خاص ہے کہ اس نے مجھے حکم دے رکھا ہے کہ میں تمہارے معاملہ میں کوئی اعتراض نہ کروں اور جو کچھ تو

خواہش ظاہر کرے اس کے لئے میں خود کو تمہارے لئے پیش کروں بالکل اسی طرح جس طرح حضرت یوسفؑ نے خود کو فرعون مصر کے فرمان کے تحت قرار دے دیا تھا۔

راوی کہتا ہے کہ اس واقعے کے بعد مامون! مسلسل حضرت امام رضاؑ کے سامنے اپنی کمتری اور پستی کا اظہار کرتا رہا اور خود کو حضرت امام رضاؑ کے مقابلے میں ایک حقیر شخص کے طور پر ظاہر کرتا رہا۔ یہاں تک کہ آخر کار اس نے وہی کیا جس کا اس نے عزم و ارادہ کر رکھا تھا (یعنی امام رضا علیہ السلام کو عالم غربت میں زہر دلوا کر شہید کر ڈالا۔)

ایک دن حضرت امام رضاؑ سے مامون نے سوال کیا کہ آپؑ کے اجداد ہمارے جد عباس کے بارے میں کیا عقیدہ رکھتے ہیں؟ امام جانتے تھے کہ مامون حمید بن مہران کے واقعے سے ناراض ہے، جواب میں فرمایا: اس شخص کے بارے میں کیا کہا جا سکتا ہے کہ خداوند کریم نے اپنے پیغمبر کی اطاعت کو تمام مخلوق پر واجب گردانا اور پیغمبرؐ نے تمام لوگوں کو اپنے چچا کی اطاعت کی تاکید کی۔ مامون امامؑ کے اس جواب سے خوش ہو گیا۔ اسی وقت حکم دیا کہ دس لاکھ دینار امامؑ کی خدمت میں پیش کئے جائیں (مناقب شہر آشوب)

امام رضاؑ کے مختلف ادیان کے رہنماؤں سے علمی مناظرے

اسی طرح کہ ایک علمی مناظرے کی روداد کچھ اس طرح سے ہے: ابو جعفر بن علی بن احمد فقیہ قمی کے بقول: مجھے ابوالحسن بن محمد بن علی بن صدقہ قمی نے بتایا کہ انہوں نے ابو عمر و محمد بن عمر بن عبدالعزیز انصاری سے سنا کہ انہوں نے ایک ایسے شخص سے جس نے حسن بن محمد بن نوفلی ہاشمی سے سنا تھا کہا جب امام علی بن موسیٰ الرضاؑ دارالحکومت پہنچے اور آپؑ نے مامون سے ملاقات کی تو مامون نے فضل بن سہل کو حکم دیا کہ مختلف مذاہب کے دانشوروں کو ایک عظیم اجتماع میں شرکت کی دعوت دو تاکہ ان لوگوں کا امامؑ سے تعارف ہو سکے اور یہ لوگ امامؑ کے کلام سے مستفید ہو سکیں۔ فضل بن سہل نے خلیفہ کے حکم کی تعمیل کی اور تمام مذاہب کے دانشوروں کو ایک مقررہ تاریخ کو مرو آنے کی دعوت دی۔ جس دن یہ تمام دانشور

دارالحکومت آئے اور مذکورہ محفل میں شریک ہوئے تو فضل نے ایک ایک کو خلیفہ کے قریب لے جا کر تعارف کرایا۔ خلیفہ نے تعارفی پروگرام کے بعد ان سب سے مخاطب ہو کر اس طرح اظہار خیال کیا: میں نے آپ کو ایک عظیم مقصد کے لئے دعوت دی ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ آپ لوگ میرے اس چچا زاد مدنی بھائی سے مناظرہ کریں اور اس مقصد کے لئے میں آپ کو کل تک کی مہلت دیتا ہوں تا کہ آپ اچھی طرح تیاری کر کے آئیں۔ یہ لوگ کل صبح آنے کا وعدہ کر کے خلیفہ کی اجازت سے محل خلافت سے رخصت ہو گئے پھر مامون نے اپنے خادم یاسر کو امامؑ کی خدمت میں بھیج کر امامؑ کو تشریف لانے کی دعوت دی۔

حسن بن محمد نوفلی کا کہنا ہے: جب یاسر امامؑ کی خدمت میں آیا تو میں وہاں موجود تھا اس نے عرض کیا۔ اے میرے آقا! مامون نے آپؑ کو سلام بھیجا ہے اور یہ پیغام دیا ہے کہ آپ کا بھائی آپ پر قربان جائے میں نے مختلف ادیان کے اہل کلام کو آپؑ سے مناظرے کی دعوت دی ہے۔ اگر آپ پسند فرمائیں تو ان سے بات چیت کے لئے کل تشریف لائیں اور اگر آپ خود یہاں تشریف لانا پسند نہ فرمائیں تو میں انہیں لے کر خود آپؑ کی خدمت میں حاضر ہو جاؤں گا۔

امامؑ نے یاسر سے فرمایا: خلیفہ کو میرا سلام پہنچانا اور کہنا: مجھے معلوم ہے تم اس قسم کی محافل کو کیوں منعقد کرنا چاہتے ہو اگر خدا نے چاہا تو میں کل خود آؤں گا۔

نوفلی کہتا ہے یاسر کے جانے کے بعد امامؑ مجھ سے مخاطب ہو کر فرمانے لگے اے نوفلی تو عراقی ہے اور عراقی بڑے نکتہ سنج ہوتے ہیں تم بتاؤ کہ تمہارے چچا زاد کا اس قسم کی علمی محافل کے انعقاد سے مقصد کیا ہے؟

نوفلی کہنے لگا: عرض کیا آپ پر قربان جاؤں وہ آپ کو آزمانا چاہتا ہے وہ آپ کا علمی مقام جاننے کا خواہش مند ہے لیکن اسے معلوم نہیں کہ اسے منہ کی کھانا پڑے گی لیکن میں یہ ضرور عرض کروں گا کہ اس کا یہ اقدام بدنیتی پر مبنی ہے وہ اس میں کامیاب نہیں ہوگا۔

امامؑ نے فرمایا بتاؤ وہ کیسے؟

نوفلی کہنے لگا! آپؑ ایک صاحب علم و فضل ہیں۔ لیکن یہ دانشور علمی گفتگو کے ذریعے مناظرہ کرنے کی بجائے زیادہ تر بحث و تکرار پر زور دیتے ہیں اور دلیل و حجت کو تسلیم کرنے سے انکار کرتے ہیں۔

مثلاً اگر انہیں یہ کہا جائے کہ خدا ایک ہے تو وہ خدا کی وحدانیت کو ٹھکرا دیتے ہیں (نعوذ باللہ) اگر انہیں کہیں محمدؐ اللہ کے رسول ہیں تو وہ کہتے ہیں کہ ان کی رسالت کو ثابت کریں۔ اس طرح وہ اپنی باتوں کا تکرار کرتے ہیں تا کہ مد مقابل اپنی دلیل سے ہاتھ دھو بیٹھے میرا مشورہ ہے کہ ان سے مناظرے سے گریز فرمائیں۔

امامؑ نے یہ بات سن کر تبسم فرمایا اور اس طرح اظہار خیال کیا: اے نوفلی کیا تمہارا یہ خیال ہے کہ وہ میری دلیل اور حجت کو قطع کر دیں گے اور میرے استدلال کے راستے میں رکاوٹ ڈالیں گے۔

نوفلی نے عرض کیا خدا کی قسم میرا ہرگز یہ خیال نہیں کہ آپ کی دلیل ان کے مقابلے میں موثر ثابت نہ ہوگی بلکہ مجھے امید ہے کہ خداوند تعالیٰ آپؑ کو ان پر غلبہ عطا فرمائے گا۔

امامؑ نے فرمایا: اے نوفلی! کیا تم جاننے کے خواہشمند ہو کہ کب مامون اپنے کئے پر پشیمان ہوگا؟

نوفلی کہنے لگا۔ میں نے عرض کیا ہاں مولا! میں جاننا چاہتا ہوں!

امامؑ نے فرمایا: جس وقت مامون مشاہدہ کرے گا کہ ہم توریت والوں کو توریت سے، زبور والوں کو زبور سے، انجیل والوں کو انجیل سے، اور اسی طرح دوسرے دانشوروں کو ان کی اپنی اپنی کتب اور اپنی اپنی زبانوں میں جواب دیں گے اور ان کے دلائل کی نفی کریں گے تو وہ سب کے سب ہمارے سامنے سر تسلیم خم کریں گے۔ تب جا کر مامون کو خیال آئے گا کہ مسند خلافت پر بیٹھنے کا حقیقی حقدار کون ہے؟

پھر اس طرح کی محافل کے انعقاد سے ثابت ہو جائے گا۔ ولا حول ولا قوۃ الا باللہ......

فضل بن سہل امامت کے حضور:

نوفلی کے بقول دوسرے دن فضل بن سہل امامؑ کی خدمت میں مشرف ہو کر عرض کرنے لگا: میں آپ پر قربان جاؤں، آپ کا چچا زاد خلیفہ آپ کی تشریف آوری کا منتظر ہے۔

امامؑ نے فرمایا: فضل! تم جاؤ، ہم آیا چاہتے ہیں۔ امامؑ فوراً اپنی جگہ سے اٹھے، نماز کے لئے وضو فرمایا، اور ستو کا شربت خود بھی نوش فرمایا اور حاضرین کو بھی عنایت کیا۔ ہم امامؑ کے ہمراہ محفل میں وارد ہوئے تو دیکھا کہ مامون، دانشور اور درباری حضرات بیٹھے امامؑ کا انتظار کر رہے ہیں۔ محمد بن جعفر طالبیوں اور ہاشمیوں کی صف میں تھے۔ اس کے علاوہ فوج کے آفیسر بھی مختلف نشستوں پر براجمان تھے جوں ہی امامؑ داخل ہوئے یہ سارے حضرات امامؑ کے احترام میں اٹھ کر کھڑے ہو گئے اور جب تک امامؑ

بیٹھ نہیں گئے اورانہوں نے ان حضرات کو بیٹھنے کی اجازت نہیں دی یہ سب کھڑے رہے۔ مامون نے امام رضاؑ سے کچھ گفتگو کی اور اس کے بعد جاثلیق جو نصرانی عالم تھا سے مخاطب ہو کر کہا: یہ شخص میرا چچازاد ہے جس کا نام علی بن موسیٰ بن جعفرؑ ہے یہ علیؑ اور فاطمہؑ جن دونوں پر درود وسلام ہو، کا بیٹا ہے میری خواہش ہے کہ آپ ان سے گفتگو کا آغاز کریں لیکن یہ مناظرہ نیک نیتی پر مبنی ہونا چاہیئے۔

جاثلیق مامون کے جواب میں کہنے لگا۔ اے مسلمانوں کے امیر! ایک ایسے شخص سے کیسے گفتگو اور مناظرہ کروں جو اکیلا ہی دلیل لائے گا جو میرے نزدیک قابل قبول نہیں اور ایک ایسے پیغمبر کا قول بیان کرے گا جس کا میں انکاری ہوں۔

امامؑ کا عیسائی عالم جاثلیق سے مناظرہ:

امامؑ: اگر میں تمہاری اپنی کتاب انجیل سے تمہارے لئے دلیل لاؤں کیا پھر بھی تم تسلیم نہیں کرو گے۔

جاثلیق: خدا کی قسم میں آپ کی بات قبول کروں گا اور میں ہرگز انجیل میں درج ارشادات کا انکار نہیں کرسکتا لہٰذا اگر مجھے نقصان بھی اٹھانا پڑا تو میں انجیل کی عبارت کا انکار نہیں کروں گا۔

امامؑ: اگر ایسی بات ہے تو جو مجھ سے پوچھنا چاہتے ہو پوچھ لو میں تمہیں جواب سے مطمئن کروں گا۔

جاثلیق: عیسیٰؑ کی نبوت اور انجیل کے بارے میں کیا خیال ہے۔

امامؑ: میں عیسیٰؑ کی نبوت اور ان کی کتاب نے جس پیغمبرؐ کے آنے کی بشارت دی ہے تصدیق کرتا ہوں۔

جاثلیق: تو کیا تصدیق کے لئے دو گواہوں کی ضرورت نہیں ہوتی؟

امامؑ: کیوں نہیں۔

جاثلیق: نہیں دو ایسے غیر مسلم گواہ لائیں جو نبی کریمؐ کی نبوت پر گواہی دیں اور نصرانیوں کے لئے قابل قبول بھی ہوں اور یہی سوال ہمارے علاوہ دوسری قوم سے بھی کریں۔

امامؑ: اے نصرانی! تم اچھا انصاف کرتے ہو کیا تمہیں ایک ایسے شخص کی گواہی قبول نہیں جو عیسیٰؑ مسیح کے نزدیک عادل ہو؟

جاثلیق: وہ کون ہے؟ اس کا تعارف کروائیں۔

امامؑ: یوحنا دیلمی کے بارے میں تمہارا خیال ہے؟

جاثلیق: واہ واہ یوحنا تو عیسیٰ کو بہت پیارا تھا۔

امامؑ: کیا جو کچھ یوحنا نے کہا وہ انجیل میں نہیں لکھا ہوا یعنی عیسیٰ نے مجھے محمدؐ عربی کے دین کے بارے میں اطلاع دی اور ان کے ظہور کی بشارت سنائی اسی طرح حواریوں نے بھی آپؐ کے آنے کی بشارت دی۔ اور وہ بھی آپ کی نبوت پر ایمان لائے۔

امامؑ: جو کوئی انجیل کا عالم ہو اور وہ محمدؐ، ان کے وصی اور ان کے اہلبیتؑ اور امت کے متعلق انجیل میں موجود بشارت کی تلاوت کرے تو آپ اس پر ایمان لائیں گے؟

جاثلیق: ضرور، مجھے آپ کی بات پسند آئی۔

امامؑ: (آپ نے نسطاس سے مخاطب ہو کر ارشاد فرمایا) کیا تمھیں انجیل کی تیسری کتاب زبانی یاد ہے۔

نسطاس رومی: زبانی یاد نہیں۔

امامؑ: (راس الجالوت سے مخاطب ہوئے) کیا تم انجیل نہیں پڑھتے۔

راس الجالوت: کیوں نہیں۔

امامؑ: انجیل کی تیسری کتاب کو مد نظر رکھو۔ میں اس کی ایک عبارت پڑھتا ہوں اگر اس میں پیغمبر اسلامؐ، ان کے وصی اور اہلبیتؑ کے بارے میں بشارت موجود ہو تو گواہی دینا اور اگر یہ بشارت موجود نہ ہو تو ہرگز گواہی نہ دینا۔

امامؑ: انجیل کے تیسرے سفر کو پڑھنے کا آغاز فرمایا آپ محمدؐ کے نام گرامی پر پہنچے تو یوحنا ۱۴:۱۶ اصل سریانی ہے اس طرح رقم ہے۔ "**وانا ابت طالبن من بیی وخین پارقلیطا بت ییل لوخون هل لبد**" "میں اپنے باپ سے درخواست کروں گا کہ وہ تمھیں ایک اور پارقلیطا عطا کرے جو ابد تک تمہارے ساتھ ہو۔ یوحنا ۱۵:۲۶ میں اس طرح رقم ہے۔ "**این ایمن داتی پارقلیطا هود انا شادورون لکسلوخون من لکس بیی روخا دسرستو تاهو دمن لکس بیی پالت هو بت ییل سهدوت بس دیی**" "جو پارقلیطا میرے باپ کی طرف سے تمہارے پاس آئے گا وہ سچی روح کا حامل ہوگا اور میری گواہی دے گا۔ یوحنا ۱۶:۷-۱۵ میں اس طرح درج ہے: "**الا ان سرستوتا بمرون الوخون دصپایلاقتو خون دان لن پارقلیطا لی اتی لکسلوخون این ان لن بت شادرنه لکسلوخون......**"

اصل سریانی سے نقل کیا گیا ہے کہ اگر میں نہ جاؤں تو پارقلیطا ہمارے پاس نہیں آئے گا۔ لیکن اگر میں چلا گیا تو اسے تمہارے پاس بھیج دوں گا۔ وہ دنیا میں گناہ صدق و عدالت لائے گا گناہ اس لئے کہ وہ مجھ پر ایمان نہ لائیں گے، صدق اس لئے کہ میں اپنے والد کے پاس جا رہا ہوں اور تم مجھے پھر نہ دیکھ سکو گے اور انصاف اس لئے کہ دنیا کے مشہور پارقلیطا کے بارے میں حکم جاری ہو چکا ہے۔ میں اور بھی بہت سی باتیں بتا سکتا ہوں لیکن تمہارے اندر انہیں تحمل کرنے کی طاقت نہیں۔ لیکن جب وہ آئے گا تو تم پر حقیقت کو آشکار کرے گا وہ خود گفتگو نہیں کرے گا بلکہ جو کچھ سنے گا تمہیں بتائے اور تمہیں آئندہ کے بارے اطلاع دے گا، وہ مجھے جلال عطا کرے گا میرے پاس جو کچھ ہے وہ والد کا عطا شدہ ہے اسے وہ سب کچھ ملے گا جو میرے پاس ہے اور وہ تمہیں خبر دے گا۔ ہم یہاں قارئین کرام کی خدمت میں انجیل اور عیسیٰ کا مختصر تعارف پیش کرتے ہیں اور اصطلاحات کی تشریح بھی کئے دیتے ہیں۔

انجیل کا تعارف: لفظ انجیل دراصل یونانی لفظ ہے اور قرآن کی اصطلاح میں وحی کے اس مجموعہ کا نام ہے جو عیسیٰ پر نازل ہوا: "**واذقال عیسی بن مریم یا بنی اسرائیل انی رسول اللہ الیکم مصدقا لما بین یدی من التوراۃ و مبشراً برسول من بعدی اسمہ احمد** "(سورہ صف آیہ ۶) مریم کے بیٹے عیسیٰ نے بنی اسرائیل سے فرمایا: میں خدا کا رسول ہوں اور تمہاری طرف بھیجا گیا ہوں اور مجھ سے پہلے آنے والی توراۃ کی تصدیق کرتا ہوں اور بعد میں آنے والے رسول جس کا نام احمدؐ ہوگا کی بشارت دیتا ہوں۔ اصطلاح میں عیسویوں کے نزدیک انجیل کہانیوں کے اس مجموعے کا نام ہے جو عیسیٰ کے زمانے کے بعد حصۂ شہود پر آیا اور چار انجیلیں (متی۔مرقس۔لوقا۔یوحنا) بہت مشہور ہے۔

ان اناجیل کو عیسیٰ کے آسمان پر چلے جانے کے بعد ریکارڈ، ان کی ہدایات اور احکامات میں توحید کی طرف دعوت دی گئی ہے۔ چنانچہ یوحنا کی انجیل کے سترہویں باب میں اس طرح رقم ہے۔

اور حیات ابدی یہ ہے کہ جو حقیقی اور واحد خدا ہے اور عیسیٰ مسیح جو تیرا بھیجا ہوا ہے کی معرفت حاصل کریں۔ جس طرح عیسیٰ بن مریم نے ان اناجیل میں آئندہ پیش آنے والے واقعات کی خبر دی اس نے آخر الزمان پیغمبرؐ کی بشارت کے ساتھ اس کے اور اس کی امت کے اوصاف بیان فرمائے۔ یوحنا کے مکاشفات پر مشتمل انجیل جو ۱۹۲۰ میں لندن میں چھپی۔ انیسویں باب میں اس طرح رقم ہے: میں نے

آسمان کو کھلا ہوا دیکھا اور پھر ایک سفید گھوڑا جس کا سوار میں اور حق نام کا حامل ہے اور جنگ وعدل و انصاف کرتا ہے اس کی آنکھیں آگ کے شعلے برساتی ہیں اس کے سر پر تاج ہے اس کا نام لکھ دیا گیا ہے لیکن اس کے علاوہ کوئی بھی اس بارے میں نہیں جانتا اس نے خون آلود لباس زیب تن کیا ہوا ہے اس کے نام کو خدا کا کلمہ کہا جاتا ہے اس کے منہ سے تیز دھار تلوار باہر آتی ہے تا کہ اس کے ذریعے قوموں سے نکر لے اس کے پاس لوہے کا ڈنڈا ہو گا اس کے لباس اور ران پر یہ نام لکھا ہوا ہے۔ بادشاہوں کا بادشاہ اور رب الارباب انجیل صفحہ ۲۱۷۔

جیسا کہ ہمیں معلوم ہے کہ عیسٰیؑ کے بعد پیغمبر اسلامؐ کے علاوہ کسی نے تلوار کے ساتھ خروج اور جنگ نہیں کی یوحنا کی انجیل جو پیرس میں چھپی اس کا نام (Leserangiles) ہے کے باب پندرہ میں لکھا ہے لیکن جب پارقلیط جسے میں اپنے باپ کی طرف بھیجوں گا آئے گا تو میری تصدیق کرے گا لیکن ان انجیلوں میں احکامات کی طرف توجہ نہیں دی گئی البتہ ان کے کچھ احکامات مندرجہ ذیل ہیں۔

۱۔ہر کسی کو ایک بیوی پر اکتفاء کرنا چاہیئے۔

۲۔اگر کوئی اپنی بیوی کو طلاق دے تو پھر اسے کسی اور عورت سے شادی نہیں کرنا چاہیئے۔

۳۔مطلقہ عورت کو شوہر نہیں کرنا چاہیئے۔

۴۔صرف زنا کے جرم میں طلاق کی اجازت ہے۔

۵۔حرام مال کھانے سے پرہیز کرنا چاہیئے۔

جیسا کہ ہم نے ذکر کیا عیسٰیؑ بن مریمؑ پر اترنے والی اصلی انجیل جو ایک جلدی کتاب کی شکل میں تھی ناپید ہے اور انجیل کے نام سے موجود جو کتابیں آج عیسائیوں کے پاس ہیں وہ عیسٰیؑ کے زمانے میں نہیں لکھی گئیں بلکہ آپؑ کے بعد آپ کے بعض شاگردوں اور شاگردوں کے شاگردوں نے یہ کتابیں رقم کیں۔انہوں نے بہت سی داستانیں لکھیں جنہیں ہر ایک نے انجیل کا نام دیا اس طرح اناجیل کی تعداد تو کتاب سے زیادہ ہو گئی۔

یہ کتابیں اپنی حالت میں باقی تھیں کہ عیسائیوں پر مصائب اور وباؤ کے پہاڑ ٹوٹ پڑے یہاں تک کہ چوتھی عیسوی کا زمانہ آ گیا اس زمانے میں عیسائی کلیسا نے انجیل نامی ساری کتابوں کو کھنگالا اور ان کتابوں میں سے جو ان کے سیاسی اغراض مقاصد کو پورا کر سکتی تھیں انہیں معتبر اور قانونی اعلان

کرتے ہوئے باقی کو رد کردیا۔ان اناجیل میں برنابہ (وعظ کا بیٹا) شامل ہے۔وہ عیسیٰ کے مشہور اور قابل اعتماد حواریوں میں سے ہے اور اس کی انجیل عیسیٰ کے زمانے سے لے کر اب تک اخلاقی تعلیمات، معارف الٰہی اور حجت ومطالب وبراہین کی مجموعہ ہے۔اس نے حضرت عیسیٰ کی ذات کو تمام نقائص، گناہوں اور انحرافات سے مبرا قرار دیا ہے۔اور بعض عیسائی علماء کی اُن کھلم کھلا تعلیمات کو جن کے لئے حضرت عیسیٰ وموسیٰ نے زحمات برداشت کیں کو پامال کیا گیا تھا فاش ورسوا کیا گیا۔اس انجیل میں وہ تمام بشارتیں جو پیغمبر اسلامؐ کے بارے میں آسمانی کتابوں میں موجود تھیں اور انہیں تبدیل یا سرے سے مٹا دیا گیا تھا آشکارا ہیں اسی طرح وہ تمام خصوصیات جو ایک تعصب سے مبرا کتاب میں ہونی چاہئیں وہ اس میں موجود ہیں۔چنانچہ اس انجیل کے باب ۲۲۱ آیت ۱ میں ملتا ہے کہ برنابا نے اسے حضرت عیسیٰ کے حکم سے لکھا اور اس کے ۲۲۲ باب آیت ۲ میں یہ واضح آیا ہے کہ پولس منحرف اور بے ایمان شخص تھا اور باب ۸ آیہ ۲ اور باب ۲۳ آیہ ۹-۱۱ اسی کتاب میں آیا ہے۔پولس مسیحیت کا کھلا دشمن تھا اور حضرت عیسیٰ کے اٹھائے جانے کے بعد عیسائیت کے دائرے میں داخل ہوا۔

ان باتوں اور دوسری باتوں سے واضح ہوتا ہے کہ پولس ایک بے ایمان شخص تھا وہ عیسائیت کا مخالف اور برنابا کا دشمن تھا اسی لئے اس نے اصل برنابا کی انجیل کو متروک قرار دیا اور حتی کہ اس کے بعض ماننے والوں مثلاً پوپ جلاویوں نے شروع ہی سے اس کے مطالعہ پر سخت پابندی لگا دی تھی۔صدیوں سے برنابا کی انجیل غائب تھی یہاں تک کہ سولہویں صدی عیسوی میں اٹالین زبان میں اس کا ایک نسخہ فرامرنیو نامی پادری کے ہاتھ لگا۔یہ نسخہ پوپ فرامرنیو کی لائبریری سے حاصل کیا وہ اسے اپنی آستین میں چھپا کے رکھتا تھا اور جب بھی اسے موقع ملتا اس کا مطالعہ کرتا وہ اس میں موجود نورانی شعاعوں اور روشن و درخشاں بشارتوں کے نتیجے میں دائرہ اسلام میں داخل ہوا اور سترہویں صدی عیسوی کے آغاز میں اسپانوی زبان میں ایک اور نسخہ اس انجیل کا ہاتھ لگا اور اس کے بعد وہ ڈاکٹر منکھوس کے ذریعے انگریزی میں ترجمہ ہوا اور ۱۹۰۸ء میں ڈاکٹر خلیل سعادت نامی شخص نے عربی میں ترجمہ کیا اس کے بعد اس صدی کے آخر میں اسے علامہ معظم حیدر قلی خان سردار کابلی نے فارسی ترجمہ کیا اور یہ ترجمہ کرمانشاہ میں چھپا اس کے چھپنے کے بعد پتہ چلا کہ عیسائی پادری کیوں اس کی اشاعت کے خلاف کمربستہ تھے اس کتاب میں پیغمبر اکرمؐ کی آمد کی واضح خوشخبری موجود ہے۔اس کے علاوہ اس میں نہایت صراحت سے رقم ہے کہ عیسیٰ

کو پھانسی نہیں دی گئی بلکہ یہودا ای اسکر یوطی نے غلطی سے کسی اور کو پھانسی کے پھندے سے لٹکا دیا تھا ظاہر ہے کہ اگر یہ انجیل شروع میں لوگوں کے ہاتھوں میں پہنچ جاتی تو پادریوں کی دکان پر گناہ بخشوانے کوئی نہ آتا اور جنت کی فروخت بند ہو جاتی اور اس طرح وہ مالی منافع سے محروم ہو جاتے کیونکہ اس دکان کی بنیاد حضرت عیسیٰ کے پھانسی چڑھ جانے پر رکھی گئی ہے اور برنابا کی انجیل ان تمام خرافات کی نفی کرتی ہے یہی وجہ ہے کہ کلیسا نے اسے غیر قانونی اعلان، کرنے کے علاوہ اپنے پیغامات کے ذریعے عیسائیوں کے لئے اس کا پڑھنا ممنوع قرار دیا لیکن در این حال متی۔لوقا۔مرقس کی اناجیل کو جو اختلافات اغلاط و متناقضات کا مجموعہ ہیں قانونی اور سرکاری حیثیت بھی حاصل ہے۔

انجیل میں تحریفات

پیدائش کے سفر باب ۳۲ آیت ۲۶ میں لکھا ہے: خدا آسمان سے ایسی حالت میں اترا کہ وہ ملائکہ مقربین پر سوار تھا اور اس کے ناک سے دھواں نکل رہا تھا اور اس کے منہ سے آگ خارج ہو رہی تھی (نعوذباللہ) اور اسی سفر کی آیت ۸ میں لکھا ہے: حضرت ابراہیم اپنے خیمے کے دروازے پر کھڑے تھے کہ تین شخص آئے ان میں سے ایک خدا تھا (نعوذباللہ) حضرت ابراہیم نے اس کے پاؤں دھونے کی خواہش کی انہوں نے دودھ، مکھن اور بچھڑے کا گوشت کھایا اور چلے گئے اس طرح عیسائیوں نے اناجیل میں ایسی تحریفات کیں ہیں جو عقلی معیارات کے منافی ہیں۔ اپنے مذہب کو تثلیث کی بنیاد پر استوار کردیا ہے جبکہ عیسیٰ نے اسی (۸۰) مقامات پر اعتراف کیا ہے کہ میں انسان کا بیٹا ہوں لیکن عیسائی پیروکاروں نے اسے کبھی خدا کا بیٹا، کبھی خدا اور کبھی روح القدس قرار دیا ہے اس طرح انہوں نے اپنے مذہب میں شرک رائج کیا۔ تاریخ یعقوبی کے مطابق عیسائیت کے درمیان اس عقیدہ شرک کی بنیاد ان اناجیل نے رکھی۔

ایک گروہ نے حضرت عیسیٰ اور ان کی والدہ کو خدا قرار دے دیا۔

دوسرے گروہ نے خدا کے نور کا حصہ قرار دیا۔

تیسرے گروہ نے کہا حضرت عیسیٰ خدا ہے۔

چوتھے گروہ نے کہا خدا کا بندہ ہے۔

پانچویں گروہ کا عقیدہ ہے حضرت عیسٰی کا جسم خیالی تھا۔

،چھٹے گروہ نے کہا عیسٰی خدا کا کلمہ ہے۔

ساتویں گروہ کا عقیدہ ہے کہ عیسٰی خدا کا بیٹا ہے۔

آٹھویں گروہ کا عقیدہ ہے کہ حضرت عیسٰی ایک قدیم اورازلی ہے۔

نویں گروہ کا عقیدہ ہے کہ حضرت عیسٰی یوسفؑ کے بیٹے ہیں۔

دسویں گروہ کے بقول آپ پیغمبر تھے۔

گیارہویں گروہ نے لاہوتی اورناسوتی ہونے کا دعوی کیا ہے۔

بارہویں گروہ کے مطابق حضرت عیسٰی مخلوق کا خدا ہے۔

ان عقائد کے علاوہ حضرت عیسٰی کو روح القدس اورباپ بھی کہا گیا ہے۔یہاں تک کہ کبھی تو خدا کو آپ کا باپ اور کبھی یوسفؑ کو آپ کا باپ قرار دیا گیا اور کبھی آپ کو انسان اور کبھی روح القدس کی مخلوق شمار کیا گیا۔بعض اوقات حضرت کو ایک پست انسان کے طور پر پیش کیا گیا اور کبھی تو آپ کو ایک منافق اور مکار شخص کے طور پر تعارف کرایا گیا جو اپنی چالاکی سے لوگوں کو فریب دینے میں لگا رہتا تھا۔کبھی نہ آپ کو خدا اور نہ پیغمبر اور نہ ہی خدا کا بیٹا تسلیم کیا گیا بلکہ افلاطون اور سقراط کی مانند ایک غیر معمولی شخص کے طور پر تعارف کرایا گیا اور کبھی آپ کے تاریخی وجود کا مکمل طور پر انکار کیا گیا اور کہا گیا کہ ایسا شخص روئے زمین پر آیا ہی نہ تھا اس طرح اناجیل میں آپ کی ذات والاصفات اور دوسرے پیغمبروں پر کیچڑ اچھالا گیا یوحنا کے دوسرے باب اور متی کے نویں باب آیت ۱۷ تا ۱۹ اور مرقس کے چوتھے باب آیت ۱۲۶ور لوقا باب ۲۲ میں آپ کو شرابی پیغمبر کے طور متعارف کیا گیا وہ بھی ایک عجیب وغریب قباحت کو ان سے نسبت دی گئی چنانچہ متی میں آیا ہے کہ حضرت داؤدؑ ،سلمانؑ اور عیسٰی تین جنتوں سے نسلاً زنا زادے تھے(العیاذ باللہ) پیدائش کے سفر باب ۱۹ آیت ۳۲ میں لکھا ہے جب خداوند تعالی نے لوط کے شہر کو تباہ کیا تو حضرت لوطؑ اپنے دو بیٹیوں کے ساتھ شہر سے نکل کر ایک غار میں چلے گئے جب رات ہوئی تو ان کی بڑی بیٹی نے ان کو شراب پلائی اور آپ سے زنا کی مرتکب ہوئی جس سے وہ حاملہ ہو گئی اسی طرح دوسری رات دوسری بیٹی بھی اسی عمل کی وجہ سے حاملہ ہوئی اور ان سے دو بیٹے جن کے نام

مؤاب اور بن عمّی دنیا میں آئے دونوں بیٹے مؤابیوں اور عمونیوں کے سلسلے کے اجداد تھے اور یہ دونوں حضرت عیسٰی کے اجداد بھی ہیں حضرت عیسٰی بن مریم کا نسب داؤد اور سلیمان تک جا پہنچتا ہے۔ اور یہ تینوں انہی مؤابیوں اور عمونیوں کی اولاد سے ہیں۔

لیکن یہاں قابل غور بات یہ ہے کہ جو پیغمبر انسان کو ہدایت دینے کے لئے اور اس کی عقل کو روشن کرنے کے لئے تشریف لائے تھے ایسے بے حیائی کے اعمال کے مرتکب ہو سکتے ہیں؟ یا یہ گمان کیا جا سکتا ہے کہ گذشتہ ادیان میں شراب خوری جائز تھی قرآن اور دوسری آسمانی کتابوں میں اس فسادی مادے کی ممانعت کی گئی ہے۔ جو انسانی روح کو زائل کر دیتا ہے۔ کیا یہ ممکن ہے کہ خدائی شریعت میں وہ بھی پیغمبروں کے لئے اس کا استعمال جائز ہو اس کے علاوہ کئی دوسرے مقامات پر شراب خوری کی حوصلہ افزائی ملتی ہے جن سے انا جیل میں وسیع تحریفات کا پتہ چلتا ہے۔

قرآن اور عیسٰی بن مریم:

قرآن اور دوسری آسمانی کتابیں عیسٰی و مریم کو نہایت عظیم شخصیات کے طور پر یاد کرتی ہیں۔ سورہ مریم میں آیا ہے کہ جب حضرت مریم حاملہ ہوئیں خدائی الہام کے ذریعے لوگوں سے الگ ہو گئیں تو عیسٰی کی پیدائش ہوئی۔ بنی اسرائیل نے آپ کی سرزنش کے لئے زبان درازی کی اور کہا اے مریم تم تو نیک لوگوں کی اولاد ہو یہ بچہ کہاں سے لائی ہو؟ مریم نے بچے کی طرف اشارہ کیا کہ اس سے پوچھو۔ انہوں نے کہا ہم جھولے والے بچے سے کیسے بات کر سکتے ہیں؟ اچانک عیسٰی نے زبان کھولی اور کہا میں خدا کا بندہ ہوں۔ خداوند تعالٰی نے مجھے پیغمبر بنایا ہے اور کتاب دی ہے مجھے مبارک کیا ہے اور جب تک زندہ ہوں نماز پڑھنے، زکوۃ دینے اور ماں کے ساتھ نیکی کرنے کا حکم دیا ہے اس نے مجھے ظالم اور شقی نہیں بنایا اس دن پر سلام ہو جس دن میری ولادت ہوئی اور جس دن اس دنیا سے اٹھ جاؤں گا اور جس دن دوبارہ زندہ ہوں گا اور اٹھایا جاؤں گا۔ یہ ہے وہ حق بات جس میں نصاریٰ شک کرتے ہیں خدا کے لئے یہ زیبا نہیں کہ وہ کسی کو اپنا بیٹا بنائے کیونکہ خداوند تعالٰی ایسی چیزوں سے مبرا و منزا ہے۔ کسی کام کو انجام پانے کے لئے اتنا ہی کافی ہے کہ خدا اس کا ارادہ کر لے یعنی کہہ دے کہ ہو جائے وہ ہو جاتا ہے (سورہ مریم آیات ۱۶ تا ۳۶)

۱۔قرآن میں حضرت مریم کو اپنے زمانے کی مقدس ترین ہستی کے طور پر یاد کیا گیا ہے۔

۲۔حضرت مریم بیت المقدس کی نذر تھیں۔

۳۔آپ کے لئے جنت سے کھانا آتا تھا۔

۴۔آپ کی کفالت اور پرورش پر جھگڑا ہوا اور آخر کار قرعہ اندازی سے مسئلہ حل ہوا۔

۵۔خدا کے فرشتے آپ سے باتیں کرتے تھے۔

۶۔آپ روح پھونکنے سے حاملہ ہوئیں۔

۷۔آپ کے لئے کھجور کا درخت ہرا ہو گیا۔

۸۔آپ کے لئے پانی کا چشمہ جاری ہوا۔

۹۔حضرت عیسیٰ نے آپ کے اشارہ پر بات کی اور اپنی ماں کا دفاع کیا۔

۱۰۔حضرت مریم کو اپنے بیٹے کے حالات کی مستقل خبر تھی۔

قرآن مجید میں کئی دوسری جگہوں پر بھی عیسیٰ کی والدہ اور خود عیسیٰ کی بڑی تعریف آئی ہے ان دونوں کو نہایت احترام سے یاد کیا گیا ہے۔چنانچہ قاری اگر قرآن اور دوسری آسمانی کتابوں سے رجوع کرے تو اسے نہایت آسانی سے سمجھ آجاتی ہے کہ ان میں سے خدا کا حقیقی کلام کون سا ہے اور یہی وجہ ہے کہ مذکورہ اناجیل عیسائیوں کے روحانی سقوط اور گمراہی کا سب سے بڑا عامل قرار پائی ہیں۔ہم مسلمانوں کی عظیم کتاب قرآن اپنی چند آیات میں عیسائی پادریوں کے تعصب اور عناد کا ذکر کرتی ہے۔ سورہ آل عمران میں مباہلہ اور مجادلہ کے ذکر میں ۱۷ تا ۱۹ آیت میں اعلان کیا گیا ہے کہ خدا کی وحدانیت گواہ ہے کہ اس کے علاوہ کوئی خدا نہیں اس کی وحدانیت کی گواہی فرشتوں اور دانشوروں نے بھی دی ہے عدل وانصاف اسی سے قائم ہے وہ عزیز وحکیم خدا ہے۔خدا کے نزدیک پسندیدہ دین اسلام ہے۔اہل کتاب (یہود ونصاریٰ) نے اسلام کی مخالفت جان بوجھ کر اور ضد کی بنا پر کی۔سورہ اعراف کی آیت ۱۵۷ میں نہایت واضح الفاظ میں ارشاد ہوا: یہ پیغمبر اسلام کو پہچانتے ہیں انہوں نے تورات وانجیل میں اس کے اوصاف پڑھے ہیں۔"**یجدونه مکتوباً عندهم فی التوراة والانجیل**"اس آیت اور دوسری آیات جن کا تعلق پیغمبر اسلام کی ذات سے ہے کا نزول ہوا یہود ونصاریٰ نے کوئی اعتراض نہ کیا۔ اور کبھی نہ کہا کہ توریت اور انجیل میں پیغمبر اسلام کا ذکر موجود نہیں۔انہوں نے پیغمبر اسلامؐ کے زمانے

میں آپ کی دعوت کو یا تو قبول کیا یا تعصب کی راہ اختیار کی اور بے بنیاد چلے اور بہانے تراشے۔

امامؑ نے عیسائیوں کے سربراہ جاثلیق سے مناظرہ کر کے یہ ثابت کیا کہ بہترین دین اسلام ہے اور اسلام کے آنے سے تمام گذشتہ شریعتیں منسوخ ہو گئیں۔ پیغمبر اسلامؐ پر جو کتاب اتری وہ ایک زندہ اور باقی رہنے والا اعجاز ہے۔ اسلام کی بنیاد کی نگرانی کرنے والے آپ کے بارہ جانشین ہیں۔ آیئے اپنے ضمیر کی تختی اور باطنی آئینے کو تعصب سے پاک کریں اور اس طرح ان ہاتھوں کو کاٹ ڈالیں جو ہمارے خلاف سازشیں کرتے ہیں۔ آیئے ایک ایسی دنیا کی تشکیل کریں جو اعلیٰ انسانی اقدار کی آئینہ دار ہے اور ایک ایسی دنیا آباد کریں جو نورانیت اور روحانی جلوؤں سے بھرپور ہو ایسی خوبصورت دنیا صرف اسلام کی پناہ اور سایہ سے اللہ کی کتاب قرآن سے ہدایت سے وجود میں آسکتی ہے۔ اسلام کی سچی کتاب کو پڑھیئے۔ تعصب اور بغض کی عینک اتار کر دیکھئے کہ حقیقی اسلام کی تعلیمات کس قدر ارفع و اعلیٰ مطالب کی حامل ہیں۔ اے دانشورو تم زمین میں جاؤ یا آسمان پر جاؤ تمہاری نجات اسلام کی حقیقی تعلیمات میں مضمر ہے۔ ہم نے ذکر کیا تھا کہ امامؑ اور جاثلیق آپس میں گفتگو کر رہے تھے یہ گفتگو اس مرحلے پر پہنچی تھی کہ امامؑ نے انجیل کی کچھ آیات کی تلاوت فرمائی اور پیغمبر اسلامؐ کے نام گرامی پارقلیط تک پہنچے تھے۔

امامؑ: جاثلیق تجھے عیسیٰؑ اور اس کی ماں مریم کی قسم ہے مجھے بتاؤ کہ کیا میں انجیل جانتا ہوں؟

جاثلیق: ہاں آپؑ انجیل جانتے ہیں۔

امامؑ نے انجیل کی کچھ آیات کی تلاوت فرمائی جن میں پیغمبر اسلامؐ ، اہل بیتؑ اور آپ کی امت کا ذکر تھا اور آخر میں فرمایا! اے نصرانی کیا کہتے ہو یہ ہے حضرت عیسیٰؑ بن مریم کی گفتگو اگر تم ان باتوں کو جھٹلاؤ تو ایسا ہے کہ تم نے موسیٰؑ اور عیسیٰؑ کو جھٹلایا اور چونکہ نبوت کا انکار کیا ہے۔ لہٰذا تمہارا قتل واجب ہے۔ کیونکہ اس صورت میں اپنے پروردگار، پیغمبر اور اس کی کتاب کی نفی کی ہے لہٰذا ایسا کرنے سے تم کافر ہو جاؤ گے۔

جاثلیق: جو کچھ انجیل میں آیا ہے میں اس سے انکار نہیں کرتا بلکہ اس کی صحت کا اقرار کرتا ہوں۔

امامؑ: اس اقرار و تسلیم پر گواہ رہنا۔ جاثلیق کی طرف رخ انور موڑا اور فرمایا۔ مجھ سے جو چاہے سوال کرو میں جواب دوں گا؟

جاثلیق: فرمایئے کہ حضرت عیسٰیؑ کے حواریوں اور علمائے انجیل کی تعداد کتنی تھی۔

امامؑ: علی الخبیر سقطت۔ یعنی اب حقیقت تک پہنچے ہو۔ حواریوں کی تعداد ۱۲ تھی۔ ان میں سے فاضل و دانشمندترین شخص کا نام "الوقا" تھا۔ جبکہ نصاریٰ کے علماء کی تعداد تین تھی۔

۱۔ یوحنا اکبر جو "اُج" کا رہنے والا تھا۔ (جگہ کا نام اس نام سے زیادہ مشہور نہیں ہے شاید "واخ" ہے اور یہ بصرہ کے قریب ایک گاؤں ہے) ۲۔ یوحنا دوم اہل "قرقیسا" کا رہنے والا تھا (ق کے نیچے زیر کے ساتھ فرات کے نزدیک ایک شہر ہے) ۳۔ یوحنا دیلمی: جو "زجار" میں تھا۔ (بعض نے رجان کا ذکر کیا ہے لیکن دونوں مجہول ہیں لیکن رجان شداد کے وزن پر ہے اور نجد میں ایک شہر ہے اور فارس میں بھی ایک جگہ کا نام رجان ہے)۔

اسی یوحنا دیلمی کے پاس پیغمبر اسلامؐ، ان کی اہلبیت اور امت کے اسماء تھے۔ اور یہی تھا جس نے حضرت عیسٰیؑ کی امت اور بنی اسرائیل کو حضرت ختمی المرتبت کے ظہور کی بشارت دی تھی۔

امامؑ نے اپنی بات جاری رکھتے ہوئے فرمایا! اے نصرانی قسم باخدا، میں مومن ہو کر تصدیق کرتا ہوں اس حضرت عیسٰیؑ کی جو حضرت محمدؐ پر ایمان لائے اور حضرت عیسٰیؑ پر کوئی نکتہ چینی نہیں کر سکتے مگر یہ کہ ان کی کمزوری اور نماز اور روزہ کی کمی۔

جاثلیق: افسوس کہ آپ نے اپنا علم ضائع کر دیا۔ حضرت عیسٰیؑ کے ضعف اور ناتوانی کا اقرار کر کے۔ اس بات سے پہلے تو میں یقین کر رہا تھا کہ آپ مسلمانوں کے عقلمندترین افراد میں شمار کیئے جاتے ہیں۔

امامؑ: آپ کس لحاظ سے کہہ رہے ہیں؟

جاثلیق: آپ کی ناعلمی کی وجہ سے جو آپ نے حضرت عیسٰیؑ کی ناتوانی، نماز و روزہ کی کمی کی اطلاع دی، سب جانتے ہیں کہ کبھی بھی روزہ نہ چھوڑا، اور کوئی رات عبادت پروردگار سے ہاتھ نہ اٹھایا۔

امامؑ: حضرت عیسٰیؑ بن مریم کس کی نماز پڑھتے تھے اور کس لئے روزہ رکھتے تھے۔

جاثلیق: امامؑ کے اس سوال کے جواب میں مبہوت رہ گیا۔ اور اس کی دلیل ناقص ہو گئی۔

امامؑ: اے نصرانی اب میں نے تم سے ایک سوال پوچھتا ہے۔

جاثلیق: پوچھیئے؟ اگر جانتا ہوا تو جواب دوں گا۔

امامؑ: کیا تم نہیں جانتے کہ حضرت عیسیٰ خدا کے حکم سے مردوں کو زندہ کرتے تھے؟

جاثلیق: اس لحاظ سے انکار نہیں ہے کہ مُردوں کو زندہ کرنا، اندھوں کو بینائی دینا، اور برص زدہ مریضوں کو شفا دینے والا خدا ہے اور عبادت کے لائق ہے۔

امامؑ: "والیسع" عیسیٰ کی طرح تھے۔ پانی پر چلتے تھے، مُردوں کو زندہ کرتے تھے، مادرزاد اندھوں کو بینائی دیتے تھے اور برص زدہ مریضوں کو شفا دیتے تھے۔ ان کی امت نے انہیں خدا تسلیم نہیں کیا اور کسی نے ان کی عبادت نہیں کی۔ "حزقیل" خدا کے پیغمبر تھے اور حضرت عیسیٰ کی طرح معجزات کے حامل تھے ۳۵ ہزار مردہ لوگوں کو زندہ کیا جو کہ ۶۰ سال پہلے فوت ہو چکے تھے۔ یہاں امامؑ نے راس الجالوت کی طرف جو یہودیوں کا سربراہ تھا، دیکھا اور فرمایا: آیا تورات میں تم نے نہیں پڑھا کہ ان مردہ لوگوں کو حضرت حزقیل نے زندہ فرمایا؟

بخت نصر نے انہی ۳۵ ہزار افراد کو بنی اسرائیل میں سے جنگ بیت المقدس میں منتخب کیا اور اپنے ساتھ بابل (کوفہ اور حلہ پر مشتمل علاقہ ہے، جادو اور شراب کو اس سے نسبت دی جاتی ہے دماوند اور ابوالحسن کے قول کے مطابق بابل کوفہ ہے (معجم البلدان) لے گیا اور وہاں مارے گئے۔ خداوند متعال نے ان کو زندہ کیا۔ یہ واقعہ تورات میں بیان کیا گیا ہے اور کوئی اس سے انکار نہیں کر سکتا سوائے اس کے کہ تورات کا منکر ہو۔

راس الجالوت نے امامؑ کے جواب میں کہا: ہم نے اس داستان کو سنا اور تسلیم کیا ہے۔

امامؑ: خوب! اب واقعہ کو ذہن میں رکھو اور میں تورات کی تلاوت کرتا ہوں امامؑ نے تورات پڑھنا شروع کی تو یہودی نہایت حیران ہو گیا اور تلاوت تورات پر متعجب ہوا۔

امامؑ: اے نصرانی! کیا یہ ۳۵ ہزار افراد حضرت عیسیٰ سے قبل تھے یا بعد میں آئے؟

جاثلیق: ظاہر ہے کہ حضرت عیسیٰ سے پہلے تھے۔

امامؑ: حضرت عیسیٰ بن مریم کے زمانے کے بعد قریش کا ایک گروہ حضور اکرمؐ کی خدمت اقدس میں آیا کہ ہمارے کچھ مُردوں کو زندہ کریں۔ آپؐ نے حضرت علیؑ کو ان کے ہمراہ کیا کہ قبرستان میں جائیں اور بلند آواز سے کہیں کہ اے فلاں بن فلاں تمہیں رسولِ خداؐ حکم دیتے ہیں کہ اللہ کے اذن سے اُٹھ کھڑے ہوں حضرت علیؑ قریش کے ساتھ قبرستان تشریف لائے اور رسولِ خداؐ کے فرمائے ہوئے طریقے

سے مُردوں سے مخاطب ہوئے۔ مردے اپنے خاک آلود جسم کے ساتھ کھڑے ہوئے کہ قبر کی مٹی ان کے سر اور چہرے سے گر رہی تھی۔ قریش نے ان سے اس حالت میں سوالات کئے اور ان کے جوابات سنے۔ آخر میں انہوں نے کہا کہ محمؐ خدا کے پیغمبر ہیں کاش ہم اس زمانے میں ہوتے تو ان پر ایمان لاتے۔

امامؑ نے اپنی گفتگو جاری رکھتے ہوئے فرمایا۔ پیغمبر اسلامؐ نے اندھوں کو روشنی دی اور برص کے مریض کو شفایاب کیا۔ دیوانے کی دیوانگی دور کی۔ چوپائے، پرندے، جن وشیاطین ان سے ہمکلام ہوتے مگر ہم نے انہیں کبھی خدا نہ جانا اور نہ ان کی عبادت کی۔ ہم ان مذکورہ معجزات پیغمبران سے انکار نہیں کرتے۔ اب اگر تم حضرت عیسٰیؑ کو خدا جانتے ہو تو اسی طرح الیسع اور حزقیل کو خدا کیوں نہیں مانتے۔ اس لئے کہ انہوں نے بھی حضرت عیسٰیؑ کی طرح کام سرانجام دیئے اور فقط یہ دو افراد ہی نہ تھے۔

بنی اسرائیل کا ایک گروہ جو مرض وبا طاعون کے خوف سے اپنے شہروں سے فرار اختیار کر گیا تھا یہ ہزاروں کی تعداد میں تھے جو موت سے فرار چاہتے تھے لیکن خدا کا حکم آیا اور ایک گھنٹہ کے بعد یہ سارے افراد لقمہ اجل بن گئے۔ شہر کے لوگوں نے یہ ماجرا دیکھا تو ان کے گرد ایک دیوار کھڑی کر دی حتی کہ ان کی ہڈیاں بھی گل سڑ کر بوسیدہ ہو گئیں۔ بنی اسرائیل کے انبیاء میں سے ایک نبی جب یہاں سے گذرے تو انہیں دیکھ کر حیرت زدہ ہوئے۔ بہت سی ہڈیاں۔ خدا تعالٰی کی طرف سے وحی آئی کہ کیا آپ چاہتے ہیں کہ یہ زندہ ہو جائیں اور آپ انہیں ڈرائیں (نصیحت کریں)

عرض کیا۔ ہاں! فرمایا یہ پڑھو حتی کہ یہ زندہ ہو جائیں۔ پیغمبرؑ نے فرمایا **"ایتها العظام البالیه قومی باذن الله"**۔ عزوجل" اے بوسیدہ اور جمع ہڈیو، خدا کے حکم سے اٹھ کھڑے ہوں۔ سب ایک ساتھ اٹھ کھڑے ہوئے کہ اپنے سر اور منہ سے مٹی جھاڑ رہے تھے۔ دیگر انبیاء میں سے حضرت ابراہیمؑ تھے جنہوں نے ۴ مختلف پرندوں کو کاٹ کر بوٹیاں بنا دیں اور پھر آپس میں سب کا گوشت ملا دیا اور سب کو پہاڑ کی چوٹی پر رکھ دیا (یہ چار پرندے کرگس، مرغابی، مور اور مرغا تھے۔ تفسیر صافی) پھر ان کو ناموں سے پکارا۔ ہر ایک حصے نے لبیک کہی اور حضرت ابراہیمؑ کی طرف پرواز شروع کی (سورہ بقرہ ۲۵۹)

جب موسٰی بن عمران بنی اسرائیل کے ۷۰ برگزیدہ افراد کے ساتھ پہاڑ پر پہنچے تو انہوں نے

حضرت موسیٰ سے کہا آپ نے خدا کو دیکھا ہے تو ہمیں بھی دکھائیں؟ موسیٰ نے جواب دیا کہ میں نے تو خدا کو نہیں دیکھا۔ بولے: ہم اس وقت تک آپ پر ایمان نہیں لائیں گے جب تک خدا کو دیکھ نہ لیں، اچانک ایک بجلی لپکی اور انہیں جلا کر راکھ کر گئی اور موسیٰ بن عمران تنہا رہ گئے۔ عرض کی: پروردگار میں ستر منتخب لوگوں کو لے کر آیا تھا اب واپس اکیلا کیسے جاؤں اور اپنی قوم کو کیا جواب دوں گا؟ جب انہیں یہ واقعہ بتاؤں گا یقین کریں گے؟ "**فلو شئت أهلكتهم من قبل واياي اتهلكنا بما فعل السفهاء منا**"

خداوند متعال نے انہیں زندہ کر دیا۔ اس واقعہ کے اشارہ سے تمہیں انکار کی جرات نہیں ہے کیونکہ اس پر توراۃ، انجیل، زبور اور قرآن گواہ ہیں۔ نتیجہ یہ نکلا کہ ہر کوئی جو مردہ کو زندہ کر دے، اندھے کو بینائی دے دے یا برص کے مریض کو شفایاب کر دے، دیوانے کو عاقل کر دے، خدائی اور عبادت و پرستش کے قابل نہیں ہو جاتا۔ کیا ان انبیاء کو خدا کہیں گے اور ان کی پرستش کریں گے۔ اے نصرانی اس بارے میں کیا کہتا ہے؟

جاثلیق: ہاں! آپ نے سچ کہا لا الہ الا اللہ، نہیں کوئی معبود مگر اللہ۔

ایک یہودی عالم سے امامؑ کا مناظرہ:

امامؑ نے راس الجالوت کی طرف رخ کر کے فرمایا: اے یہودی! میری باتیں توجہ سے سنو تمہیں موسیٰ بن عمران پر نازل ہونے والے دس معجزات کی قسم دیتا ہوں کہ توریت میں حضرت محمدؐ اور امت محمدؐ کے بارے میں خبر پڑھی ہے؟ توریت میں اس طرح ہے۔

جب امت آخری وقت میں ہوگی تو اس کی پیروی ہوگی جو اونٹ پر سوار ہو جو مسلسل اپنے پروردگار کی تسبیح کرے گی جو نئی تسبیح و عبادت ہوگی لہذا بنی اسرائیل کو چاہیئے کہ وہ اس امت کا ساتھ دے تا کہ ان کے قلوب کو اطمینان نصیب ہو۔ خاص طور پر جب اس کے ہاتھ میں تلوار ہو اور ان تلواروں کے ذریعے زمین میں کافر گمراہ امتوں سے انتقام لے رہی ہو۔ کیا یہ توریت میں لکھا ہوا نہیں ہے؟

جاثلیق: ہاں میں تصدیق کرتا ہوں ہم نے ایسا ہی پایا ہے۔

محترم قارئین! جس طرح انجیل اور حضرت عیسٰیؑ کے ضمن میں بات کی اس طرح مختصراً توریت کے بارے میں بھی بات کریں گے کہ آپ کے مذہب کے بارے میں بشارت موجود ہے۔ اگر چہ امامؑ کی گفتگو اس دانشمند عیسائی سے اختتام پذیر نہیں ہوئی۔ چنانچہ ملاحظہ کریں کہ امامؑ کی یہودی دانشمند سے مختصر گفتگو ہوئی اور اس کے بعد دوبارہ نصرانی دانشمند جاثلیق سے گفتگو کی۔

توریت کی تصدیق:

عبرانی زبان میں لفظ تورات کا مطلب شریعت یا ناموس ہے۔ بعض لوگ خیال کرتے ہیں کہ یہ یہی تورات ہے جو ابھی اہل کتاب کے پاس ہے یہی کتاب اللہ کی طرف سے موسٰیؑ پر نازل ہوئی تھی اور قرآن میں جسے ہدایت اور نور کے نام سے ذکر کیا گیا ہے۔ لیکن یہ خیال درست نہیں یہ بات قابل تردید نہیں ہے کہ حضرت موسٰیؑ پر نازل ہونے والی اصل تورات قرآن سے قبل ہی مختلف فتنوں اور فلسطین کی جنگوں کے دوران ضائع ہوگئی تھی۔ یورپ کے محققین اور دانشوروں کی ایک جماعت جن میں یوسیس، آدام کلارک، ہورن اور اس طرح کے دوسرے محققین شامل ہیں۔ یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ تورات کا اصل نسخہ حضرت موسٰیؑ کی وفات کے بعد ایک صندوق میں رکھا گیا تھا اور حضرت موسٰیؑ کی وصیت کے مطابق بنی اسرائیل کے علماء ہر سات سال کے بعد ایک دفعہ باہر نکالتے تھے۔ اور پڑھتے تھے اور اسی زمانے میں یہ کتاب مفقود ہوگئی۔

بعض محققین کے عقیدے کے مطابق اصل نسخہ کے مفقود ہونے کے بعد تورات کے نسخہ کو حضرت عزیرؑ پیغمبر نے یحیٰی اور زکریاؑ کی مدد سے جو خود بھی پیغمبر تھے مرتب کیا اور پھر یہ نسخہ بھی حوادث زمانہ اور پرآشوب فتنوں کی نذر ہو گیا۔

امام جعفر صادقؑ نے فرمایا ''ہم وہ ستارے ہیں جن سے نور حاصل کیا جاتا تھا اور اب ہم مخلوق کے درمیان اللہ کی نشانیاں اور براہین ہیں جن سے استفادہ کیا جائے جو قیمتی جواہر یاقوت اور مرجان کی طرح ہیں۔

پس اسی روایت کی روشنی میں امامؑ نے فرمایا ہم قیمتی گوہر اور عمیق (گہرے) سمندر کی طرح ہیں۔ حق کی حقیقت کے طلبگار جس قدر کوشش کرتے ہیں اس قیمتی و درخشندہ جوہر اور معرفت کے سمندر میں غوطہ زن ہوں تو حقیقت ان پر اور بھی روشن اور واضح ہو جاتی ہے۔

اے پروردگار! تجھے ان کی عزت و عظمت کی قسم! ہمیں دنیا و آخرت میں کہیں بھی ان کے فیض اور توسل سے محروم نہ رکھ۔ ہماری توفیقات میں اضافہ فرما۔ اور ہمت عطا فرما کہ تیرے اولیاء سے دانش و حکمت کے جواہر حاصل کرتے رہیں۔ ہمارے قلوب کی حفاظت فرما کہ ان کے اقوال کو محفوظ کر سکیں۔ چونکہ ہم آگاہ ہیں کہ محمدؐ و آلِ محمدؑ تیرے بہترین بندے ہیں۔ اے خدا ان پر ہمیشہ برکت، رحمت اور درود نازل فرما۔

مسیحی شخص سے مناظرہ:

جب امامؑ نے رأس الجالوت کے لئے کچھ تورات پڑھ لی تو جاثلیق کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا "تمہارا علم کتاب شعیا کے بارے میں کیسا ہے؟

جاثلیق: اس کے حرف حرف سے واقف ہوں۔

امامؑ نے رأس الجالوت اور جاثلیق سے فرمایا۔ کتاب شعیا میں تم نے پڑھا ہے کہ لکھا ہے:

اے قوم! گویا دیکھ رہے ہیں کہ کوئی شخص خچر سوار آ رہا ہے جس نے نور کا لباس زیب تن کیا ہوا ہے اور دیکھ رہے ہیں کہ کوئی اونٹ پر سوار آ رہا ہے جو مثل چاند روشن ہے (پہلے شخص سے مراد حضرت عیسٰیؑ اور دوسرے شخص سے مراد حضرت محمد مصطفیٰؐ ہیں جن کے بارے میں حضرت موسٰیؑ خبر دے رہے ہیں)۔

رأس الجالوت و جاثلیق: ہم اس کی تصدیق کرتے ہیں۔

امامؑ: اے نصرانی! کیا تم نے انجیل میں پڑھا ہے کہ حضرت عیسٰیؑ کہتے ہیں: میں اپنے اور تمہارے پروردگار کی طرف جا رہا ہوں۔ میرے بعد "پارقلیطا" (یہ سریانی زبان کا لفظ ہے، اصل یونانی لفظ" "پریکلیطوس" ہے جس کے معانی کھرے اور بے انتہا مدار کے ہیں۔ اور عربی میں

محمدؐ واحمد ترجمہ کیا گیا ہے)'' آئے گا جو میری پیغمبری کی گواہی دے گا۔ اور میں نے اس کی گواہی دی ہے۔ جو تمہارے لئے ہر چیز بیان کرے گا۔ امت کو ضلالت و گمراہی سے نکالے گا اور کفر کے ستونوں میں دراڑیں ڈالے گا۔

جاثلیق : جس قدر آپ نے انجیل سے پڑھا ہے ہم اس کی تصدیق اور اعتراف کرتے ہیں۔

امامؑ : کیا یہ سب باتیں جو انجیل سے قرائت کیں وہ انجیل سے ثابت ہیں؟

جاثلیق : ہاں یہ ثابت ہیں۔

امامؑ : اے جاثلیق کیا تم بتا سکتے ہو کہ یہ انجیل کس زمانے میں مفقود ہوئی؟ اور اس انجیل کو تمہارے لئے کس نے وضع کیا؟

جاثلیق : سادہ جواب ہے۔ صرف ایک دن کے لئے انجیل گم ہوئی تھی بلعد میں مل گئی اور یوحنا و متی نے اس انجیل کو پیش کیا۔

امامؑ : انجیل اور علمائے انجیل کے بارے میں تم بے خبر ہو! اگر اسی طرح ہی ہے جیسے تم نے کہا ہے تو کیوں اس قدر انجیل میں اختلاف پایا جاتا ہے؟ اگر یہی انجیل روز اول سے ہے تو پھر موجودہ اختلاف نہیں ہونا چاہئے۔ اس کی وجہ میں تمہارے سامنے بیان کرتا ہوں۔ جان لو کہ چونکہ پہلی انجیل گم ہوگئی تھی، نصاریٰ دانا و عقلمند لوگوں کے پاس جمع ہوئے اور کہا: عیسیٰ بن مریمؑ قتل ہوگئے اور انجیل گم ہوگئی، آپ علماء ہیں آپ کے پاس انجیل کے متعلق کیا ہے؟

لوقا اور مرقابوس نے کہا : پوری انجیل ہمارے سینے میں محفوظ ہے اور ہم تمہیں بالترتیب اس کے نزول کے بارے میں بتاتے ہیں۔ اس وجہ سے افسردہ و غمگین نہ ہوں، عبادت گاہوں کو خالی نہ ہونے دیں۔ بہت جلد ہم آپ کے لئے جلد بہ جلد پڑھیں گے تا کہ تمام کتاب ایک جگہ جمع ہو جائے۔ پس اس کے بعد لوقا، مرقابوس، یوحنا اور متی مل کر بیٹھے اور آپ کے لئے یہ انجیل ترتیب دی۔ اس کے بعد اصلی نسخہ انجیل تمہارے نزدیک نہ رہا کیا تم اس کے بارے میں مطلع ہو؟

جاثلیق : نہیں جانتا۔ مجھے اب معلوم ہوا ہے کہ انجیل کے بارے میں آپ کا علم و دانش کس قدر

وسیع ہے۔ جو چیز آپ نے بیان فرمائی ہے۔ میرا دل اس کی سچائی کی گواہی دیتا ہے اور زیادہ جاننے کا شوق رکھتا ہوں۔

امامؑ: اس گروہ کی گواہی تمہارے نزدیک کیا حیثیت رکھتی ہے؟

جاثلیق: ہاں یہ درست ہے کیونکہ یہ انجیل کے علماء ہیں اس لئے جو گواہی دیں درست و حق ہے۔

امامؑ نے خلیفہ مامون عباسی اور حاضرین کی طرف رخ فرمایا۔ اور کہا آپ گواہ رہیں۔

حاضرین مجلس نے یک زبان ہو کر جواب دیا کہ ہم گواہ ہیں۔

امامؑ: اے جاثلیق تجھے ماں و بیٹے (عیسیٰؑ اور مریمؑ) کے حق کی قسم دے کر کہتا ہوں کہ متی کہتا ہے: حضرت مسیح فرزند حضرت داؤد بن ابراہیم بن اسحاق بن یعقوب بن یہودا بن حضرون ہیں۔ اور مرقابوس نے حضرت عیسیٰؑ کا نسب یوں بیان کیا ہے: وہ خدا کی نشانی ہے جو آدمی کے جسم میں حلول کر کے انسان بن گئی ہے۔ اور الوقا کہتا ہے: عیسیٰؑ اور ان کی ماں گوشت پوست کے دو انسان تھے روح القدس ان میں داخل ہوا۔ اور اے نصرانی! تو کہتا ہے جس پر عیسیٰؑ نے گواہی دی تھی کہ فرمایا **"حقاً اقول لکم یا معشر الحواریین: انہ لایصعد الی السماء الا من نزل منھا الا راکب البعیر خاتم الانبیاء فانہ یصعد الی السماء و ینزل"** اے حواریین! درست کہہ رہے ہیں آسمان کی طرف کوئی نہیں جاتا مگر وہ جو آسمان سے نازل ہوا ہے مگر سوائے اس اونٹ سوار کے جو خاتم الانبیاء ہیں جو آسمان کی طرف جاتے ہیں اور آتے ہیں۔ اس کے بارے میں تم کیا کہتے ہو؟

جاثلیق: ہاں! یہ حضرت عیسیٰؑ کا ہی قول ہے جس سے کسی کو انکار ممکن نہیں۔

امامؑ: پس الوقا اور مرقابوس کی گواہی حضرت عیسیٰؑ کے بارے میں ہے اس کے متعلق کیا کہتے ہو؟

جاثلیق: حضرت عیسیٰؑ پر جھوٹ اور تہمت باندھی ہے؟

امامؑ نے حاضرین مجلس کی طرف رخ فرما کر فرمایا۔ گواہ رہنا جاثلیق نے ان کو پاک و پاکیزہ جانا اور کہا کہ علمائے انجیل کا قول سچ ہے۔

جاثلیق: اے مسلمانوں کے عالم! مجھے ان کے اس امر سے معاف فرمائیے۔

امامؑ: میں نے تمہیں معاف کر دیا۔ پوچھنا چاہو تو سوال کرو۔

جاثلیق (جو مغلوب ہو چکا تھا) کہا حضرت عیسیٰؑ کی قسم میں گمان نہیں کرتا کہ مسلمانوں اور علماء میں سے کوئی آپ کے پائے کا ہو۔ دیگر آپ سے سوال پوچھ لیں؟

امامؑ نے راس الجالوت بزرگ یہودی دانشور سے سوال کیا۔ میں تم سے سوال کروں یا تم مجھ سے پوچھو گے؟

راس الجالوت: میں آپ سے سوال پوچھنا چاہتا ہوں مگر کوئی دلیل قبول نہیں کروں گا مگر ان کتب سے ہو تورات، انجیل، زبور داؤد، صحف ابراہیمؑ و موسیٰ۔

امامؑ: ہاں میری کوئی بات نہ مانو سوائے اس کے کہ تورات میں ہو یا موسیٰ بن عمران کی زبان سے ہو یا انجیل میں عیسیٰ بن مریم یا زبور میں حضرت داؤد نے بیان کیا ہو۔

تورات میں پیغمبر اسلامؐ کی نبوت کا اثبات:

امامؑ: موسیٰ بن عمران عیسیٰ بن مریم اور حضرت داؤد نے روئے زمین پر حضرت محمدؐ کی نبوت کی گواہی دی ہے۔

راس الجالوت: برائے مہربانی! موسیٰ بن عمران کا قول نقل فرمائیے۔

امامؑ: جانتے ہو موسیٰ بن عمران نے بنی اسرائیل کو اس طرح وصیت کی: عنقریب آپ کے بھائیوں میں سے ایک پیغمبر آئے گا اس کی تصدیق کریں اور اس کی باتوں کو سنیں، جانتے ہو کہ بنی اسرائیل کا کوئی بھائی ہی نہ تھا۔ مگر یہ کہ اسماعیل کے بیٹوں میں سے۔ اگر اسماعیل اور بنی اسرائیل کی نسبت سے آگاہ ہو تو جان لو کہ ان دو افراد کے درمیان نسبت حضرت ابراہیمؑ کی طرف سے ہے۔

راس الجالوت: ہاں! تصدیق کرتا ہوں کہ حضرت موسیٰ کا قول ہے اور اس سے انکار نہیں کرتا۔

امامؑ: آیا حضرت اسرائیل کے بھائیوں میں سے حضرت محمدؐ کے بغیر بھی کوئی پیغمبر تمہاری طرف آیا ہے؟

رأس الجالوت: ہاں ان کے بغیر کوئی نہیں آیا ہے۔

امامؑ! کیا تمہارے نزدیک یہ درست نہیں ہے؟

رأس الجالوت: ہاں درست ہے مگر اس کو توراۃ سے بیان فرمایئے۔

امامؑ: کیا توراۃ کے اس قول سے انکار کروگے۔ **قد جاء النور من جبل طور سیناء واضاء لنا من جبل ساعیر و استعلن علینا من جبل فاران**:

کوہ سینا سے ایک نور آیا اور ہمارے لئے کوہ ساعیر سے نور بخشا گیا اور ہمارے لئے کوہ فاران سے آشکار ہوا۔

رأس الجالوت: ان کلمات سے آگاہ ہوں مگر اس کے معانی و تفسیر سے مطلع نہیں ہوں۔

امامؑ: میں وضاحت کرتا ہوں۔ کوہ سینا سے نور کی آمد دراصل وحی خداوند کی آمد ہے۔ جو موسیٰ بن عمران پر طور سینا میں آئی۔ اور ہمارے لئے کوہ ساعیر سے نور آنے سے مراد، وہ پہاڑ ہے جس پر خدا نے حضرت عیسیٰ بن مریم پر وحی بھیجی۔ کوہ فاران پر نور کے آشکار ہونے کا مطلب یہ ہے فاران مکہ میں ایک پہاڑ ہے جو ایک روز کی مسافت پر ہے۔

امامؑ نے گفتگو جاری رکھی اور فرمایا۔ تمہارے قول اور توراۃ شعیا کے مطابق: دو سواروں کو دیکھا جنکے نور نے زمین کو منور کیا تھا ان میں سے ایک خچر پر جبکہ دوسرا اونٹ پر سوار تھا۔ بتاؤ خچر پر سوار کون تھا اور شتر سوار کون؟

رأس الجالوت: میں نہیں جانتا آپ تعارف کرادیں!

امامؑ: خچر پر سوار سے مراد حضرت عیسیٰ اور شتر سوار سے مراد حضرت محمدؐ ہیں۔ کیا تم توراۃ کی اس بات سے انکاری ہو؟

رأس الجالوت: نہیں، میں انکار نہیں کرتا۔

امامؑ: حیقوق پیغمبرؑ کو جانتے ہو؟

رأس الجالوت: ہاں! میں ان کو جانتا ہوں۔

امامؑ: جیسا کہ تمہاری کتاب میں ہے کہ حیقوق کہتا ہے، خداوند کی فاران سے وحی آئی۔ آسمانوں کو حضرت احمدؐ اور ان کی امت کی تعریف سے پُر کر دیا۔ ان کی فوج سمندر پر بھی ایسے ہی چلتی ہے جیسے زمین پر قدم زنی کرتی ہے۔ بیت المقدس کی تباہی کے بعد نئی کتاب آئی۔ نئی کتاب سے مراد قرآن مجید ہے۔ کیا تم یہ جانتے ہو؟ اور اس پر ایمان رکھتے ہو؟

رأس الجالوت: یہ باتیں حیقوقؑ کی ہی ہیں۔ اور ہم ان سے انکار نہیں کرتے۔

امامؑ: داؤد پیغمبر نے زبور میں فرمایا جسے تم نے پڑھا ہے۔ "**اللھم ابعث مقیم السنۃ بعد الفترۃ**" یعنی اے پروردگار کسی کو بھیج جو سنت کو زندہ کرے زمانہ فترت کے بعد۔

کیا تم کسی ایسے پیغمبر کو جانتے ہو جس نے زمانہ فترت کے بعد سنت کا احیاء کیا ہو سوائے حضرت محمدؐ کے؟

رأس الجالوت: یہ حضرت داؤد کا قول ہے جس کو ہم تسلیم کرتے ہیں لیکن اس سے مراد عیسٰی بن مریم ہیں اور ان کا زمانہ فترت کا زمانہ ہے۔

امامؑ: تم نہیں جانتے کہ عیسٰی بن مریم نے سنت موسٰی کی مخالفت نہیں کی بلکہ وہ حضرت موسٰی کی سنت کے حامی تھے اس وقت تک جب تک خدا کی طرف سفر نہ کر گئے۔ انجیل میں آیا ہے

"**ان ابن البرۃ ذاھب والبار قلیطا جاء من بعدہ وھو یخفف الآصار ویفسر لکم کل شیئی ویشھد لی کما شھدت لہ انا جئتکم بالامثال وھو یاتیکم بالتاویل**"

یعنی ابن برۃ (فرزند نیکوکار یعنی عیسٰی) جا رہا ہے اور بارقلیط اس کے بعد آئے گا، وزن کو ہلکا کرے گا تمہارے لئے ہر چیز کی تشریح و توضیح کرے گا۔ میری گواہی دے گا اسی طرح جس طرح میں نے اس کے لئے گواہی دی ہے اور جس طرح میں نے تمہارے لئے امثال بیان کی ہیں وہ تمہارے لئے اس کی تاویل لائے گا۔ کیا انجیل کی ان باتوں کو مانتے ہو اور ان پر یقین رکھتے ہو؟

رأس الجالوت: میں انکار نہیں کرتا۔ یہ ٹھیک اور درست ہے۔

امامؑ: میں تم سے تمہارے موسٰی بن عمران کے بارے میں سوال کرنا چاہتا ہوں؟

رأس الجالوت: جی فرمایئے!

امامؑ: موسٰی بن عمران کی نبوت کے ثبوت میں کیا دلیل رکھتے ہو؟

رأس الجالوت: موسٰی بن عمران کے ساتھ ایسا معجزہ آیا کہ قبل کے انبیاء کے پاس ایسا معجزہ نہ تھا۔

امامؑ: مثلاً کون سا معجزہ؟

رأس الجالوت: سمندر کو شگافتہ کرنا، عصا کو اژدھا میں بدلنا، اور پتھر پر عصا مار کر بارہ چشمے جاری کرنا۔ گریبان میں ہاتھ ڈال کر ایسے نکالنا کہ دیکھنے والوں کو روشن دکھائی دے۔ اور اس طرح کے دیگر معجزات جن کو عام مخلوق انجام دینے کی طاقت وقدرت نہیں رکھتی۔

امامؑ: تم نے بالکل سچ کہا، حضرت موسٰی کی نبوت پر بحث و دلیل کے لئے یہی تھا کہ مخلوق ان کاموں سے عاجز تھی۔ اب تم نے تسلیم کرلیا کہ جو کوئی معجزہ لائے جس پر مخلوق عاجز ہو تو اس کی تصدیق کرو؟

رأس الجالوت: نہیں اس طرح نہیں ہے کہ موسٰی بن عمران خداوند تعالٰی کے نزدیک قرب و منزلت کے حامل نہ تھے۔ ضروری نہیں ہے کہ جو بھی نبوت کا مدعی ہو اسے تسلیم کرلیں۔ مگر یہ کہ موسٰی بن عمران کی طرح معجزات رکھتا ہو۔

امامؑ: پس حضرت موسٰی سے قبل ان پیغمبروں کو کیسے تسلیم کیا ہے جنہوں نے سمندر کو نہ چیرا، ۱۲ چشموں کو پتھر سے جاری نہیں کیا اور اپنے عصا کو اژدھے میں تبدیل نہ کیا؟

رأس الجالوت: میں نے کہا کہ اپنے زمانے میں ایسی نشانیاں اور علامتیں لائے جن کو انجام دینے میں مخلوق خدا عاجز ہو ضروری نہیں کہ وہ حضرت موسٰی بن عمران کی طرح معجزات لائیں، وہ جیسے معجزات ہوں ہمیں ان کی تصدیق کرنی چاہیئے۔

امامؑ: تجھے حضرت عیسٰی بن مریم کی نبوت کے اقرار سے کس چیز نے روکا ہے جبکہ انہوں نے مردوں کو زندہ کیا، اندھوں اور کوڑھوں کو شفا دی، مٹی کا پرندہ بنایا اور اس میں خدا کے حکم سے پھونکا تو

وہ اصل پرندہ بن گیا؟

رأس الجالوت: کہتے ہیں کہ حضرت عیسٰی نے یہ سارے کام کیئے مگر ہم نے خود تو نہیں دیکھے؟

امام: تو کیا آپ نے معجزات حضرت موسٰی بن عمران دیکھے ہیں، نہ کہ ان کو کسی سچے اور قابل اطمینان شخص سے سنا ہے؟

رأس الجالوت: کیوں نہیں ایسا ہی ہے؟

امام: پس اسی طرح تواتر سے پہنچنے والی خبروں کے مطابق حضرت موسٰی کی تو تصدیق کرتے ہیں اور حضرت عیسٰی کی تصدیق نہیں کرتے؟

رأس الجالوت سے کوئی جواب بن نہ پایا۔

امام نے اپنی گفتگو جاری رکھتے ہوئے فرمایا: حضرت محمدؐ اور جو کچھ وہ لائے اس کا معاملہ بھی اسی طرح ہے بلکہ ہر مبعوث ہونے والے پیغمبر سے زیادہ، پیغمبر اسلام کی علامات نبوت یہ ہیں۔ وہ یتیم، فقیر، چرواہے، مزدور تھے، انہوں نے نہ تو کوئی کتاب پڑھی اور نہ کسی استاد کے سامنے زانوئے تلمذ طے کیا۔ وہ قرآن لائے جس میں گذشتہ انبیاء کے واقعات اور ان کے بارے میں خبریں موجود ہیں۔ وہ واقعات جو وقوع پذیر ہو چکے اور وہ واقعات جو روز قیامت تک وقوع پذیر ہونگے قرآن میں موجود ہیں۔

لوگوں کو ان کے رازوں اور گھریلو امور کے بارے میں مطلع کیا اور بے شمار علامات اور نشانیاں لائے ہیں۔

رأس الجالوت: حضرت عیسٰی اور حضرت محمدؐ کے بارے میں خبر ہمارے نزدیک درست نہیں ہے اور ہم اس کا اعتراف نہیں کرسکتے جو درست نہ ہو۔

امام: حضرت عیسٰی اور حضرت محمدؐ کی شہادت نبوت کے گواہ تو محکم گواہ (پیغمبر) تھے؟

رأس الجالوت: دوبارہ جواب سے عاجز آ گیا اور کوئی جواب نہ دے سکا۔

امام کا زرتشتی دانشور سے مناظرہ:

امامؑ ھربذا کبر کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا:

امامؑ: زردشت کی نبوت پر تمہارے پاس کیا دلیل ہے؟

ھربذاکبر: ہمارے لئے وہ حکم لائے جو اس سے قبل کسی نے نہ لایا، اگر چہ ہم اس وقت موجود نہ تھے مگر ہم تک سابقہ لوگوں سے خبر پہنچی کہ انہوں نے ہمارے لئے وہ چیزیں حلال کیں جنہیں ان کے علاوہ کسی اور نے حلال شمار نہیں کیا تھا۔ لہذا اس وجہ سے ہم نے ان کی پیروی کی۔

امامؑ: کیا صرف اسی وجہ سے تم نے ان کی پیروی کی؟

ھربذاکبر: ہاں! اسی وجہ سے ان کی پیروی کی گئی۔

امامؑ: پس اس طرح سے دیگر گذشتہ امتیں بھی ہیں جنہیں خبر دی گئی اور انہوں نے پیغمبروں کو مانا۔ اسی طرح سے حضرت عیسٰیؑ اور حضرت محمدؐ کو پیغمبر تسلیم کیا گیا۔ ان کو نہ ماننے کا تمہارے پاس کیا سبب ہے؟ کیونکہ تم نے زردشت کی پیغمبری کو اس لئے تسلیم کیا کہ انہوں نے وہ چیز لائی جس کو دوسرے نہ لائے!

ھربذاکبرسے کوئی جواب بن نہ پایا اور خاموش رہا

مناظرہ مامون و مرد زردشتی:

مامون کا معمول تھا کہ تمام اہل مذاہب اس کے گرد جمع رہتے تھے جن سے مامون مناظرہ کرتا۔ ایک روز مذہب ثنوی کا پیروکار اس کے دربار میں آیا اور اس سے مناظرہ کیا۔ اس دن تمام لوگ اور متکلمین دربار میں جمع تھے۔

ثنوی مذہب کا پیروکار بولا، خیر و شر، نور و ظلمت اور نیکی و بدی پر مامور کوئی ایسا دیکھو جو ایک ہی ہو۔ ان افراد میں سے ہر ایک صنف کا خالق اور صانع مختلف ہے۔ کیونکہ یہ بات عقل و خرد کے خلاف ہے کہ وہی نیکی کا بھی خالق ہو اور وہی بدی کا بھی۔ اپنے اس بیان پر دلیل بھی پیش کی۔ حاضرین نے شور مچایا کہ اس شخص سے شمشیر کے علاوہ کسی طرح کا مناظرہ نہ کیا جائے۔

مامون کچھ دیر خاموش رہا بعد میں اس سے سوال کیا: مذہب کیا ہے؟

جواب دیا: مذہب یہ ہے کہ صانع دو ہیں۔ایک خیر اور ایک شر کا صانع اور ہر ایک کے لئے فعل اور وضع جدا ہے۔جو نیکی کرتا ہے شر نہیں کرتا اور جو شر کرتا ہے نیکی نہیں کرتا۔

مامون نے کہا: اپنے ہر دو افعال پر وہ قادر ہیں یا عاجز؟

جواب: ہر دو افعال پر قدرت رکھتے ہیں اور عاجز ہرگز نہیں!

مامون: کسی بھی عجز کے متحمل نہیں ہوتے۔

جواب: نہیں! معبود کس طرح عاجز ہو سکتا ہے۔

مامون: اللہ اکبر! حقیقی صانع خیر وہ ہے جو سب خیر کر سکتا ہے اور شر نہیں کر سکتا۔صانع شر وہ ہے جو خیر نہیں کرتا۔اس سے یہی مراد ہے یا نہیں؟

جواب: جی ہاں! ایک کو دوسرے پر فوقیت حاصل نہیں۔

مامون: پس دونوں میں سے ایک میں عاجز ہونا ظاہر ہوتا ہے۔اور خدا عاجز نہیں ہوتا۔مامون نے اسے قتل کرنے کا حکم صادر کیا۔اس طرح دربار میں موجود لوگ مامون کی تعریف کرنے لگے (بیان الادیان سے تلخیص)

پس یہاں ہم دربار مامون الرشید میں ایک پرہجوم محفل کا ذکر کریں گے جس میں شیعیان جہان کی بڑی شخصیت حضرت امام علی ابن موسٰی الرضاؑ کے علمی مقام کا ذکر کریں گے۔اور ہماری یہ نگارش بارگاہ ملکوتی میں بطور تحفہ پیش خدمت ہے اگر وہ قبول فرمائیں۔

عمران صابی سے امام رضاؑ کا مناظرہ:

محترم قارئین! جب حضرت امامؑ آتش پرست اور زردشت ھربذا کبر سے بات کر چکے اور وہ امامؑ کے مقابلے میں مغلوب ہو چکا تو امامؑ نے حاضرین مجلس کی طرف رخ کیا۔

"یا قوم ان کان فیکم احد یخالف الاسلام و اراد ان یسال فلیسال غیر متحشم"

اے قوم! اگر تم میں سے کوئی اسلام کا مخالف ہے اور چاہتا ہے کہ کوئی سوال کرے تو وہ

بغیر کسی شرم و جھجک کے سوال پوچھ سکتا ہے۔

تو صابیوں کا ایک مامور شخص عمران صابی جو زبردست متکلمین میں سے تھا، اپنی جگہ سے کھڑا ہوا اور بولا۔ اگر آپ نے سوال کی اجازت نہ دی ہوتی تو میں ہرگز سوال نہ کرتا۔ میں کوفہ، بصرہ، شام کے متکلمین سے اپنی مشکل کے حل کے لئے گیا مگر ان میں سے کوئی بھی میری مشکل حل نہ کر سکا اور کوئی ثابت نہ کر سکا کہ کوئی ایسا یکتا ہے جس کا کوئی غیر نہیں ہے۔ نیز وہ اپنی وحدانیت پر قائم ہو۔ (یعنی وحدانیت اس کی عین ذات ہے) اجازت دیجئے کہ میں آپ سے سوال کروں۔

امامؑ : اس جماعت میں اگر کوئی عمران صابی ہو سکتا ہے تو وہ تم ہی ہو۔ اس نے جواب دیا! ہاں! عمران صابی میں ہی ہوں۔

امامؑ : سوال پوچھو مگر انصاف کو مد نظر رکھ کر اور زیادہ فسق و ناروا گفتگو سے پرہیز کرو۔

عمران صابی : میرا ایسا کوئی ارادہ نہیں ہے سوائے اس کے کہ میرے لیئے ایسی چیز ثابت ہو جائے جس پر میں قناعت کروں اور اس سے کچھ تجاوز نہ کروں۔

امامؑ : جو کچھ پوچھنا چاہتے ہو پوچھو؟ اس وقت مجلس میں لوگوں کا ہجوم اس قدر بڑھا تھا کہ کاندھے سے کاندھا چُھو رہا تھا۔ ہجوم پر ایک حیرت کی فضا طاری تھی۔

پروردگار کا ثابت کرنا (اثبات پروردگار)

عمران صابی! "**اخبرنی عن الکائن الاول و عما خلق؟**" مجھے اول مخلوق یا جس کو سب سے پہلے اس نے خلق فرمایا بتایئے؟

امامؑ : "**سألت فافهم اما الواحد فلم یزل واحداً کائناً لاشیئی معه بلاحدود ولا اعراض و لایزال کذالک**"

وہ واحد موجود جس کی یکتائی قدیمی ہے، جس کی حدود و عرض نہ ہے اور فعل کے اعتبار سے بھی ایسا ہی ہے۔

عمران صابی کے سوالات اور امام علی بن موسیٰ الرضاؑ کے جوابات عالیہ عرفان و حکمت

الہی سے پر ہیں اس لئے ان کی تفصیل وشرح کی ضرورت ہے۔ بلکہ اس کے لئے جداگانہ ایک کتاب کی ضرورت ہے۔ لیکن المیسور لایترک بالمعسور کے قانون کے مطابق، جس قدر ہمارے لئے ممکن ہے ہم ان کی شرح بیان کریں گے۔ قابل توجہ یہ ہے کہ ہم نے شرح میں استاد دانشمند محمد تقی جعفری کی شرح سے استفادہ کیا ہے جو انہوں نے "تحفۃ العقول" کتاب میں احتجاج امامؑ سے کی ہے۔ جیسا کہ دوسری شرحوں جیسے علامہ مجلسی نے "بحارالانوار" میں اپنی شرح میں بیان کیا ہے۔ ایسے قارئین جو علمی اصطلاحات سے واقف نہیں ہیں یا ان کی علمی سطح کم ہے، اس بنا پر معلومات کو معرض التواء میں ڈال دیں۔ ان لوگوں کے لئے جو علم نہیں رکھتے یا جو کچھ علم تو رکھتے ہیں لیکن مشکل علمی مطالب کو نہیں سمجھ سکتے۔ جو افراد علمی حقائق کو سیکھنا چاہتے ہیں کہیں نااہل لوگوں کے ہاتھ نہ چڑھ جائیں۔ میری یہ کوشش اسی دلیل پر مبنی ہے۔ کوشش کروں گا کہ مطالب ومفاہیم کو عام لوگوں کی سطح تک لا کر آسان زبان میں پیش کروں۔

یہ بات توجہ طلب ہے کہ اگر امامؑ کے بعد کے جملوں کو اس سوال سے مربوط کریں تو سوال یوں بنتا ہے پہلی موجود چیز کیا تھی؟ اور اس کو کس چیز سے پیدا کیا گیا؟ اگر سوال کو اسی جملہ میں نقل کیا جائے تو اس کا احتمال ہوتا ہے کہ عمران کے سوال کا مقصد ہے کہ مخلوق کی علت ایجاد کیا تھی اور محسوس ہوتا ہے کہ اس نے موجودات اول کے بارے میں سوال کیا ہے؟

امامؑ نے سب سے پہلے ذات باری تعالیٰ سے حدود واعراض کی نفی فرمائی۔ کیونکہ حدود واعراض واجب الوجود کو محدود کرتا ہے۔ دوسری طرف دوسری موجودات کی طرح عارض ومعروض سے مرکب نہیں ہوتا۔ ان میں کوئی بھی ترکیب جو ذات باری تعالیٰ کو محدود اور متناہی کردے اس ذات کے لئے روا نہیں ہے۔

لیکن عمران صابی نے اس طرح کیوں سوال کیا؟ جاننا چاہیئے کہ ہماری نفسیات اور ظاہر کمیت وکیفیت پر انحصار کرتا ہے۔ ان دو تصورات سے ہم باہر نہیں جا سکتے۔ تمام مفاہیم میں یہ سوالات شامل ہوتے ہیں مثلاً کب؟، کہاں اور کس وجہ سے؟ جب ہم فطری سرپرستی کے تناظر میں

(فلسفیوں کی اصطلاح میں عقلی عملی اور وجدانی) منطقی سوچ اور دلائل کو اس وسیع مفہوم میں دیکھتے ہیں تو یہ مضامین کائنات میں موجود مخلوق کی فطری خصوصیات معلوم ہوتی ہیں۔جن سے ہماری ہمیشہ کی وابستگی ہے۔تو اسی سے ملتے جلتے خیالات ہمیں مجبور کرتے ہیں کہ ہم ان خیالات و سوچوں کو ارفع اور اعلیٰ مخلوق سے نسبت دیں، یا کم از کم یہ سوال کریں کہ یہ کیسے ممکن ہے کہ ایک ذی روح ایسی سوچوں کے بغیر بھی دائمی حیثیت کی حامل ہو۔یہ امر قابل توجہ ہے کہ اس ذات احدیت کا تنہا ہونا وقت کی حدود وحوادث سے کوئی تخصیص نہیں رکھتا۔کیونکہ وہ ہمیشہ سے وحدانیت پر قائم ہے اور رہے گا وحدانیت الٰہی سے مراد عددی، جنسی یا نوعی نہیں ہے بلکہ اس سے مراد وحدانیت حقیقی ہے اس طرح نہیں جیسے عرفاء وصوفیاء لوگ کہتے ہیں، یہ لوگ اسی وحدانیت کے قائل ہیں کہ وجود مطلق ایک ہی ہے۔فرق اس کی شرح میں ہے آیا شرح مفصل ہے یا مختصر وہ کہتے ہیں۔

چون حق بتفاصیل وشئون گشت عیان — مشہود شد این عالم پر سود وزیان

چون باز روند عالم و عالمیان — در رتبہ اجمال حق آید بہ میان

پس خداوند متعال کی وحدت اس سے مادی اور غیر مادی شے کا عدم ارتباط ہے کوئی شے اس کے برابر اور مساوی نہیں ہے وہ تمام ممکنات میں صانع کی مصنوع سے نسبت ہے۔یہ ایک ایسا راستہ ہے جسے اہل عقل اور انبیائے اکرام نے اختیار کیا ہے۔اور انبیاء کے راستے پر جو شخص توجہ کرے تو پھر اسے ان کم عقل اور مغرور اشخاص کے تخیلات اور شرائط جو انہوں نے سوچ رکھی ہیں اور ان کے تحت حقیقت سے آشنا ہوئے ہیں کی قطعاً ضرورت نہیں رہتی۔

ہمارے محقق استاد حجت الاسلام طہرانی نے اپنی کتاب (عارف اور صوفی کیا کہتے ہیں) میں اس حقیقت کی طرف اشارہ کیا ہے۔اپنے مقدمہ کے ذکر کے بعد فرماتے ہیں۔ہم دیکھتے ہیں کہ بوعلی، کانٹ، قونوی اور اس قسم کی دسیوں مثالیں ایسی ملتی ہے کہ انہوں نے عقل وفہم کے نقص کی وجہ سے اس حقیقت کا ادراک واعتراف کیا ہے کہ بشریت کے ادراکات محدود ہیں۔

ہر معاملے میں ہاتھ نہیں ڈال سکتا اور اپنی سوچ سے اسے سمجھ نہیں سکتا، اگر ہم اس پر غور وفکر کریں تو مطلب سمجھ میں آجاتا ہے۔

پس کبھی ان کو خود یا ان جیسے لوگوں کو دیکھتے ہیں کہ تیزی کے ساتھ ہر چیز اور ہر حقیقت کے پیچھے بھاگتے ہیں اپنی سوچ کے مطابق بحث کرتے اور نتیجہ کے طور پر عقلی اور دلیلی تقاضوں کے مطابق فیصلہ کن احکامات جاری کردیتے ہیں۔ مثلاً روح کی حقیقت کیا ہے؟ ملائکہ کی حقیقت کیا ہے؟ افلاک کی حقیقت کیا ہے؟ ارواح کی خلقت کی ابتداء کب اور کہاں سے ہوئی؟ ہم میں سے سب سے پہلی مخلوق کون سی تھی؟ دنیا میں کس طرح اس کی زیادتی ہوئی؟ وجودی عوامل کتنے ہیں؟ ان موجودات کا نتیجہ اورانجام کب اور کیسے ہے؟ کیسے ممکن ہے کہ خدا ایک ہی وقت میں ایک سے زیادہ اتنی وسیع موجودات کو خلق کرے۔ خالق متعال اپنی مخلوق کی گروہ بندی اور طبقہ بندی کرے۔ خدا کا علم کیسا ہے اور اس کا ارادہ مشیت کیا ہے؟ خلقت کی غرض وغایت کیا ہے؟ اور اس کی تخلیق کیسے ہے؟ ہم نے دیکھا کہ بعض اوقات ان کے پیرو بھی بڑی وضاحت اور دلائل کے ساتھ ان مضامین کو اس طرح بیان کرتے ہیں کہ وہ مدتوں سے خداوند متعال کی ذات سے آگاہ ہیں اور اس کی تشریح کرچکے ہیں۔ وہ خدا کے ہمراہ مقام آفرینش سے اس کے تمام تر اعمال کے شخصاً مشاہدین میں سے تھے۔

اس گفتگو کا لب لباب یہ ہے کہ ہمارے پاس ان مقاصد کے حصول کی کوئی اور راہ نہیں ہے سوائے یہ کہ خاندان عصمت و وحی سے تمسک اور تعلق قائم کیا جائے نہ کہ اپنی دقت نظر، دروں بینی اور جہالت سے بند آنکھوں سے ان کو قبول کریں۔ بلکہ اس راستے کو اختیار کیا جائے جس پر ہم سے پہلے بزرگان دین چلتے رہے۔

امامؑ نے اپنی گفتگو جاری رکھتے ہوئے فرمایا!

''ثم خلق خلقا مبتدعاً مختلفاً باعراض و حدود مختلفه لا فی شئی اقامه و لا فی شئی حده و لا علی شئی حذاه و مثله له''

ایسی رنگ برنگ تخلیق جس کی اس سے پہلے کوئی مثال نہ ہو اسے مختلف خصوصیات اور حدود وقیود کے ساتھ خلق کیا۔ اسے نہ تو چیز میں لا کھڑا کیا اور نہ کسی حدود کا پابند کیا اور نہ ہی کسی چیز سے اس کی برابری دکھائی۔

بعد میں امامؑ نے فرمایا: پس اپنی اس کونا گون مخلوق برگزیدہ وغیر برگزیدہ مختلف اور متفاوت جبکہ بعض کو ملتی جلتی شکل میں قرار دیا۔ یہ اس وجہ سے نہیں کہ اللہ کو ان اختلافات کی ضرورت تھی اور نہ مقام ومنزلت میں اضافہ کے لئے تھی۔ نیز ایسا بھی نہیں کہ ان مخلوقات کے ذریعے، اسے اپنی ذات کے لئے کوئی نفع یا نقصان ہوتا۔ اے عمران! ان باتوں پر غور کرو!

اس بات میں امامؑ کی بات کافی حد تک واضح ہے اور امامؑ نے خلقت کی ابتداء اور کیفیت کے بارے میں مختصر طور پر بیان فرمایا ہے۔

علامہ مجلسی بحارالانوار میں فرماتے ہیں کہ "**لا فی شیئی اقامه**" سے مراد یہ ہے یعنی اس کا مادہ پہلے سے موجود نہ تھا جس طرح فلاسفر کہتے ہیں۔ اور مثلاً سے مراد یہ ہے کہ ایسا نقشہ کھینچا جس سے کائنات کی ابتداء کرے اور اس سے دوسری مخلوقات کو مشتق کرے۔ جیسے دوسری مخلوقات کرتیں ہیں۔ پس اس کو مختصراً یوں بیان کیا جاسکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جو چیز وجود میں آ چکی اسے زندگی بخشی، اسے مختلف رنگوں، قسموں، شکلوں میں قرار دیا۔ ان میں سے کوئی بھی خدا کو نفع، نقصان یا کمی بیشی کا باعث نہیں۔ اور یہ تمام مخلوقات اس خدائے قدوس کے سامنے حقیر وپست ہیں اور اپنی حدود وقیود سے جدا نہیں ہیں۔

عمران صابی! ہاں میرے آقا! خدا کی قسم! میں ان باتوں پر غور وفکر کر رہا ہوں۔ امامؑ نے اپنے کلام کو جاری رکھتے ہوئے آگے فرمایا: اے عمران! جان لو، خدا جس کو معرض وجود میں لایا اگر اسے اس کی ضرورت نہ ہوتی تو ہرگز خلق نہ کرتا۔ مگر سوائے اس کے جو اس کی حاجت اور احتیاج میں اس کی مددگار ہوتی اور ایسی صورت میں مناسب تھا کہ خدا ایسی مخلوق میں کئی گنا اضافہ کر دیتا کیونکہ جس قدر یار ومددگار زیادہ ہونگے ان کا مالک اتنا ہی طاقتور ہوگا۔

اے عمران! مخلوق کبھی بھی حاجت روائی نہیں کر سکتی۔ خدا نے جس زمانے میں مخلوق کو پیدا کیا حاجت اس میں رکھ دی۔ اسی وجہ سے کہتا ہوں "**لم یخلق الخلق لحاجة**" اس نے مخلوق کو اس لئے خلق نہیں فرمایا کہ اسے اس کی حاجت تھی۔ ہاں اس نے بعض کو بعض کا محتاج ضرور قرار دیا ہے۔ جبکہ بعض کو بعض پر فضیلت اور برتری عطا کر دی ہے۔ تاہم یہ فضیلت اس لئے نہیں کہ انہیں دوسروں کی احتیاج نہ تھی۔ اور اس لئے بھی نہیں کہ وہ اس مخلوق سے انتقام لینا یا اسے ذلیل کرنا چاہتا ہے۔

عمران صابی: اے آقا! **هل کان الکائن معلوماً فی نفسه عند نفسه**؟ کیا اللہ تعالیٰ کا وجود خود اس کے نزدیک بھی معلوم تھا؟ اس سوال کی شرح میں کہ ذات خدا کے لئے اس کا وجود معلوم تھا۔ پہلی نظر میں یہ سوال ہی مناسب معلوم نہیں ہوتا۔ کیونکہ اگر خداوند کریم کو تمام موجودات سے زیادہ دانا تصور کیا جائے تو یہ کس طرح ممکن ہو سکتا ہے کہ وہ اپنے وجود سے آگاہ نہ ہو؟ لیکن امامؑ کے جواب میں غور کرنے سے یہ بات واضح ہو جائیگی کہ یہ سوال جتنا آسان سمجھا جاتا ہے نہیں ہے اور شاید الٰہیات میں اہم ترین شمار کیا جائے کیونکہ اپنی حقیقی شناخت کا مطلب تمام دیگر موجودات سے انکار نہیں ہے؟ اسی بنا پر اگر خداوند متعال اپنے وجود کی معرفت رکھتا تو بغیر کسی شک و شبہ تمام مخالف اشیاء کو اپنے آپ سے دور کرتا۔ کیا یہ اصل دوسری اشیاء کے وجود سے عدم مطابقت نہیں ہے؟

امامؑ: کسی چیز کی تردید یا نفی کے لئے ضروری ہے کہ وہ چیز موجود ہو اور جہاں کسی چیز کا وجود نہ ہو جس کی نفی کی جائے اور اس کی ضرورت پوری کرتے ۔۔۔۔۔۔

امامؑ: اے عمران! تم اس بات کو سمجھ گئے ہو۔

عمران صابی: جی مولا! سمجھ گیا ہوں۔

امامؑ کے جواب کا خلاصہ یہ ہے: خدا کی ذات کی پہچان کسی کی اپنی ذات کا اس اصل کے ساتھ شامل ہونا نہیں بلکہ اس پہچان کے لئے ایسی کسی ذات کی ضرورت نہ تھی جسے ذات اصل

کے ساتھ بطور غیر ذات جگہ دی جائے کیونکہ دوسری موجودات اپنی کسی بھی وسعت (لمبائی چوڑائی بُعد) کے اعتبار سے اس قابل نہیں ہیں کہ انہیں اللہ کی ذات کے برابر لاکھڑا کیا جائے۔

اس ذات عالی کا اصل کمال تو ہے اس کی موجودیت، اس کا ہونا۔ ماضی، حال اور مستقبل کو کسی بھی علامت کے طور پر دکھانے یا خود اس کے مقابل لانے کی کسی میں سکت نہیں ہے۔

عمران صابی: فاخبرنی بایّ شئی علم ما علم؟ ابضمیر ام بغیر ذلک "

اسے (خدا کو) جس کا علم ہے وہ کس چیز سے اس نے حاصل کیا؟ کیا اس علم کی کوئی ضمیر یا صورت ذہنی تھی یا نہیں؟

امامؑ: "ارایت اذا علم بضمیر هل تجد بداً من ان تجعل لذلک الضمیر حدا تنتهی الیه المعرفة؟" دیکھو! اگر اس نے ضمیر کے ذریعے علم حاصل کیا ہوتا تو کیا یہ ممکن تھا کہ اس ضمیر کی کوئی ایسی حد یا نہایت ہوتی جس سے یہ معرفت (اللہ) تک منتہی ہوسکتی؟

عمران صابی: لازماً ایسی حد اور نہایت ضروری ہے۔

امامؑ: پس وہ کون سی ضمیر ہے؟

عمران صابی: اس سوال کا کوئی جواب نہ دے سکا؟

شرح:

ممکن ہے اس سوال کا مقصد امامؑ کو مورد الزام ٹھہرانا ہوتا کہ اگر امام کسی ضمیر کا اقرار کرتے ہیں تو پھر خدا کو (نعوذ باللہ) مرکب ماننا پڑے گا۔ اور با ضمیر سے بے ضمیر ذات ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق کو جو علم عطا کیا ہے اس کی رو سے یہ اس ذات کی احدیت میں شک وشبہ کے مترادف ہے۔

امامؑ نے ضمیر کی نفی کا اظہار کر کے فرمایا: اگر ضمیر کے متعلق مخلوق کو علم ہو جائے تو ضروری ہے کہ اس کی حقیقت ذات، روح، نفس اور جسم کے بارے میں جاننا چاہیئے کہ وہ کیا ہے؟

یہاں پر عمران کوئی جواب نہ دے سکا۔

امامؑ کے جواب کا خلاصہ یہ ہوا کہ اگر ہم فرض کریں کہ خداتعالیٰ کے علم کی بنیاد ضمیر ہے تو اس ضمیر کا علم کسی اور کو بھی ہونا چاہیئے ،اس کا نتیجہ ایک متواتر عمل ہوگا جو ممکن نہیں، درست یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا اشیا جارے علم اس حد تک ہو کہ اس کی کوئی شکل اور ضمیر نہ ہو۔

امامؑ: کیا حرج ہے کہ اگر میں تم سے یہ سوال کروں کہ آیا ضمیر یا صورت ذہنی کو کسی دوسری ضمیر سے شناخت کیا جاسکتا ہے؟ اگر تم نے اپنے دعوی کو ہی غلط کردیا اے عمران! کیا یہ سزاوار نہیں کہ تو یہ بات ذہن نشین رکھے کہ واحد و یکتا کسی ضمیر یا صورت ذہنی سے متصف نہیں ہوسکتا۔ نیز عمل و صنعت کے اضافے کو بھی نہیں کہا جاسکتا۔ کیونکہ اس کے لئے صاحب اجزاء ہونے کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا۔ جیسے کہ دوسری مخلوقات جز جز میں تبدیل ہو جاتی ہیں۔ جب اس کے بارے میں غور وفکر کرو تو ہر شے سے تم حق و درست سمجھتے ہوا سے اس کی بنیاد قرار دو۔

شرح: اس کا مطلب یہ ہے کہ خداوند کریم کے اعمال وافعال دوسرے افعال و اعمال کی طرح نہیں ہیں جو کسی علت وسبب کی وجہ سے انجام پاتے ہیں۔ اور مختلف وسیلوں کے ذریعے انجام دیئے جاتے ہیں۔ جیسا کہ عقل وادراک، قلبی کیفیات اوراعضاء جوارح کا عمل، جبکہ خداوند کریم، تجربے، تجزیے اور کسی تفکر، سوچ کا محتاج نہیں ہے جیسا کہ ہم ان امور کے محتاج ہیں۔

عمران صابی: کیا آپ نہیں بتائیں گے کہ خلق اللہ کی حدود کے کیا معنی ہیں؟ اور اسے چند انواع سے کس طرح تشخیص کیا جاسکتا ہے؟

امامؑ: اب جبکہ تم نے سوال کرلیا ہے تو ذہن نشین کرلو خلق خدا کی حدود چھ اقسام پر محیط ہے۔

شرح: جیسا کہ بحارالانوار میں مذکور ہے۔

۱۔ پہلی قسم: جسے ہاتھ کے لمس، وزن کرنے اور آنکھ کے دیکھنے کے ذریعے معلوم کیا جاسکتا ہے جیسے اکثر اشیاء ہیں۔

۲۔ جوان اوصاف کے ذریعے معلوم نہیں کی جاسکتیں نیز جس کا ان صفات کے ذریعے ادراک ناممکن ہے جیسے "روح"

۳-جسے ان کے آثار سے معلوم کیا جا سکے لیکن وزن، لمس، آنکھ کے نظارے، رنگ اور ذائقے کے ذریعے معلوم نہیں کیا جا سکتا جیسے ہوا، آسمان، ملائکہ اور جنات وغیرہ۔

۴-مقدار ہے اور یہ قسم ان اشکال اور تصاویر پر مشتمل ہے جو طول وعرض رکھتی ہیں۔

۵-حواس کی قوت مدرکہ سے متعلق خصوصیات ہیں (حواس خمسہ) مثلاً رنگ، روشنی۔

٦-چھٹی قسم ان خصوصیات وعلامات سے عبارت ہے جو کہ حواس خمسہ کے غیر ہیں۔جیسے اعمال و حرکات جو موجودات سے صادر ہوتے ہیں اور ان میں ردوبدل بھی کرتے ہیں۔ایک حالت سے دوسری حالت میں متغیر کر کے اور جب اعمال وقوع پذیر ہوتے ہیں تو پھر ان میں کمی بیشی نہیں کر سکتے اس لئے کہ ان کے لئے ضرورت سے زیادہ وقت نہیں ہوتا اور فراغت کے بعد وہ عمل زائل ہو جاتا ہے اور اس میں کوئی حالت نہیں رہتی تا ہم اس کا اثر باقی رہتا ہے۔مثلاً بات کرنا جو خود زائل ہو جاتی ہے مگر اس کا اثر باقی رہ جاتا ہے۔

عمران صابی:اے میرے آقا ومولا! کیا آپ مجھے نہیں بتائیں گے کہ اگر یگانہ ویکتا ہے اور نہ تو کوئی اس کا غیر ہے اور نہ ہی اس سے ہے تو پھر مخلوق کی خلقت میں متغیرات کیوں ہیں؟

امامؑ: خداوند متعال 'قدیم'' ہے اور وہ مخلوقات کی خلقت سے متغیر نہیں ہوتا بلکہ اللہ کی خلقت میں ردوبدل کرنے سے مخلوق بدل جاتی ہے۔

عمران صابی:پھر ہم اسے کس چیز سے شناخت کریں؟

امامؑ: اس کی مصنوعات سے وہ اس کی غیر ہیں۔اور ''یا من دل علی ذاتہ بذاتہ'' سے متصادم نہیں ہے۔

عمران صابی:اس کی غیر کیا ہے؟

امامؑ: اس کا اسم، اس کی صفت، اس کی مشیت اور وہ تمام اشیاء جو حادث ہیں یعنی مخلوق اور اس (اللہ) کی تدبیر سے معرض وجود میں آتی ہیں۔

عمران صابی:تو پھر خدا کیا ہے؟

اس سوال کا مقصد خدا کی حقیقت سے آشنائی ہے جو کہ عقلاً محال ہے اس لئے امامؑ نے ایک ظاہری وصف کے ذریعے جواب عنایت فرمایا۔

امامؑ: (خدا) نور ہے اس کے معنی ہیں کہ وہ آسمان وزمین کی مخلوق کا ہادی ورہنما ہے، تمہارے لئے خدا کی حقیقت یگانہ و یکتا ثابت کرنے کے لئے اتنا ہی کافی ہے کہ اس ذات، ماہیت، واقعیت اور صفات کی حقیقت کو بیان کرنا ممکن نہیں ہے۔

عمران صابی: آیا خدا مخلوق کی خلقت سے قبل ساکت (خاموش) نہیں تھا اور مخلوق کی خلقت کے بعد اس نے نطق کیا؟

امامؑ: سکوت کوئی معنی ہی نہیں رکھتا مگر نطق کے بعد۔ یہ تو اسی طرح ہے جیسے یہ نہیں کہا جاتا کہ چراغ ساکت ہے۔ اور سخن گو (بات کرنے والا) نہیں ہے۔ اور جب مقصود صدور فعل ہو چراغ کی نسبت سے تو ہمیں یہ نہیں کہا جاتا کہ چراغ میں روشنی ہے اس لئے کہ چراغ کی روشنی نہ تو اس کا فعل وعمل ہے اور نہ ہی اس کے وجود کا اظہار کیونکہ چراغ سے ظاہر ہونے والی روشنی اس کا غیر نہیں جو اس کی ذات (نفس) کے غیر سے عمل میں یا وجود میں آئی لہذا جب چراغ روشنی دے رہا ہو ہم کہیں گے اس نے روشنی دی کیونکہ ہمیں اس (چراغ) کے سبب سے روشنی حاصل ہوئی ہے کیا بات تم پر واضح ہوگئی ہے؟!

عمران صابی: میرے مولا وآقا! جو چیز میں جانتا ہوں وہ چیز یہ ہے کہ ذات واجب الوجود نے جب مخلوق پیدا کی تو اس عمل کے صادر ہونے سے (جو اس سے صادر ہوا) اس کی حالت متغیر ہوگئی۔

امامؑ: اے عمران! تیری بات میں امر محال (ناممکن) پیدا ہو گیا ہے۔ تیرا یہ قول کہ ذات واجب الوجود کی جہات (سمتوں) میں سے کوئی جہت (سمت) متغیر ہوگئی اور یہ "عارض" (اتفاق) اس کی ذات میں رچ بس گیا اور اس کی ذات اس "عارض" کے عروض (وقوع پذیر ہونے) سے متغیر ہوگئی۔ اے عمران! کیا آگ کے متغیر ہونے سے خود آگ متغیر ہوتی ہے اور کیا تم نے کوئی

ایسی حرارت (گرمی) دیکھی ہے (یا تمہیں اس کے بارے میں علم ہے) جس نے خود اپنے آپ ہی کو جلایا ہو یا تم نے کبھی دیکھا ہے کہ آنکھ نے خود اپنے آپ کو دیکھا ہو؟!

عمران صابی: میں نے ایسا نہیں دیکھا۔ اے میرے مولا و آقا! لیکن مجھے یہ بتائیں کہ خدا مخلوق میں ہے یا مخلوق خدا میں؟

امامؑ: اے عمران! خدا منزہ و مبرا ہے ان باتوں سے نہ وہ مخلوق میں ہے اور نہ ہی مخلوق اس میں ہے اللہ تعالٰی کی شان و منزلت اس طرح کی باتوں سے کہیں بلند و ارفع ہے اب میں تمہیں اس چیز کی تعلیم دے رہا ہوں جس کے ذریعے تم اللہ کی معرفت و پہچان حاصل کر سکتے ہو! ولا قوۃ الا باللہ۔ (اور کوئی قدرت و طاقت نہیں سوائے اللہ تعالٰی کے) کیا تم مجھے آئینہ کے بارے میں بتا سکتے ہو کہ آیا تم آئینہ میں ہو یا آئینہ تم میں ہے؟ اور اگر تم دونوں میں سے کوئی ایک دوسرے میں نہیں تو پھر وہ کونسی چیز ہے جس کی وجہ سے تم نے آئینہ میں اپنا وجود دیکھا؟

عمران صابی: میرے اور آئینے کے درمیان اس روشنی کی وجہ سے یعنی میری آنکھ سے روشنی خارج ہو کر آئینہ پر پڑی اور اس کا (روشنی کا) عکس جب پلٹا تو میں نے خود کو دیکھا۔

امامؑ: بہت خوب! اس روشنی کو ہمیں بھی دکھاؤ تا کہ ہم بھی دیکھ سکیں۔

عمران صابی امامؑ کی اس بات کا کوئی جواب نہ دے سکا اور اپنے سر کو جھکا دیا چونکہ سمجھ گیا تھا کہ اس روشنی کو نہیں دیکھا جا سکتا خدا بھی اسی طرح ہے (اور اسے دیکھا نہیں جا سکتا)

امامؑ: تم نے مجھے کوئی جواب نہیں دیا۔ میں اس حقیقت کو تم تک پہنچاتا ہوں کہ میں اس روشنی کو (کچھ) نہیں سمجھتا مگر یہ کہ وہ تمہارے اور آئینہ کے لئے "راہنما" ہے اور یہ روشنی نہ تمہارے اندر ہے اور نہ آئینے میں۔ اس مفہوم کو سمجھنے کے لئے کافی مثالیں موجود ہیں مگر یہ کہ جاہل گفتگو کے دوران انہیں نہیں پا سکتا۔

(یہ وہ مسئلہ ہے جس کی اہمیت کی طرف فلاسفروں، حکماء نے متوجہ کیا ہے۔ یہاں ان کے قدم لڑکھڑا گئے اور ان کی فکر و سوچ اس مسئلے کے حل میں ناکام ہو گئی۔ اور اس راستہ کے علاوہ

انہیں راستہ نہ ملا جو اللہ کے پیغمبروں اور پیشواؤں نے انسانیت کو سکھایا ہے)۔

بنیادی طور پر ممکنات اور غیر ازلی و ابدی، قدیمی مشکلات میں رابطہ میں دشواری پیش آئے تو مسئلے کے حل میں ہمارے سوچنے کی قوت بے بس ہو جاتی ہے۔ یہ صوفیاء کا ایک گروہ ہے جس نے اس ضمن میں کوشش کی ہے کہ دوئیت کو درمیان سے ختم کریں اور خالق و مخلوق لازم یا ممکن کوئی معنی نہیں رکھتا۔ علت و معلول کیا ہے؟ ایسے افکار علم و عمل سے عاری ہیں۔ مگر سوائے اس کے شخی بگھارنے، مبالغہ آرائی، خود کو قطب، مرشد اور اللہ والا ہونے کا دعوی، غیب کا علم جاننے اور بدعتوں کو رواج دینے کے علاوہ کوئی اور چیز نہیں ہے کیونکہ بغیر کسی دلیل، عقل اور شرع کے کسی چیز کو کوئی شخص بھی قبول نہیں کر سکتا۔ اس کے بعد امام نے مامون کی طرف رخ کر کے فرمایا کہ نماز کا وقت ہو گیا ہے!

عمران صابی: مولا! میرے اس مسئلہ کو قطع نہ فرمایئے کیونکہ میرا دل بیچ گیا ہے اور مجھ پر وجد طاری ہو گیا ہے۔

امامؑ: نماز پڑھ کر واپس آئیں گے۔ یہ فرما کر امام اٹھ کھڑے ہوئے جس کے بعد مامون بھی اٹھ گیا۔ امام نے گھر کے اندر نماز ادا فرمائی جبکہ دیگر افراد نے باہر محمد بن جعفر کی امامت میں نماز ادا کی۔ نماز پڑھنے کے بعد امام رضا اور محمد بن جعفر واپس دربار میں آئے جہاں امام نے عمران کو بلایا اور اسے مخاطب کر کے فرمایا! اے عمران! سوال کرو!

عمران: اے میرے آقا! مجھے بتائیں کہ آیا خداوند عزوجل اپنی حقیقی حقیقت سے پہچانا جاتا ہے یا اپنے اوصاف سے یعنی کیا اس کی حقیقی معرفت تک رسائی ممکن ہے یا محض اس کے اوصاف سے ہی اس کا ادراک ممکن ہے؟

امامؑ: عزوجل جس نے پہلے مخلوق کو پیدا کیا ہے پھر مخلوق کو وجود سے عدم میں لے جائے گا اور اس کے بعد اسے دوبارہ وجود دے گا (ایجاد کرے گا) وہ یگانہ و یکتا ہے اوّل سے اور ہمیشہ یکتا رہے گا کوئی شے اس کے ساتھ نہ تھی وہ "احد" تھا اور کوئی ایسا دوسرا اس کے لئے نہ تھا جو معلوم یا مجہول ہو نہ ہی اس (اللہ) کے لئے کوئی ایسی فرد (ذات) جس کی حقیقت مشخص یا غیر مشخص ہو۔

نیز نہ ہی کوئی ایسی فرد تھی جو زبان مخلوق سے مذکور ہو یا جسے مخلوق کی افواہوں میں فراموش کیا جا چکا ہو یا نہ ہی کوئی ایسی چیز تھی جس پر اس کی ذات کے غیر کا نام منطبق آتا ہو۔ یعنی یہ (چیزیں) خدا کی غیر (دوم) ہیں اور اس کے ساتھ نہیں ہو سکتیں۔ ذات حق یگانہ و یکتا ہے نہ اس کی کسی وقت (زمانے) سے ابتداء ہوئی اور نہ ہی کسی وقت (زمانے) پر اس کی انتہا ہو گی نہ اس کا قیام و نصب کسی چیز سے تھا اور نہ ہی اسے کسی چیز سے قائم اور نصب کیا جا سکتا ہے۔ نہ تو اس نے کسی چیز پر اسناد و اعتماد کیا اور نہ ہی وہ کسی شے (کی وجہ) سے مخفی ہوا مخلوقات کے پیدا ہونے سے قبل بھی وہ ان تمام صفات سے متصف تھا اس لئے کہ اس وقت اس ذات بے نیاز کے سوا کچھ نہ تھا اور جو کچھ بھی میں نے کہا وہ صفات ''حادثہ'' ہیں اور ان کا ترجمہ ہے البتہ جو کوئی بھی اس (اللہ) کی معرفت حاصل کرنا چاہے وہ ان صفات کے ذریعے حاصل کر سکتا ہے۔

(اے عمران) یاد رکھو! ایجاد، مشیت اور ارادہ ایک ہی مفہوم و معنی رکھتے ہیں اور ان کے نام تین ہیں۔ اور اوّل ''ابداء'' یعنی خداوند متعال کی ایجاد، ارادہ اور مشیت وہ حروف ہیں کہ جنہیں اس (اللہ) نے ہر شے کی اصل، دلیل اور رہنما قرار دیا ہے انہی حروف سے ہر شے کا ادراک ہوا اور وہ ہر مشکل میں تمیز و فرق کا باعث بنے نیز یہی حروف اس امر کا باعث بنے کہ ہر شے کو حق و باطل سے جدا کرنے کے علاوہ اسے بنانے، سنوارنے، معنی و مفہوم دینے اور بغیر معنی و مفہوم رکھنے جیسے امور کو عملی جامہ پہنایا جائے اور حق تعالیٰ نے ان حروف کو ایجاد کرتے وقت ان حروف کے جو ذاتی معنی ہیں ان کے علاوہ کوئی ایسا معنی و مفہوم قرار نہیں دیا جو ان حروف کی نہایت بن سکے اور جو ان حروف کے وجود خارجی میں نہ پایا جاتا ہو اس لئے کہ حروف ایجاد ہوئے ایجاد کرنے سے اور ایجاد حروف کے علاوہ ان کی کوئی غیر شے موجود نہ تھی جو کہ ان حروف کے محل ظہور اور اظہار کی جگہ لے سکے۔ چنانچہ وہ ''نور'' جس سے مراد ایجاد و وجود ہے اس مقام اوّل میں وہ فعل خداوندی ہے جس سے خداوند متعال نے زمین و آسمان کو مزین و روشن کیا اپنے بنائے ہوئے حروف کے وجود سے۔ جو اس فعل کا مفعول ہیں اور یہ حروف وہ کلام اور عبارات ہیں۔ جن کی حق تعالیٰ نے مخلوق کو

تعلیم دی۔ یہ حروف ۳۳ ہیں۔ جن میں سے ۲۸ حروف عربی لغت پر دلالت کرتے ہیں اور ان ۲۸ حروف میں سے ۱۲ حروف وہ ہیں جو سریانی اور عبرانی لغت سے متعلق ہیں اور ان ۱۲ حروف میں سے پانچ حروف ایسے ہیں جنہیں متغیر کیا گیا ہے اور جو تمام لغات (زبانوں) اور اقالیم (براعظموں) میں مستعمل ہیں۔ گویا وہ ۲۸ حروف ان پانچ متغیر شدہ حروف کے ساتھ مل کر مجموعی طور پر ۳۳ حروف بنتے ہیں اور آخر الذکر ۵ حروف جو متعدد عوامل و اسباب کے حدوث کی بناء پر جیسے عوام الناس کے لہجوں اور انداز نطق میں پایا جانے والا اختلاف ہے جو کچھ ذکر ہوا اس سے زیادہ تفصیلی تذکرے کے سزاوار نہیں ہیں۔

شرح: علامہ مجلسی فرماتے ہیں، ظاہر یہ ہوتا ہے کہ یہ عبارت اس طرح نہیں ہے کہ "واما الخمسة المختلفة فبحجج..." اور راویوں نے غلط فہمی کا شکار ہونے کی بناء پر اسے صحیح نقل نہیں کیا۔ اور وہ پانچ حروف یہ ہیں۔

(۱) کاف فارسی جیسے کہا جاتا ہے 'بگو' (کہو)

(۲) تین نقطے والا جیم۔ جیسے کہا جاتا ہے "چہ" (کیا)

(۳) تین نقطے والا "زا" جیسے کہا جاتا ہے "ژالہ"

(۴) تین نقطے والی باء، جیسے کہا جاتا ہے پیلہ، پیادہ

(۵) "بائے ھندی" جس کی تفصیل علامہ مجلسی نے بیان نہیں فرمائی۔

بہر حال حق تعالٰی نے خلقت حروف کے بعد ان حروف کے عدد (سلسلہ وار) مقرر فرمائے اور ان اعداد پر اس (اللہ) نے اپنے فعل محکم و استوار فرمائے مثال کے طور پر ارشاد خداوندی کہ "کن فیکون" اس میں لفظ "کن" حق تعالٰی کی صنعت کا مظہر "فعل" ہے جبکہ اس لفظ "کن" سے معرض وجود میں آنے والا اس (فعل) کا موضوع اور "مفعول" ہے۔

لہذا مخلوق اوّل ہی "اصل ایجاد" ہے جس کا نہ تو کوئی وزن ہے نہ حرکت نیز نہ ہی اس کی کوئی "سماعت" ہے نہ کوئی "حس"۔

مخلوق دوّم "حروف" ہیں (یعنی کلمات) ان کا بھی کوئی وزن ہے اور نہ کوئی رنگ لیکن یہ اگرچہ مسموع ہیں (یعنی قابل سماعت) اور صفات سے موصوف بھی تاہم محسوس نہیں ہیں۔

مخلوق سوم تمام اقسام کی مخلوقات ہیں یعنی آسمان، زمین، کھانے اور پینے کی اشیاء اور اسی طرح کی دوسری تمام جو کہ محسوس ہیں اور قوت لامسہ کے ذریعے ان کا ادراک ہوسکتا ہے اسی طرح قوت بصارت کے ذریعے بھی (انہیں دیکھا جاسکتا ہے)۔

پس حق تعالیٰ کا وجود "اصل ایجاد" سے بھی مقدم ہے اس لئے کہ نہ اس (اللہ) سے قبل کوئی چیز تھی نہ اس کے ساتھ کسی شے کا وجود تھا اور "ایجاد" مقدم ہے حروف پر اور حروف اپنے غیر پر دلالت نہیں کرتے۔

مامون: وہ حروف اپنے غیر پر کس طرح دلالت نہیں کرتے؟

امامؑ: اس لئے کہ حق تعالیٰ نے ان سے جن جن کو مرکب قرار دیا وہ اپنے معنی (مفہوم) کی بناء پر مرکب بنائے گئے کیونکہ ان کے مفرد کا کوئی معنی نہ تھا گویا وہ (اپنے) معنی پر دلالت نہیں کرسکتا لہذا اس کا اپنے غیر پر دلالت نہ کرنا بھی لازمی ہے۔ دوسرے الفاظ میں ان حروف میں اگر چار پانچ یا چھ حروف (یا اس سے زیادہ حروف) ایسے ہیں جنہیں مرکب قرار دیا گیا تو وہ سوائے اس سبب کے کہ معنی اختیار کرسکیں مرکب قرار نہیں دیئے گئے یعنی انہیں مرکب بنایا گیا معنی کے لئے تاکہ وہ (معنی) حدوث پیدا کرسکے کہ اس (معنی) سے قبل کوئی چیز نہ تھی دوسرے لفظوں میں اس معنی کے حدوث سے قبل اس معنی کی ترکیب متصور ہی نہ تھی دوسرے لفظوں میں اس معنی کے حدوث سے قبل اس معنی کی ترکیب متصور ہی نہ تھی ان (مرکب) حروف کے مفردات کے لئے کہ وہ اپنے علاوہ کسی غیر پر دلالت کرسکیں۔

عمران: ہم اس بات (مفہوم) کی کیونکر معرفت حاصل کرسکتے ہیں؟

امامؑ: اس معرفت کا باب اور راستہ یہ ہے کہ جب تم ان حروف سے ان کے علاوہ کسی غیر کو نہیں جاننا چاہتے تم ان حروف کو فرداً فرداً (یعنی الگ الگ) بیان کرتے ہو جیسے ا ب ت ث ج ح خ تا

لہذا تمہیں ان کا خود ان حروف کے علاوہ کوئی معنی ومفہوم نہیں ملتا لیکن جب تم انہیں مرکب بناتے ہو اور ان میں سے چند کو یکجا کر دیتے ہو تو پھر انہیں کسی کا نام (اسم) یا صفت قرار دے دیتے ہو (یعنی اس شے کا نام یا صفت جس کا تم نے قصد وارادہ کیا ہو۔ لہذا یہ (حروف) دلیل بن جاتے ہیں اپنے معانی پر بھی اور اس امر پر بھی کہ تم نے انہیں اس وصف کے لئے بنایا ہے۔ کیا تم سمجھ رہے ہو؟!

عمران: جی ہاں! میں نے سمجھ لیا۔

امامؑ: یاد رکھو! موصوف کا رہنما صفت ہے جبکہ معنیٰ کی دلیل ورہنما "اسم" ہے اور رہنما محدود ہوتا ہے یعنی انسان جب چاہے اشیاء کی حقیقت کو معلوم کرے تو وہ اسے اس کے اسم، وصف اور تعریف کے ذریعے ہی معلوم کرتا ہے۔ لیکن اسماء اور صفات حق تعالیٰ سب کی سب اس ذات حق جل شانہ کے کمال اور وجود پر تو دلالت کرتی ہیں مگر اس کی حقیقی ذات پر جو بے نیاز ہے اس پر ویسے دلالت نہیں کرتیں کہ جس طرح کہ کسی محدود پر کہ وہ چار ہیں یا تین یا چھ پر۔ وہ دال ہوتی ہیں اس طرح کی دوسری امثال پر، اس لئے کہ حق تعالیٰ اس سے کہیں بلندتر اور ارفع ہے کہ اس کی حقیقی ذات اور حقیقت کو اس کی صفات اور اسماء کے ذریعے درک کیا جا سکے۔ یا اسے طول وعرض، قلت وکثرت، رنگ اور وزن یا ایسے ہی دیگر امور سے محدود کیا جا سکے نیز یہ حق تعالیٰ کی جلالت ورفع منزلت کو ہرگز سزاوار نہیں کہ وہ اپنے آپ کو اپنی مخلوق کے ذریعے پہنچوائے بالکل اسی طرح جیسے وہ اپنی مخلوق کو جانتا اور پہچانتا ہے اور یہ بات بدیہی ہے اور کسی دلیل وبرہان کی محتاج نہیں ہے جیسا کہ بیان کیا جا چکا ہے تاہم حق تعالیٰ کی صفات اور اسماء اس (ذات حق) کے وجود (یعنی موجود ہونے) کی طرف رہنمائی ضرور کرتے ہیں اسی لئے انسان ان سے "وجود حق" کا سراغ لگا کر اس کی مخلوق اور موضوع (وضع کردہ اشیاء) کی معرفت حاصل کر لیتا ہے۔

لہذا جب انسان اس (ذات حق) کی صفات، علامات اور آثار قدرت کے ذریعے اس

(ذات حق) کی معرفت کو حاصل کر لیتا ہے تو پھر اسے (انسان کو) اس (ذات حق) کو آنکھوں سے دیکھنے، کانوں سے سننے، ہاتھوں سے لمس کرنے (وغیرہ جیسے امور کی) کی ضرورت نہیں رہتی جبکہ حق تعالٰی کی صفات اور اسماء اس کے وجود پر رہنمائی نہ کریں (یعنی وہ) اس کے موجود ہونے کی دلیل نہ بنیں نیز وہ اشیاء جو کہ مطالب کو سمجھنے کا ذریعہ اور وسیلہ ہیں جیسے حواس پنجگانہ اس (ذات حق) کا اس مفہوم میں ادراک نہ کر سکیں جو کہ ہونا چاہیئے تو اس صورت میں بندگان خدا کی عبادت اور اطاعت اسماء اور صفات کی عبادت وبندگی ہوگی نہ کہ اس معبود حقیقی کی (جو ذات برحق ہے) اور اگر ایسا ہوا تو جس معبود یکتا کی عبادت وبندگی کی جائے گی وہ غیر خدا ہوگا کیونکہ اس صورت میں صفات واسمائے الٰہیہ کا مفہوم اس ذات حق کا غیر قرار پائے گا۔ کیا تم مقصد سمجھ گئے ہو؟!

عمران: جی ہاں! میرے مولا وآقا! آپ میرے لئے مزید واضح فرمائیں!

امامؑ: نادانوں اور باطن کے اندھوں نیز اہل ضلالت کے اس قول سے پرہیز کرو جو یہ گمان رکھتے ہیں کہ حق تعالٰی قیامت کے دن ظاہر اور عیاں ہو جائے گا اپنے بندوں کے حساب اور انہیں جزا و سزا دینے کے لئے وہ (خدا) "مرئی" بن جائے گا لیکن دنیا میں وہ اس لئے قابل دیدار نہیں کہ اس کے بندے اسی کی اطاعت کریں اور توقع رکھیں کہ اس کی ذات میں کسی قسم کا کوئی نقص نہیں اس لئے کہ اگر ایسا ہوتا تو وہ آخرت میں ظاہر نہ ہوتا۔ یہ وہ قوم ہے (لوگ ہیں) جو اصل مفہوم کو نہ سمجھ سکے اور نادانی کی راہ پر گامزن ہو کر اندھے اور بہرے ہو گئے ہیں اور حق تعالٰی کا یہ قول اسی بناء پر ہے کہ "من کان فی ھذہ اعمیٰ فھو فی الاخرۃ اعمیٰ" یعنی جو کوئی بھی اس دنیا میں اندھا ہے ان موجودہ حقیقتوں کے ہوتے ہوئے بھی جو کہ واضح اور روشن دلیل ہیں صانع کے وجود پر وہ آخرت میں بھی معرفت کے معاملے میں اندھا ہی رہے گا اور یہی امر اس کی مغفرت سے اسے محروم کرنے کا باعث بنے گا۔ کیونکہ صاحبان عقل ومعرفت پر یہ امر واضح اور روشن ہے کہ ذات پروردگار کی معرفت کے حصول کے لئے اس دنیا میں متعدد راستے اور بے شمار ذرائع (وسیلے) ہیں جو کہ عالم بقاء میں نہیں ہوں گے اس لئے کہ وہاں اس موقع پر (زمانے میں) اس طرح کے وقائع کی

ضرورت نہیں رہے گی جو کہ اس دنیا میں درکار ہیں اور اگر کوئی اس امر کی تحقیق کرنا چاہتا ہے تو اسے چاہیئے کہ وہ ذات حق کے موجود ہونے کے ادراک کو حاصل کرنے کے لئے اس طریقے کے علاوہ کسی دوسرے طریقے کو اپنائے یقیناً اسے سوائے ذات حق سے دوری کے کچھ بھی حاصل نہ ہو سکے گا اس لئے کہ حق تعالیٰ نے اس علم (معرفت حق) کو مخصوص کیا ہے ان افراد کے لئے جو صاحبان عقل سلیم ہیں اور جاننے اور سمجھنے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔

عمران: اے میرے مولا و آقا! کیا آپ بتانا پسند فرمائیں گے کہ 'ایجاد' مخلوق ہے یا غیر مخلوق؟

امامؑ: یہ (ایجاد) ساکن مخلوق ہے یعنی ایجاد در حقیقت 'علت' اور معلول کے درمیان (پائی جانے والی) نسبت اور ربط ہے گویا کہ "ایجاد" ساکن ہے علت اور معلول میں یا پھر اپنے محل (مقام) پر قائم "عرض" ہے جس کی مفارقت ممکن نہیں اپنے محل سے اور ساکن ہے "محل" میں لہذا یہ امر اضافی اعتباری (طور پر) درک نہیں ہوتا خارج میں اور نہ ہی خارج میں قابل احساس (یعنی محسوس ہونے والا) اشارہ ہے بلکہ یہ عقل ہے جو اس کا انتزاع کرتی ہے اور یہ مخلوق ہے اور وہ چیز جس پر وجود کا اطلاق نہیں ہوتا وہ سوائے پروردگار کے کوئی نہیں نیز خالق اور مخلوق کے درمیان ثالث نہیں۔ اور ان دونوں یا شاید وہ تمام چیزیں جنہیں خالق نے پیدا فرمایا ہے اس امر سے تجاوز نہیں کر سکتی ہیں کہ وہ اسی (ذات حق) کی مخلوق ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی مخلوقات مختلف ہیں یعنی بعض ساکن ہیں (یعنی جامد) جبکہ بعض متحرک ہیں اسی طرح بعض مخالف ہیں اور بعض متفق، بعض کی حقیقت معلوم ہے جبکہ بعض کی حقیقت مجہول ہے اور ہر وہ شے جس پر حد اور انتہا کا اطلاق ہوتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کی مخلوق ہے اور تجھے یاد رکھنا چاہیئے کہ تیرے حواس (خمسہ) جسے پائیں وہ وہی معنی اور مراد ہے جسے حواس نے پایا تھا اور حواس (خمسہ) میں سے ہر ایک دلالت کرتا ہے اس پر جس کے ادراک کی اللہ تعالیٰ نے اس کے لئے ایک قوت قرار دی ہے اور قلب ان تمام کو جنہیں حواس درک (محسوس) کرتے ہیں ان کا ادراک حاصل کرتا ہے۔ یاد رکھو! خداوند یکتا "قائم" ہے بغیر کسی

انداز ے اور انتہا کے جبکہ اس (اللہ) نے مخلوق کو پیدا فرمایا ہے ایک انداز ے اور انتہا کے ساتھ اور جسے اللہ نے ابتداء میں خلق فرمایا یعنی حروف ان کی خلقت سے دو چیزیں ظہور پذیر ہوئیں۔ ایک "نفس ایجاد" اور دوسرے ایجاد شدہ اور ان دونوں میں (یعنی نفس ایجاد اور ایجاد شدہ میں) کوئی رنگ، وزن یا قوت ادراک نہیں پائی جاتی لہذا ان دونوں میں سے کسی ایک کی وجہ سے جو موجود ہو دوسرے (یعنی ایجاد) کو محسوس کیا جا سکتا ہے دوسرے الفاظ میں (ذات حق نے) ان دونوں کو اس طرح خلق فرمایا ہے کہ وہ اپنی خودی سے ہی درک ہوتے ہیں اور اس (اللہ) نے کوئی ایسی چیز خلق نہیں فرمائی جو کہ اپنی ہی "خودی" پر قائم و باقی رہے اس لئے کہ وہ چاہتا تھا کہ اسے (خودی کو) اپنی ذات (الٰہی) کے وجود پر استدلال کا ذریعہ قرار دے۔

خدائے متعال واحد و یکتا ہے اس کا کوئی دوسرا (شریک) نہیں جو کہ اسے (اللہ کو) قائم رکھنے کا باعث بنا ہے یا اس کی مدد اور امداد کرتا ہے یا اس کی حفاظت کرنے والا ہے جبکہ اس کی مخلوقات اللہ تعالٰی کے اذن (اجازت) اور مشیت کے مطابق ایک دوسرے کی حفاظت کرتی ہیں اور لوگوں نے اسی امر میں ایک دوسرے سے اختلاف کیا ہے یہاں تک کہ وہ لوگ حیران و سرگرداں ہو گئے اور انہوں نے تاریکیوں سے استفادہ کرتے ہوئے تاریکیوں سے ہی نجات حاصل کرنے کے لئے تگ و دو شروع کر دی۔ چنانچہ انہوں نے خداوند متعال کو اپنے اوصاف و صفات سے متصف کر دیا (اور نتیجہ یہ ہوا کہ وہ ہدایت کی بجائے گمراہی کے قعر میں جا گرے اور منزل مقصود تک نہ پہنچ سکے بلکہ بتدریج حق سے دور ہوتے گئے حالانکہ اگر وہ خدائے متعال کو خود اس (اللہ) کی صفات سے جبکہ اس کی مخلوقات کو ان کے اوصاف سے متصف کرتے تو وہ ہرگز اختلافات سے دوچار نہ ہوتے۔ لیکن انہوں نے اس چیز کا پیچھا کیا جس کے بارے میں وہ حیران و سرگرداں تھے اس لئے وہ اس چیز کے جال میں پھنس کر رہ گئے۔ بے شک یہ خدا ہی ہے جسے چاہتا ہے سچائی اور ہدایت کی راہ پر گامزن فرماتا ہے۔

عمران صابی سے مناظرہ کا اختتام اور اس کا اسلام قبول کرنا

عمران: اے میرے مولا و آقا! میں گواہی دیتا ہوں کہ وہ (اللہ) ویسے ہی ہے جس طرح کہ آپؑ نے اس کی توصیف بیان فرمائی ہے۔ لیکن ابھی اس ضمن میں ایک اور سوال باقی ہے؟!

امامؑ: ہاں! اپنا سوال بیان کرو!

عمران: خدا کس چیز میں مکیں ہے؟ کیا وہ شے اسے محیط کئے ہوئے ہے؟ کیا ایک جگہ سے دوسری جگہ تغیر کرتا ہے؟ آیا اسے کسی چیز کی ضرورت ہے؟

امامؑ: یہ بات پیچیدہ ترین نکات میں سے ایک ہے جس کے متعلق تم نے سوال کیا ہے۔ اور زیادہ تر لوگوں نے اس کے بارے میں سوال کیا ہے؟ اور وہ افراد جو عقل کی کمی یا علم (وفہم) کے فقدان سے دوچار ہیں وہ اسے نہیں سمجھ سکتے جبکہ ان کے مقابلے میں صاحبان عقل سلیم اور اہل انصاف ہیں جو اس امر کے شعور و ادراک میں عاجز نہیں ہیں لہذا اے عمران! میرے جواب کو نہایت غور سے سنو اور اسے دقت کے ساتھ سمجھنے کی سعی کرو۔

تمہارے سوال کا پہلا اہم نکتہ یہ ہے کہ اگر (خدا نے) مخلوق کو اس لئے خلق فرمایا کہ اسے ان کی ضرورت تھی تو اس صورت میں میرا یہ کہنا جائز ہوگا کہ وہ مخلوق کی سمت تغیر مکان کرتا ہے اس لئے کہ اسے ان کی ضرورت ہے لیکن اس (اللہ) نے کسی بھی چیز کو چونکہ اس لئے خلق نہیں فرمایا کہ اسے ان کی ضرورت و احتیاج تھی بلکہ وہ ہمیشہ سے "ثابت" ہے نہ وہ کسی چیز میں اور نہ ہی کسی چیز پر "ثابت" ہے مگر یہ کہ اس کی مخلوقات میں سے بعض دوسروں کی حفاظت و نگہداشت کرتی ہیں اور خداوند متعال اپنی قدرت تامہ کے ذریعے ان سب (مخلوقات) پر نگاہ بھی رکھے ہوئے ہے اور انہیں محفوظ بھی رکھتا ہے نیز وہ (اللہ) نہ تو کسی چیز میں داخل ہوتا ہے اور نہ ہی کسی چیز سے خارج ہوا ہے علاوہ ازیں ان مخلوقات کی حفاظت و نگہداشت سے نہ تو وہ تھکا ہے نہ ہی خستہ و ناتواں ہوا ہے نیز نہ ہی وہ ایسا کرنے سے عاجز ہے جبکہ مخلوقات میں سے کوئی بھی مخلوق اس امر کی کیفیت اور سبب کو نہیں جان سکتی مگر سوائے ان کے جنہیں خود خداوند متعال نے اس امر سے مطلع اور آگاہ فرمایا ہے اور وہ (ذوات مقدسہ) عبارت ہیں انبیائے خدا، اولیاء اور اسرار و رموز الہیہ سے واقفیت

رکھنے والے خواص سے جو کہ خدائے متعال کی شریعت اور آئین کے محافظ بھی ہیں اور چشم زدن میں بلکہ اس سے بھی کہیں جلدی وہ ان امورالٰہیہ کے اجراء پر قادر ہیں جن کا وہ (اللہ) ارادہ فرماتا ہے وہ (اللہ) صرف لفظ "کن" کے خطاب سے کسی بھی چیز کو اپنی مشیت و ارادہ کے مطابق معرض وجود میں لے آتا ہے۔ اسی لئے اس کی مخلوق میں کوئی بھی چیز نہ تو اس سے بہت زیادہ نزدیک ہے اور نہ ہی دورتر۔ اے عمران! کیا تم میری بات سمجھ رہے ہو؟!

عمران: جی ہاں! اے میرے مولا و آقا! میں سمجھ گیا ہوں اور گواہی دیتا ہوں کہ میرا خدا اسی نوع کا ہے جس کی توصیف آپ نے بیان فرمائی ہے۔ وہ (اللہ) ویسے ہی یکتا ہے جیسے آپ نے ثابت فرمایا نیز میں گواہی دیتا ہوں کہ حضرت محمدؐ اس (اللہ) کے عبد خاص ہیں اور دین حق کے ساتھ مبعوث ہوئے اس کے بعد اس (عمران) نے قبلہ رخ ہو کر سجدہ کیا اور مسلمان ہو گیا۔

اس مناظرہ کا چشم دید گواہ حسن بن محمد النوفلی کہتا ہے کہ جب متکلمین نے عمران صابی کے کلام پر غور و فکر کیا جو کہ میدان مناظرے کا "مرد" تھا اور جس کی بات پر کوئی سبقت حاصل نہیں کر سکتا تھا۔ تو اس کے بعد ان متکلمین میں سے کوئی بھی فرد نہ تو حضرت امام رضاؑ کی خدمت میں آیا اور نہ ہی ان میں سے کسی نے کوئی سوال وغیرہ کیا۔ پھر جب شام کا وقت ہوا تو مامون حضرت امام رضاؑ کے ہمراہ اٹھا اور اس کے بعد دونوں اپنے اپنے گھر چلے گئے اس طرح دوسرے تمام لوگ بھی اِدھر اُدھر بکھر گئے۔

راوی (موصوف) کہتا ہے کہ میں اصحاب کے ایک گروہ کے ہمراہ تھا کہ اچانک محمد بن جعفر نے آدمی بھیج کر مجھے بلایا۔ میں جب ان کی خدمت میں حاضر ہوا تو انہوں نے کہا!

اے نوفلی! دیکھا تم نے کہ تمہارے دوست نے کیا کیا؟

خدا کی قسم! میں وہم و گمان بھی نہیں رکھتا تھا کہ (حضرت) علی بن موسیٰ الرضاؑ اس طرح کے مسائل پر اس قدر عمیق اور فلسفیانہ بحث و گفتگو کرنے میں بھی مہارت رکھتے ہیں۔ میں انہیں اس حیثیت سے نہیں پہچانتا تھا کہ آپؑ مدینہ میں علماء کے ساتھ اس طرح بھی "علم کلام" کے

حوالے سے گفتگو کر سکتے ہیں۔

نوفلی کہتا ہے کہ میں نے کہا! کیا آپ نے نہیں دیکھا تھا کہ حجاج کرام وہاں آپ کے پاس آ کر حلال وحرام سے متعلق مختلف مسائل کے بارے میں سوالات کرتے تھے اور آپ کو وہاں بسا اوقات مختلف لوگوں کے ساتھ بحث ومناظرہ کرتے نہیں دیکھا تھا؟!

محمد بن جعفر نے کہا! اے ابو محمد! مجھے ڈر ہے کہ کہیں یہ شخص (مامون) امامؑ سے حسد نہ کرنے لگے اور آپؑ کو زہر نہ دے ڈالے۔ یا اسی طرح کسی دوسری مصیبت میں آپؑ کو مبتلا نہ کر دے اس لئے میں چاہتا ہوں کہ تم انؑ سے کہو کہ آپؑ اس طرح کے امور سے دستبردار ہو جائیں!

(نوفلی کہتا ہے کہ) میں نے کہا! آپ میری درخواست کو قبول نہیں فرمائیں گے۔ اس لئے کہ وہ شخص (مامون) آپؑ کا امتحان لینا چاہتا تھا تا کہ وہ جان سکے کہ آپؑ اپنے آباؤ واجداد کے علوم ومعارف میں کچھ جانتے ہیں یا نہیں!! محمد بن جعفر نے مجھ سے کہا! تم انؑ سے کہنا کہ آپؑ کے چچا کو بعض وجوہات کی بناء پر یہ موضوع (مناظرہ) ناپسند ہے اور وہ چاہتے ہیں کہ آپؑ اس طرح کے کاموں سے دور رہیں۔ چنانچہ جب میں امامؑ کے پاس گیا اور آپؑ کو آپؑ کے چچا محمد بن جعفر کا پیغام پہنچایا تو امامؑ نے تبسم فرمانے کے بعد کہا! اللہ تعالیٰ میرے چچا کی حفاظت فرمائے! میں انہیں بہت اچھی طرح پہچانتا ہوں اور مجھے معلوم ہے کہ انہیں یہ بات (مناظرہ) کیوں ناپسند ہے۔

اس کے بعد امامؑ نے اپنے نوکر کو مخاطب کر کے فرمایا! جاؤ عمران صابی کو میرے پاس لیکر آؤ۔

میں نے عرض کی! مولا! میں آپ پر قربان جاؤں مجھے علم ہے کہ وہ اس وقت کہاں ہے۔ وہ ایک شیعہ بھائی کے پاس ہے۔

امامؑ نے فرمایا! کوئی بات نہیں اسے سواری فراہم کی جائے تا کہ وہ اس پر سوار ہو کر آ سکے۔ چنانچہ میں عمران صابی کے پاس گیا اور اسے اپنے ہمراہ لیکر آیا تو امامؑ نے اسے خوش آمدید کہا پھر اسے اپنا نیا لباس پیش کیا نیز سواری فراہم کرنے کے ساتھ ساتھ اسے دس ہزار درہم لیکر عطا فرمائے (ہدیہ کے طور پر) اس موقع پر جب میں نے عرض کی! میں آپ پر قربان جاؤں آپ نے

تو اپنے جد بزرگوار جناب امیر المومنین علیہ السلام جیسا سلوک فرمایا ہے۔

تو امامؑ نے فرمایا! ہمارا یہی رویہ ہوتا ہے۔اس کے بعد رات کے کھانے کا وقت ہوا تو آپؑ نے مجھے اپنے دائیں طرف اور عمران صابی کو بائیں طرف بٹھا کر کھانا تناول فرمایا۔کھانے سے فارغ ہونے کے بعد آپؑ نے عمران سے فرمایا! واپس گھر جاؤ اور کل علی الصبح میرے پاس آنا تاکہ تمہیں مدینے کی غذا فراہم کروں۔ اس معاملے کے بعد مختلف گروہوں کے متکلمین عمران کے پاس آتے اور وہ (عمران) ان لوگوں کے سوالات کا نہایت مدلل انداز سے جواب دیکر ان کے نظریات کو باطل قرار دیتا۔یہاں تک کہ متکلمین نے آخر کار اس سے کنارہ کشی اختیار کر لی۔

دوسری طرف مامون نے بھی عمران کو دس ہزار درہم بطور ہدیہ پیش کئے اور فضل نے بھی کچھ نقد مال اور ایک سواری اسے فراہم کی جبکہ حضرت امام رضاؑ نے اسے بلخ میں صدقات وخیرات کی نگرانی کی ذمہ داری سونپ دی۔وہاں سے بھی اس کو خاصا منافع حاصل ہوا اس طرح اس نے دنیا و آخرت کی دولت سمیٹ لی۔(بحار الانوار ج ۱۰، عیون جلد ۱، احتجاج طبرسی، تحف العقول اور چند دیگر معتبر کتب)

امام رضاؑ کے مناظروں اور علمی تحقیقات نے شیعی کتب کو بہترین رونق بخشی ہے اور امامؑ نے مختلف علمی موضوعات پر بات کی ہے خصوصاً عصمت انبیاء، آیات متشابہ قرآن، حضرت آدمؑ، حضرت ذوالنون، حضرت یوسفؑ، حضرت داودؑ، حضرت خاتم الانبیاءؐ اور ان کی ذریت وعترت، مسئلہ بداء اور اس طرح کے غیر موضوعات پر امامؑ نے سیر حاصل بات کی ہے اور یہ حقیقت ہے ان تمام تفاصیل کے لئے تو ایک الگ اور ضخیم کتاب درکار ہوگی۔

شب گزار و سحر ہونے تک اور شب گذار و اس کے آنے تک (باش تا صبح دولتش بدمد)

اسکے بعد اپنے کلام کو جاری رکھتے ہوئے یوں ارشاد فرمایا: مومن میں مادہ فہم و فراست اس کے ایمان کے مطابق ہوتا ہے اور مومن خدا کے نور سے دیکھتا ہے۔اور یہ دانش و معرفت

خداوند تعالیٰ نے ہر مومن میں بدرجہ اتم ودیعت کی ہوتی ہے۔اسی طرح ہم آئمہ معصومینؑ بھی اس کے حامل ہوتے ہیں۔جیسا کہ ارشادِ خداوندی ہوتا ہے۔

☆ **اِنَّ فی ذلک لآیات للمتوسمین** (سورہ حجر ۷۵)

متوسم یعنی ایسی علامت جس سے معرفت خداوندی کا دروازہ کھل سکے۔ پس پہلی وہ ہستی جس سے معرفت خداوندی ہوئی وہ جناب رسول خداؐ ہیں اور دوسری حضرت امیر المومنین علی ابن ابی طالبؑ اور انکے بعد ان کے قیامت تک آنے والے گیارہ معصوم فرزندؑ۔

اس دوران مامون نے امام علیہ السلام کی طرف دیکھا اور عرض کیا: یہ بتائیں کہ خداوند تعالیٰ نے آپ اہل بیتؑ سے کیا چیز مخصوص کی ہے؟

امامؑ نے ارشاد فرمایا: خداوند تعالیٰ نے محمدؐ و آل محمدؐ کو ایک ایسی پاک و منزہ روح عطاء فرمائی ہے جو ہم سے قبل کسی کو بھی عطا نہیں کی گئی تھی یہ فرشتہ نہیں بلکہ نور کا ایک عمودی ستون ہے جو ہمارے اور خدا کے درمیان رہتا ہے۔جو رسولِ خداؐ اور ان کے بعد ہم آئمہؑ کو عطاء کیا گیا ہے، یہ ستون ہمیں رہنمائی اور مدد کرتا ہے۔

مامون بولا: اے ابوالحسنؑ! مجھے اطلاع ملی ہے کہ بعض لوگ آپؑ کی تعریف میں افراط سے کام لیتے ہیں اور اس سلسلے میں حدود سے تجاوز کر جاتے ہیں۔

امامؑ نے فرمایا: میرے والد گرامی امام موسیٰ کاظمؑ نے اپنے آباؤ اجداد اور انہوں نے رسولِ خداؐ سے روایت کی ہے کہ فرمایا: " **لا ترفعونی فوق حقّی فان اللہ تبارک و تعالیٰ اتخذنی عبداً قبل ان یتخذنی نبیاً** "

میری ہستی سے زیادہ مجھے مقام نہ دو کیونکہ خداوند تعالیٰ نے مجھے پیغمبری عطا کرنے سے قبل اپنی بندگی کے مقام پر فائز کیا ہے۔ چنانچہ سورۂ آل عمران کی آیات ۷۹ اور ۸۰ میں ارشاد ہوا: کسی انسان کے لیے مناسب نہیں کہ اگر خدا اسے رسالت کے مقام پر فائز کرے اور اسے کتاب و حکمت کی تعلیم دے اور نبوت عطا فرمائے تو وہ لوگوں کو خدا کے بجائے اپنی عبادت کی

طرف راغب کرے، بلکہ پیغمبروں کا فرض ہے کہ لوگوں کو خدا کی عبادت کی طرف راغب کریں۔ لہذا آپ کو چاہیئے کہ لوگوں کو حق وحقیقت اور بندگی کی طرف دعوت دیں، یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ آپ ایک راسخ العقیدہ مسلمان ہوں اور آپ کو کوئی شخص اسلام سے منحرف کرلے۔

امامؑ نے چند آیات الٰہی کی تلاوت کے بعد فرمایا: حضرت امیرالمومنینؑ نے فرمایا ہے: میرے بارے میں دو شخص ہلاک ہوں گے اور اس میں میرا کوئی قصور نہیں، ایک وہ جو میری محبت میں افراط سے کام لے اور دوسرا تفریط سے کام لینے والا دشمن۔ کیونکہ وہ میری دشمنی میں حد سے تجاوز کر جائے گا۔ میں اُن لوگوں سے بے زاری کا اعلان کرتا ہوں جو ہمیں ہمارے اصل مقام سے اوپر لے جاتے ہیں یہ وہی لوگ ہیں جو ہمیں بشریت کی حدود سے نکال کر ربوبیت کی حدود تک لے جاتے ہیں۔ چنانچہ ہماری طرح عیسیٰؑ بن مریمؑ نے بھی نصاریٰ سے بے زاری کا اعلان فرمایا تھا: جس کی گواہ سورۂ مائدہ کی آیات ۱۱۶ اور ۱۱۷ ہیں: ''اور اس وقت کو یاد کرو جب عیسیٰ بن مریم کو کہا: کیا تو نے لوگوں سے کہا ہے عالمین کے پروردگار کے علاوہ مجھے اور میری والدہ کو بھی اپنا پروردگار قرار دو؟!''

عیسیٰؑ نے کہا! خدایا تو اس بات سے پاک ہے کہ تیرے بارے میں شک وشبہ کیا جائے تیرا مثل وشریک ٹھہرایا جائے۔ مجھے ہرگز روا نہیں کہ تیرے بارے میں ایسی بات زبان پر لاؤں۔ تو میرے دل کے بھید سے آگاہ ہے جبکہ میں تیرے اسرار کے بارے میں کچھ نہیں جانتا۔ یہ تو ہی ہے جو عالمین کے تمام اسرار کے بارے میں مکمل آگاہی رکھتا ہے۔ میں نے انھیں اس کے سوا کچھ نہیں کہا جو خود تو نے مجھے ارشاد فرمایا ہے کہ اکیلے خدا کی عبادت کرو جو میرا اور تم سب کا پروردگار ہے۔ اور اسکے علاوہ تو خود لوگوں پر گواہ ہے اور ناظر ہے اس وقت بھی جب میں لوگوں کے درمیان تھا تو عالم تھا اور اس وقت بھی جب تو نے میری روح کو اپنے قبضہ تصرف میں کرلیا تھا۔ تو ہی تو ہے جو عالم پر گواہ ہے۔ سورۂ نساء آیت ۱۷۲ میں خداوند تعالٰی نے ارشاد فرمایا: عیسیٰ مسیح نے کبھی بھی خدا کی بندگی سے انکار نہیں کیا اور اسی طرح خدا کے مقرب فرشتے اسکی بندگی کا

اعتراف کرتے ہیں اور نیز سورۂ مائدہ آیت ۷۵ میں ارشاد ہوا: " **ما المسیح بن مریم الا رسول قد خلت من قبله الرسل و امه صدیقة کانا یاکلان الطعام و معناه انهما کانا یتغوطان** " عیسیٰ ابن مریم ایک پیغمبر سے زیادہ کچھ نہ تھے۔ ان سے قبل ایسے پیغمبر ہو گزرے ہیں۔ ان کی والدہ ایک ایمان دار اور سچی خاتون تھیں۔ اور دونوں انسانوں کی طرح کھاتے (پیتے) تھے۔ یہاں امامؑ نے کھانے سے مراد یہ لی ہے کہ دونوں حوائج ضروریہ کے محتاج تھے۔ اور یہ بات ثابت کرتی ہے کہ وہ خدا نہ تھے کیونکہ خدا کسی کا محتاج نہیں ہوتا۔ پس جو کوئی خدائی پیغمبروں اور دینی پیشواؤں کو خدا کا درجہ دیتا ہے ہم اس سے بے زاری کا اعلان کرتے ہیں اسی طرح ہم اس سے دنیا و آخرت میں بے زار ہیں جو آئمہؑ کو پیغمبر کا مقام دے یا غیر آئمہ کو امام (منصوص من اللہ) کا مقام دے۔

مامون نے (رسول خداؐ اور آئمہؑ کی) واپسی کے بارے میں سوال کیا؟ فرمایا: واپسی صحیح ہے کیونکہ یہ دوسری اُمتوں میں واقع ہوئی ہے۔ اور قرآن اس بارے میں اطلاع دیتا ہے اور رسولِ خداؐ نے فرمایا ہے کہ جو کچھ دوسری اُمتوں میں واقع ہو چکا ہے میری اُمت میں بھی بعینہ اسی طرح واقع ہوگا اور فرمایا: "**اذا خرج المهدی من ولدی نزل عیسی بن مریم فصلی خلفه**" یہ بھی ضرور ہوگا کہ میرا بیٹا مہدیؑ ظہور کرے گا اور عیسیٰؑ بن مریمؑ اس کے پیچھے نماز پڑھیں گے۔ اور فرمایا: "**ان الاسلام بدء غریباً و سیعود و غریباً فطوبی للغربة**" اسلام شروع میں دیس نکالا اور بے یار و مددگار تھا اور جلدی پھر پردیسی ہو جائیگا۔ وہ خوش قسمت ہیں جو اس پردیسی کی حالت میں اس کی مدد کریں۔ پھر کہا گیا یا رسول اللہ پھر کیا ہوگا۔ فرمایا " **ثم یرجع الحق الیٰ اهله** " اس کے بعد حق اپنے اہل کی طرف پلٹ آئے گا۔ (یعنی واپسی کا زمانہ شروع ہو جائے گا اور حق اس کے وارثوں تک پہنچ جائے گا۔

مامون نے پوچھا: تناسخ کا عقیدہ رکھنے والوں کے بارے میں کیا خیال ہے؟

امامؑ نے فرمایا: تناسخ کے معتقد خدا کے منکر اور جنت وجہنم کے انکاری ہیں۔

مامون نے پوچھا: مسخ ہونے والوں کے بارے میں کیا خیال ہے؟!

امامؑ نے فرمایا: وہ ایسے افراد تھے، کہ خدا نے ان پر غضب نازل کیا اور وہ مغضوب ہو کر مسخ ہو گئے۔ وہ تین دن تک اسی حالت میں رہے اور پھر مر گئے۔ ان کی اولاد سے ایک بچہ بھی باقی نہ رہا۔ رہی ان حیوانات کی بات جو ہماری دنیا میں بندر اور سور کی شکل میں پائے جاتے ہیں ان کو مسخ کا نام دیا جاتا ہے اسی لیے یہ سب حرام گوشت ہیں۔

مامون نے کہا: "**لاابقانی الله بعدک یا ابالحسن فو الله مایوجد العلم الصحیح الا عند اهل هذا البیت و الیک انتهت علوم آبا ئک فجزاک الله عن الاسلام واهله خیراً**"

اے ابوالحسن! خدا آپؑ کے بعد مجھے زندہ نہ رکھے حقیقی علم تو آپ اہل بیتؑ ہی کی وراثت ہے۔ خداوند تعالیٰ آپؑ کو جزائے خیر عطا فرمائے۔